العقیدۃ الحسنۃ

المعروف بہ

عقائد الاسلام

تصنیف

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

ترجمہ و تشریح

خلیل العلماء مفتی محمد خلیل خاں القادری البرکاتی المارہروی

فرید بک سٹال ۴۰۔ اردو بازار لاہور

العقیدۃ الحسنۃ

المعروف بہ

عقائد الاسلام

تصنیف

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

ترجمہ و تشریح

خلیل العلماء مفتی محمد خلیل خاں القادری البرکاتی المارہری

فرید بکسٹال لاہور

آئینہ مضامین

فائدے ہی فائدے

انتساب

معمول ہے کہ حضرات مصنفین کرام بہ نیتِ حصولِ برکات اپنی تصانیف کو علمائے کرام و مشائخ عظام کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اس طریقۂ مرضیہ کی تقلید و اتباع میں یہ فقیر بے بضاعت اپنی اس ناچیز تصنیف کو اسوۃ المحققین الکرام ؛ سراج السالکین العظام ؛ کاشف استارِ طریقت ؛ واقف اسرار حقیقت ؛ حامی شرع مبین ؛ رکن رکین دین متین ؛ مجتہد میدانِ مجاہدہ ؛ مجاہد ایوانِ مشاہدہ : سیدنا و سندنا، مولانا و مقتدانا ؛ بالفضل و الکمالات اولانا ؛ حضرت السید الشاہ ابوالحسن احمد نوری المقلب بہ نوری میاں زبدۂ سلسلۂ برکاتیہ۔ مارہرۂ۔ مقدسہ۔ قدس سرہ العزیز کی بارگاہ، بیکس پناہ میں شرماتے لجاتے پیش کرنے کی جراءت کرتا ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

غلام غلامانِ آلِ رسول
العبد محمد خلیل خاں القادری البرکاتی المارہری عفی عنہ
حیدرآباد ۲ رشعبان المعظم ۱۴۰۰ھ دوشنبہ مبارکہ

نقش اوّل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ الْجَلِيْلِ۔ وَلِيِّ النَّعْمَاءِ وَالْعَطَاءِ الْجَزِيْلِ۔ اَلَّذِیْ خَلَقَنَا وَسَوَّانَا وَهَدَانَا سَوَاءَ السَّبِيْلِ۔ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَكِيْلٌ۔ لَا تَبْدِيْلَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ وَكَلِمَاتِهٖ وَلَا تَحْوِيْلَ۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ الْاَتَمَّانِ الْاَكْمَلَانِ عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاَصِيْلِ۔ السَّيِّدِ النَّبِيْلِ۔ الْمُنْتَخَبِ مِنْ اَنْجَابِ وُلْدِ اِسْمَاعِيْلَ۔ صَاحِبِ الْوَجْهِ الْجَمِيْلِ۔ وَالْخَدِّ الْاَسِيْلِ۔ وَالطَّرْفِ الْكَحِيْلِ۔ مَالِكِ الْحَوْضِ وَالْكَوْثَرِ وَالسَّلْسَبِيْلِ۔ اَلَّذِیْ جَاءَ بِالْوَحْیِ وَالتَّنْزِيْلِ۔ وَاَوْضَحَ لَنَا بَيَانَ التَّاوِيْلِ۔ وَخُصِّصَ عَلٰى سَائِرِ الْخَلَائِقِ حَتَّى الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَالْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ بِالْكَرَامَةِ وَالتَّفْضِيْلِ۔ فَيَرْغَبُ اِلَيْهِ الْخَلَائِقُ حَتَّى الْخَلِيْلِ۔ اَلْمُؤَيَّدُ بِسَيِّدِنَا جِبْرِيْلُ وَسَيِّدِنَا مِيْكَائِيْلُ۔ اَلْمُبَشَّرُ بِهٖ فِی التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ۔ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْمَلِكُ

الْحَقُّ الْمُبِيْنُ . وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدِنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهُ الصَّادِقُ

الْوَعْدِ الْاَمِيْنُ . مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا . وَمَنْ

يَّعْصِهِمَا فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِيْنًا . رَبَّنَا يَا مَوْلٰنَا اِنَّا اٰمَنَّا بِهٖ صَلَّى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ نَرَهٗ . فَمَتِّعْنَا اللّٰهُمَّ فِي الدَّارَيْنِ بِرُؤْيَتِهٖ . وَ

ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰى مَحَبَّتِهٖ . وَاسْتَعْمِلْنَا عَلٰى سُنَّتِهٖ . وَاحْشُرْنَا فِي

زُمْرَتِهٖ وَتَوَفَّنَا عَلٰى مِلَّتِهٖ . وَاَوْرِدْنَا حَوْضَهُ الْاَصْفٰى وَاسْقِنَا

بِكَاْسِهِ الْاَوْفٰى . اَللّٰهُمَّ يَا رَبِّ بِجَاهِ نَبِيِّكَ الْمُصْطَفٰى وَرَسُوْلِكَ

الْمُجْتَبٰى وَاَمِيْنِكَ عَلٰى وَحْيِ السَّمَاءِ . طَهِّرْ قُلُوْبَنَا مِنْ كُلِّ وَصْفٍ

يُّبَاعِدُنَا عَنْ مُشَاهَدَتِكَ وَمَحَبَّتِكَ . وَاَمِتْنَا عَلَى الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ

وَالْجَمَاعَةِ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَادِمِيْنَ وَلَا فَاتِنِيْنَ وَلَا مَفْتُوْنِيْنَ .

وَالشَّوْقِ اِلٰى لِقَاءِكَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ . اٰمِيْن يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ .

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ

وَبَارِكْ وَسَلِّمْ وَرَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْ اَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ

بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ .

امابعد خداوند بخشندہ عزاسمہٗ کی توفیق خیر رفیق، اور اس غنی بے نیاز کی مرحمتیں بخششیں، شامل حال نہ ہوں تو انسان ضعیف البنیان کی کیا بساط کہ زبان ہلاسکے یتہ اٹھا سکے

یہ اسی کریم لم یزل ولایزال کے کرم لازوال کا ثمرہ ہی کہ مجھ جیسا ضعیف وناتواں ہیچ میرز وہیچمداں، عقائد اہلسنت وجماعت، ومعتقدات اساطین دین وملت، کثرھم اللہ تعالیٰ و ادخلنا فی زمرتھم پر مشتمل، نئے طرز، نئے اسلوب، نئی ترتیب سے متشکل، یہ کتاب مستطاب تشریح العقائد المعروف بہ "عقائد الاسلام" لے کر ناظرین وقارئین کی خدمت میں حاضر ہے اور آپ کی دعاہائے خیر کا طالب بھی۔

محنت میری ہے اور توجہ میرے مشائخ کرام خصوصاً سیدی وسندی، وارث الاکابر الاسیاد بالاستحقاق والانفراد، مولینا السید الشاہ اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی مارہری، قدس سرہ کی کام میرا ہے اور التفات کرم ہے، شیخ الاسلام والمسلمین، حامئ دین متین، مجدد مائۃ حاضرہ، صاحب حجۃ قاہرہ، اعلحضرت، عظیم البرکت، مولینا الشاہ احمد رضاخان صاحب قادری برکاتی فاضل بریلوی، قدسنا اللہ بسرہ العزیز کا۔

نام میرا ہے اور کرم بے پایاں ہے۔ استاذی واستاذ الاستاذ، حضرت صدر الشریعۃ، بدر الطریقۃ، ابو العلیٰ مولانا محمد امجد علی صاحب سنی حنفی قادری رضوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (مصنف بہار شریعت) کا ورنہ کہاں مجھ سا سیاہ کار وبے بضاعت اور کہاں خدمت دین متین کی یہ سعادت

فقیر نے اس کتاب کی ترتیب وتدوین اور تقریر عقائد ومسائل میں "بہار شریعت" کو اساس وبنیاد بنایا۔ اور مصنفات اعلحضرت قدس سرہ العزیز سے مواد فراہم کرکے "تشریح و توضیح اور کہیں فوائد کے نام سے بعونہ تعالیٰ کام، اختتام تک پہنچایا۔

شرح عقائد نسفی۔ شرح فقہ اکبر۔ تمہید ایمان۔ المعتمد المستند۔ تمہید ابو الشکور السالمی الیواقیت والجواہر۔ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ۔ نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض وغیرھا کتب اکابر کو پیش نظر رکھا۔ ان کتب کے علاوہ "اچھی بات" جہاں سے ملی، جس سے بھی ملی، اخذ کرلی اگرچہ کتب اغیار سے۔ جن سے نہ کوئی علاقہ محبت نہ رابطہ عقیدت۔ مولائے کریم، اس خدمت کو قبول فرمائے اور اسے اس گناہگار کے لئے ذریعہ نجات بنائے۔ مجھے اور قارئین کو اس سے دنیا وآخرت میں فائدے پہنچائے اور ایمان پر ثبات نصیب فرمائے۔

قارئین سے التماس ہے کہ وہ ظاہری صوری یا کسی معنوی وباطنی غلطی پر مطلع ہوں تو فقیر پر احسان فرمائیں تاکہ اس کی اصلاح کی جاسکے۔ واللہ ولی التوفیق وبیدہٖ التحقیق۔

العبد محمد خلیل خاں القادری البرکاتی المارہری عفی عنہ حیدرآباد سندھ پاکستان۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

العقيدة الحسنة

توحید و وجود الٰہ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِیِّیۡنَ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ۔

اَمَّا بَعۡدُ۔ فَیَقُوۡلُ الۡفَقِیۡرُ الۡمُفۡتَقِرُ اِلٰی رَحۡمَۃِ اللّٰہِ الۡکَرِیۡمِ اَحۡمَدُ الۡمَدۡعُوُّ بِوَلِیِّ اللّٰہِ بۡنِ عَبۡدِ الرَّحِیۡمِ اَحۡسَنَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِلَیۡہِمَا اُشۡہِدُ اللّٰہَ تَعَالٰی وَمَنۡ حَضَرَ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ وَالۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ اَنِّیۡ اَعۡتَقِدُ مِنۡ صَمِیۡمِ قَلۡبِیۡ۔

:۔ سب خوبیاں اللہ کو جو مالک ہے سارے جہانوں کا۔ اور درود و سلام ہمارے آقا محمد پر جو تمام نبیوں کے خاتم ہیں اور آپ کی تمام آل واصحاب پر۔

اس کے بعد کہتا ہے یہ عاجز و محتاج ہے خداوند کریم کی رحمت کا یعنی احمد جسے ولی اللہ بن عبدالرحیم کہتے ہیں۔ خدا ان دونوں کے حال پر رحم فرمائے کہ میں خدائے تعالیٰ کو اور ان کو جو فرشتوں جنوں اور انسانوں میں سے حاضر ہیں گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں سچے دل سے یہ اعتقاد رکھتا ہوں کہ

اَنَّ لِلۡعَالَمِ صَانِعًا قَدِیۡمًا لَمۡ یَزَلۡ وَلَا یَزَالُ وَاجِبًا وُجُوۡدُہٗ مُمۡتَنِعًا عَدَمُہٗ وَھُوَ الۡکَبِیۡرُ الۡمُتَعَالُ۔ مُتَّصِفًا بِجَمِیۡعِ صِفَاتِ الۡکَمَالِ

مُنَزَّهًا مِنْ جَمِيْعِ سِمَاتِ النَّقْصِ وَالزَّوَالِ. وَهُوَ خَالِقٌ لِجَمِيْعِ الْمَخْلُوْقَاتِ. عَالِمٌ بِجَمِيْعِ الْمَعْلُوْمَاتِ. قَادِرٌ عَلٰى جَمِيْعِ الْمُمْكِنَاتِ. مُرِيْدٌ لِجَمِيْعِ الْكَائِنَاتِ. حَيٌّ بَصِيْرٌ لَاشِبْهَ لَهٗ. وَلَاضِدَّ لَهٗ وَلَانِدَّ لَهٗ. وَلَامِثْلَ لَهٗ. وَلَاشَرِيْكَ لَهٗ فِيْ وُجُوْبِ الْوُجُوْدِ. لَافِيْ اِسْتِحْقَاقِ الْعِبَادَةِ - وَلَافِي الْخَلْقِ وَالتَّدْبِيْرِ. فَلَا يَسْتَحِقُّ الْعِبَادَةَ اَیْ اَقْصٰی غَايَةِ التَّعْظِيْمِ اِلَّاهُوَ. وَلَا يَشْفِيْ مَرِيْضًا. وَلَا يَرْزُقُ رِزْقًا وَلَا يَكْشِفُ ضُرًّا اِلَّاهُوَ. بِمَعْنٰی اَنْ يَقُوْلَ لِشَيْءٍ كُنْ فَيَكُوْنُ.

ترجمہ:۔ اس جہاں کا خالق ایک (اللہ) ہے جو قدیم (ازلی ابدی) ہے کہ ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا۔ واجب الوجود ہے یعنی اس کا وجود ضروری ہے اور عدم محال۔ وہ بزرگ و برتر ہے اور ہر کمال و خوبی کا جامع۔ اور ہر اس چیز سے جس میں عیب و نقص ہے پاک ہے۔ وہی تمام مخلوقات کا خالق ہے (ذوات ہوں خواہ افعال سب اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں) تمام باتوں کا جاننے والا ہے (اور اس کا علم ہر شے کو محیط ہے) تمام ممکن الوجود چیزوں پر قادر ہے (کوئی ممکن اس کی قدرت سے باہر نہیں) تمام جہانوں کو اپنے ارادہ سے پیدا فرمانے والا ہے وہ خود زندہ ہے اور ہر (باریک سے باریک) چیز کو دیکھتا ہے۔ نہ کوئی اس کا مشابہ ہے نہ مقابل۔ نہ کوئی اس کا حریف ہے نہ عدیل و ہمسر۔ اور نہ کوئی اس کا مماثل ہے نہ شریک۔ نہ وجوب وجود (یعنی ذات و صفات) میں۔ نہ استحقاق عبادت میں۔ نہ جہان کی تخلیق میں نہ اس کے انتظام و انصرام میں۔ لہٰذا سارے جہانوں میں کوئی اس کے سوا، اس کا مستحق نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے۔ یعنی ماسوی اللہ کے کوئی انتہائی تعظیم کا حق

نہیں رکھتا۔ اور نہ کوئی اور، اس کے سوا ہے کہ بیماروں کو شفا دے۔ مخلوق کو روزی بخشے اور کسی کی تکلیف کو ٹال دے۔ بایں معنی کہ وہ جب کسی چیز کو چاہے تو اس سے فرمائے "ہوجا" اور وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

لَا بِمَعْنَى السَّبَبِ الْعَادِيِّ الظَّاهِرِيِّ . كَمَا يُقَالُ شَفَى الطَّبِيبُ الْمَرِيضَ . وَرَزَقَ الْأَمِيرُ الْجُنْدَ ، فَهٰذَا غَيْرُهُ . وَإِنْ أَشْبَهَ فِي اللَّفْظِ . وَلَا ظَهِيرَ لَهُ . وَلَا يَحِلُّ فِي غَيْرِهِ . لَا يَقُومُ بِذَاتِهِ حَادِثٌ . فَلَيْسَ فِي ذَاتِهِ وَلَا صِفَاتِهِ حُدُوثٌ . وَإِنَّمَا الْحُدُوثُ فِي تَعَلُّقِ الصِّفَاتِ بِمُتَعَلِّقَاتِهَا . حَتّٰى يَظْهَرُ الْأَفْعَالُ . وَحَقِيقَتُهُ أَنَّ التَّعَلُّقَ لَيْسَ أَيْضًا بِحَادِثٍ . وَلٰكِنَّ الْحَادِثَ هُوَ الْمُتَعَلَّقُ . فَيَظْهَرُ أَحْكَامُ التَّعَلُّقِ مُتَفَاوِتَةً . وَهُوَ بَرِيٌّ عَنِ الْحُدُوثِ وَالتَّعَدُّدِ مِنْ جَمِيعِ الْوُجُوهِ .

ترجمہ:۔ نہ سبب ظاہری اور عرفِ عام و عادت کے اعتبار سے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ طبیب نے بیمار کو شفا دی اور بادشاہ نے لشکر کو روزی دی کہ یہ بالکل دوسری بات ہے اگرچہ الفاظ (اور کہنے سننے) میں اس کے مشابہ۔ اور نہ کوئی اس کا مددگار (و وزیر) ہے۔ وہ نہ کسی چیز میں حلول کرتا ہے۔ نہ کسی چیز میں (متحد ہوتا اور) سماتا ہے۔ کوئی حادث و ناپید چیز اس کی ذات کریم کے ساتھ قائم نہیں۔ لہٰذا نہ اس کی ذات حادث ہے نہ صفات، (جس طرح اس کی ذات قدیم ازلی ابدی ہے صفات بھی قدیم ازلی ابدی ہیں) ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کی صفات (فعلیہ) کا تعلق اپنے متعلقات سے حادث ہوتا ہے تاکہ افعال ظاہر ہوں۔ اور حقیقت یہ

ہے کہ وہ تعلق بھی حادث نہیں۔ حادث تو وہی چیز ہے جس سے ان صفات کا تعلق ہوا۔ اسی متعلق کے اختلاف کے باعث، تعلق کے احکام مختلف ہوتے ہیں۔ اور اس کی ذات ہر اعتبار سے، ہر قسم کے حدوث اور تعدد و تفاوت سے مُبَرّا ہے۔ (اَلآنَ ہُوَ کَمَا کَانَ) وہ اب بھی ویسا ہی ہے جیسا ازل میں تھا۔ اس میں نہ کوئی تغیر ہوا نہ کسی حدوث کو اس کے سراپردۂ جلال میں کسی قسم کا کوئی دخل)

لَيْسَ بِجَوْهَرٍ وَلَا عَرَضٍ. وَلَا جِسْمٍ. وَلَا فِي حَيِّزٍ وَّجِهَةٍ. لَا يُشَارُ إِلَيْهِ بِهُنَا وَهُنَالِكَ. وَلَا يَصِحُّ عَلَيْهِ الْحَرْكَةُ وَالْإِنْتِقَالُ. وَالتَّبَدُّلُ فِي ذَاتِهٖ. وَلَا فِي صِفَاتِهٖ. وَالْبَاطِلُ وَلَا الْكِذْبُ. وَهُوَ فَوْقَ الْعَرْشِ. كَمَا وَصَفَ نَفْسَهٗ. وَلٰكِنْ لَا بِمَعْنَى التَّحَيُّزِ. وَلَا الْجِهَةِ. بَلْ لَا يَعْلَمُ كُنْهَهٗ هٰذَا التَّوَفُّقِ وَالْإِسْتِوَاءِ إِلَّا هُوَ. وَالرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِمَّنْ اٰتَاهُ اللّٰهُ مِنْ لَّدُنْهُ عِلْمًا.

ترجمہ:۔ نہ وہ جوہر ہے اور نہ عرض۔ اور نہ کسی مقرر جگہ میں۔ نہ کسی متعین سمت میں۔ کہ جس کی طرف "یہاں" اور "وہاں" سے اشارہ کیا جا سکے۔ اور اس کا حرکت کرنا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا، یا اپنی ذات و صفات میں کسی قسم کا تغیر قبول کرنا۔ یا لغو کہنا یا کرنا اور جھوٹ سے ملوث ہونا (یا دغا خیانت ظلم جہل بے حیائی وغیرھا عیوب) اس پر قطعًا محال ہیں۔ اور وہ عرش پر مستوی ہے جیسا کہ خود اس نے اپنا وصف کریم بیان فرمایا لیکن نہ اس معنی میں کہ وہ کسی خاص سمت و جہت میں ہے (کہ اللہ تعالٰے جہت و مکان و زمان و حرکت و سکون و شکل و صورت و جمیع حوادث سے پاک ہے) بلکہ اس فوقیت اور عرش پر استواء کی حقیقت اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یا پھر ان ذوات عالیہ کو اس سے آگاہی ہے جنہیں اس

نے اپنے پاس سے علم بخشا اور ان کا علم درجہ یقین کو پہنچ گیا۔

دیدارِ الٰہی

وَهُوَ مَرْئِيٌّ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِوَجْهَيْنِ اَحَدُهُمَا اَنْ يَّنْكَشِفَ عَلَيْهِمْ اِنْكِشَافًا بَلِيْغًا اَكْثَرَ مِنَ التَّصْدِيْقِ بِهٖ عَقْلًا، فَكَاَنَّهُ الرُّؤْيَةُ بِالْبَصَرِ. اِلَّا اَنَّهٗ مِنْ غَيْرِ مُحَاذَاةٍ وَّمُقَابَلَةٍ وَجِهَةٍ وَلَوْنٍ وَّشَكْلٍ، وَهٰذَا الْوَجْهُ قَالَ بِهِ الْمُعْتَزِلَةُ وَغَيْرُهُمْ وَهُوَ حَقٌّ. اِنَّمَا خَطَاءُهُمْ فِيْ تَاوِيْلِ الرُّؤْيَةِ بِهٰذَا الْمَعْنٰى حَصْرُهُمُ الرُّؤْيَةَ فِيْ هٰذَا الْمَعْنٰى،

وَثَانِيْهِمَا اَنْ يَّتَمَثَّلَ لَهُمْ بِصُوْرَةٍ كَثِيْرَةٍ. كَمَا هُوَ مَذْكُوْرٌ فِي السُّنَّةِ. فَيَرَوْنَهُمْ بِاَبْصَارِهِمْ بِالتَّشَكُّلِ وَاللَّوْنِ وَالْمُوَاجِهَةِ كَمَا يَقَعُ فِيْ مَنَامٍ،

ترجمہ : اللہ تعالیٰ کے وجہ کریم کا دیدار آخرت میں ہر صاحب ایمان (سنی مسلمان) کو ہوگا۔ اور اس کی دو صورتیں، متصور ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ ان پر تجلی خاص فرمائے اور اس کا دیدار بلا کیف۔ تصدیق عقلی سے زیادہ منکشف اور روشن تر ہو گویا کہ آنکھیں اس کا ظاہری طور پر نظارہ کر رہی ہیں۔ لیکن یوں کہ وہ نہ کسی کے محاذات میں ہو نہ کسی کے مقابلہ میں۔ نہ کسی جہت خاص میں نہ کسی رنگ و شکل و صورت میں۔ یہ عقیدہ معتزلہ وغیرہ کا ہے اور وہ حق بھی ہے لیکن ان کی

غلطی یہ ہے کہ انہوں نے، اس معنی کے اعتبار سے دیدار الٰہی کو، اسی طریقۂ تاویل میں منحصر کر دیا ہے۔

اور دوسری صورت، دیدار الٰہی کی یہ ہو سکتی ہے کہ وہ ایک روشن ترین ستارے کی مانند اہل ایمان پر نمودار ہو جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا۔ اور اہل ایمان کی نگاہوں میں بظاہر جہت شکل، مکان اور رنگ سے، اس کی زیارت معنوی وعقلی ہو جائے۔ جیسا کہ خواب میں واقع ہوتا ہے حالانکہ وہ رویت عقلی ہوتی ہے عینی نہیں)

كَمَا اَخْبَرَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ قَالَ رَأَيْتُ رَبِّيْ فِيْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ. فَيَرَوْنَ هُنَاكَ كَمَا يَرَوْنَ فِي الدُّنْيَا مَنَامًا. وَهٰذَانِ الْوَجْهَانِ نَفْهَمُهُمَا وَنَعْتَقِدُهُمَا. وَاِنْ كَانَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَرَسُوْلُهٗ اَرَادَ بِالرُّؤْيَةِ غَيْرَهُمَا فَحَقٌّ. اٰمَنَّا بِمُرَادِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ لَّمْ نَعْلَمْ بِعَيْنِهٖ ذٰلِكَ.

ترجمہ:۔ اور جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی اور ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار کو بہترین صورت میں دیکھا۔ تو ہو سکتا ہے کہ آخرت میں دیدار الٰہی کی وہی صورت ہو جیسی ہمیں خواب میں دوسری چیزیں نظر آتی ہیں۔ یہ دونوں وہ صورتیں ہیں جو ہماری فہم ناقص میں آتی ہیں اور ہم ان پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر اللہ ورسول کے نزدیک، رویت الٰہی سے، ان دونوں طریقوں کے علاوہ کوئی اور طریقہ مراد ہے تو وہی حق وصواب ہے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ خدا ورسول کی جو مراد ہے وہ حق ہے اگرچہ ہم اسے کما حقہٗ نہ سمجھ پائیں۔

قدرتِ الٰہی

مَاشَاءَ اللّٰهُ كَانَ. وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ فَالْكُفْرُ وَالْمَعَاصِيْ بِخَلْقِهٖ وَاِرَادَتِهٖ لَا بِرِضَاهُ. وَغَنِيٌّ لَا يَحْتَاجُ اِلٰى شَيْءٍ فِيْ ذَاتِهٖ وَصِفَاتِهٖ. وَلَا حَاكِمَ عَلَيْهِ. وَلَا يَجِبُ عَلَيْهِ شَيْءٌ بِاِيْجَابِ غَيْرِهٖ. نَعَمْ قَدْ يَعِدُ شَيْئًا فَوَفّٰى بِالْوَعْدِ. كَمَا وَرَدَ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللّٰهِ. وَجَمِيْعُ اَفْعَالِهٖ يَتَضَمَّنُ الْحِكْمَةَ وَالْمَصْلِحَةَ الْكُلِّيَّةَ. عَلٰى مَا لَمْ نَعْلَمْ. وَلَا يَجِبُ عَلَيْهِ اللُّطْفُ الْجُزْئِيُّ الْخَاصُّ وَالْاِصْلَاحُ الْخَاصُّ لَا قَبِيْحَ مِنْهُ. وَلَا يُنْسَبُ فِيْ مَا يَفْعَلُ اَوْ يَحْكُمُ عَلٰى جَوْرٍ وَظُلْمٍ. يُرَاعِي الْحِكْمَةَ فِيْ مَا خَلَقَ وَاَمَرَ. لَا اَنَّهٗ يَسْتَكْمِلُ نَفْسَهٗ وَ صِفَاتَهٗ بِشَيْءٍ. وَاَنْ يَكُوْنَ لَهٗ حَاجَةٌ وَغَرَضٌ. فَاِنَّ ذٰلِكَ ضُعْفٌ وَقُبْحٌ.

ترجمہ:۔ جو اس نے چاہا وہ ہوگیا اور جو نہ چاہا نہ ہوا۔ پس کفر و معصیت کو اسی نے پیدا کیا اسی کے ارادے سے ہیں لیکن وہ ان سے راضی نہیں۔ وہ غنی و بے نیاز ہے اپنی ذات وصفات میں کسی دوسری چیز کا محتاج نہیں۔ اس پر کسی کا حکم نہیں چلتا۔ اور نہ کسی دوسرے کے لازم کردینے سے اس پر کوئی شے لازم ہوجاتی ہے (مالک علی الاطلاق ہے جو چاہے کرے) ہاں اس نے اپنے کرم سے جو وعدہ فرمالیا ہے اسے پورا فرماتا ہے (اس کے وعدہ وعید بدلتے

نہیں) چنانچہ احادیث میں ہے کہ (جو فلاں کام کرے وہ جنت میں جائے گا) اللہ اس کا ضامن ہے۔ اللہ کے ہر فعل میں کثیر حکمتیں اور بے شمار مصلحتیں ہیں خواہ ہم کو (معلوم ہوں یا) نہ معلوم ہوں۔ اس پر کسی خاص بندے کے ساتھ لطف یا اس کے ساتھ وہ کرنا جو اس کے حق میں بہتر ہو کچھ واجب نہیں۔ وہ برائی سے پاک و صاف ہے۔ اس کے کسی فعل یا حکم کی طرف ظلم و زیادتی کی نسبت نہیں کی جا سکتی (وہ جو کچھ کرتا ہے یا کرے گا عدل و انصاف ہے) وہ جو کچھ کرتا یا جس کام کا حکم ہوتا ہے وہ کسی نہ کسی مصلحت سے ہوتا ہے) لیکن اس کا حکم دینا (یا کسی چیز سے روکنا) اس لئے نہیں کہ اس کام کے کرنے یا نہ کرنے سے اس کی ذات و صفات میں کوئی کمال حاصل ہوگا۔ اور نہ اس لئے کہ اس میں اس کی کوئی غرض و غایت ہے کہ یہ چیزیں ضعف و نقصان کی علامتیں ہیں (اور وہ اس سے برتر و بالا)

لَاحَاكِمَ سِوَاهُ. فَلَيْسَ لِلْعَقْلِ حُكْمٌ فِي حُسْنِ الْأَشْيَاءِ وَقُبْحِهَا وَكَوْنِ الْفِعْلِ سَبَبًا لِلثَّوَابِ وَالْعِقَابِ. وَإِنَّمَا حُسْنُ الْأَشْيَاءِ وَقُبْحُهَا بِقَضَاءِ اللهِ تَعَالَى وَحُكْمِهِ وَتَكْلِيفِهِ لِلنَّاسِ. فَمِنْهَا مَا يُدْرِكُ الْعَقْلُ وَجْهَ مَصْلِحَتِهِ وَمُنَاسَبَتِهِ لِلثَّوَابِ وَالْعِقَابِ. وَمِنْهَا مَا لَا تُدْرَكُ إِلَّا بِأَخْبَارِ الرُّسُلِ عَنِ اللهِ تَعَالَى. وَكُلُّ صِفَةٍ مِنْ صِفَاتِهِ وَاحِدَةٌ بِالذَّاتِ. غَيْرُ مُتَنَاهِيَةٍ بِحَسَبِ التَّعَلُّقِ بِالْمَعْنَى.

ترجمہ:۔ اس کے سوا حقیقۃً "کوئی دوسرا حاکم نہیں (نہ تو دوسرا اس پر نہ کوئی حکم چلا سکتا ہے اور نہ اپنے حقوق کا اظہار کر کے اس سے کوئی مطالبہ کر سکتا ہے) لہٰذا کسی چیز کی بھلائی برائی، اور کسی کام کا، باعث ثواب و عذاب ہونا، عقل پر منحصر نہیں (کہ عقل نکمی ہے)

بلکہ چیزوں کا بھلا برا ہونا، اس بات پر موقوف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اچھا بتایا، اس کے کرنے کا بندوں کو حکم دیا اور انہیں اس کا مکلف بنایا ہے۔ البتہ ان میں بعض امور ایسے ہیں جن کی افادیت (بندوں کے حق میں مفید ہونا) اور ان امور کا ثواب و عذاب کے مناسب ہونا، عقل انسانی بھی پہچان لیتی ہے جبکہ بعض امور ایسے بھی ہیں جن کی اچھائی برائی جاننے پہچاننے میں ہماری عقل قاصر ہے۔ اور جب تک انبیائے کرام، وحی الٰہی کے ذریعہ ہمیں ان کا حسن و قبح نہ بتائیں ہم بادی النظر میں آگاہ نہیں ہو سکتے۔ خدائے تعالیٰ کی ہر صفت بذات خود واحد ہے (کوئی کسی صفت میں اس کا شریک نہیں) ہاں اس کا اپنے متعلقات سے تعلق غیر متناہی اور لا انتہا ہے۔ (وہ ذرہ ذرہ کو محیط ہے)

فرشتے اور شیاطین

وَلِلّٰهِ تَعَالٰی مَلٰئِكَةٌ عَلَوِيُّوْنَ مُقَرَّبُوْنَ. وَمَلٰئِكَةٌ مُوَكَّلُوْنَ عَلٰى كِتَابَةِ الْاَعْمَالِ. وَحِفْظِ الْعِبَادِ عَنِ الْمَهَالِكِ. وَالدَّعْوَةِ اِلَى الْخَيْرِ. وَيُلِمُّوْنَ بِالْعَبْدِ لُمَّةَ الْخَيْرِ. لِكُلِّ وَاحِدٍ مَقَامٌ مَعْلُوْمٌ. لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ.

وَمِنْ خَلْقِ الشَّيَاطِيْنُ. لَهُمْ لُمَّةُ شَرٍّ بِابْنِ اٰدَمَ

قرآن

وَالْقُرْاٰنُ كَلَامٌ اَوْحَى اللّٰهُ اِلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا. اَوْ مِنْ وَّرَاءِ

حِجَابٍ. اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِہٖ مَا یَشَاءُ فَھٰذَا حَقِیْقَۃُ الْوَحْیِ۔

ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرشتے پیدا کئے ہیں۔ ان کو مختلف خدمتیں سپرد ہیں۔ ان میں سے بعض فرشتے (مقرب بارگاہ الہی ہیں (اور یہ سب ملائکہ پر فضیلت رکھتے ہیں) ان کو علوی کہتے ہیں۔ اور بعض کے متعلق انسانوں کے اعمال نامے لکھنے کی خدمت سپرد ہے۔ بعض کے متعلق انسانوں کے اعمال نامے لکھنے کی خدمت سپرد ہے۔ بعض انسان کی ہلاکتوں اور دشمنوں سے حفاظت کرتے ہیں۔ بعض انسان کو بھلائی اور خیر کی طرف بلاتے اور نیکی کی طرف راغب کرتے ہیں۔ ان فرشتوں میں سے ہر ایک کا ایک خاص منصب و مقام ہے۔ خدا کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کرتے (نہ قصداً نہ سہواً نہ خطاءً۔ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ مخلوقات الٰہی میں شیاطین بھی ہیں۔ جو بنی آدم کو برائی پر آمادہ کرتے ہیں

اور قرآن مجید کلام الٰہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی آخر الزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا۔ اور یہ بات کسی بشر کے لئے ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے دوبدو گفتگو کرے مگر وحی کے طور پر (یعنی بے واسطہ۔ اس کے دل میں القا فرما کر اور الہام کر کے۔ بیداری میں خواہ خواب میں) یا یوں کہ وہ بشر پس پردہ اس کا کلام سنے۔ یا اللہ تعالیٰ کوئی فرشتے بھیجے کہ وہ اس کے حکم سے وحی کرے جو وہ چاہے۔
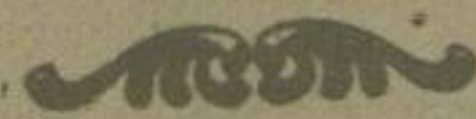
اسمائے الٰہی

وَلَا يَجُوْزُ الْاِيْجَادُ فِيْ اَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَصِفَاتِهٖ فَيَتَوَقَّفُ الْاِطْلَاقُ عَلَى الشَّرْعِ.

معاد و محشر

وَالْمَعَادُ الْجِسْمَانِيُّ حَقٌّ. يُحْشَرُ الْاَجْسَادُ. وَيُعَادُ فِيْهَا الْاَرْوَاحُ. وَيَكُوْنُ الْاَبْدَانُ تِلْكَ الَّتِيْ كَانَتْ شَرْعًا وَعُرْفًا. وَاِنْ طَالَتْ اَوْ قَصُرَتْ. كَمَا وَرَدَ اَنَّ ضِرْسَ الْكَافِرِ مِثْلُ اُحُدٍ. اَوْ كَانَتْ اَلْطَفَ مِنْهَا. كَمَا وَرَدَ فِيْ صِفَةِ اَهْلِ الْجَنَّةِ. وَذٰلِكَ اَنَّ الصَّبِيَّ هُوَ الَّذِيْ يَشُبُّ وَيَشِيْبُ وَاِنْ تَبَدَّلَتِ الْاَجْزَاءُ فِيْهِ اَلْفَ مَرَّةٍ. وَالْمُجَازَاتُ وَالْمُحَاسَبَاتُ وَالصِّرَاطُ وَالْمِيْزَانُ حَقٌّ.

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں اور اس کی صفات میں کوئی نام محض اپنی طرف سے ایجاد کرنا جائز نہیں۔ اسمائے الٰہیہ سب توقیفی ہیں اور ذات باری تعالیٰ پر ان کا اطلاق، صرف شرع پر موقوف و منحصر ہے۔

معاد جسمانی (یعنی قیامت کے روز جسموں کا اپنی اپنی قبروں سے اٹھنا) برحق ہے۔ لوگوں کے اجسام اٹھائے جائیں گے اور دنیا میں جو روح جس جسم سے متعلق تھی۔ اسی میں دوبارہ

ڈال دی جائے گی۔ شرعاً بھی یہی بات ہے اور عرف و عادت کا بھی یہی تقاضا ہے ہاں یہ ممکن ہے کہ وہ طویل و کوتاہ کر دیئے جائیں جیساکہ حدیث شریف میں آیا کہ کافر کی داڑھ کوہِ احد کے برابر ہو جائے گی اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اجسام اس سے زیادہ لطیف اور خوب صورت ہو جائیں جیسے دنیا میں تھے: جیساکہ جنتیوں کے بارے میں وارد ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ بچہ۔ وہی بچہ جوان ہوا وہی بوڑھا ہوا۔ اور اس کے اجزاء ہزار بار ادلتے بدلتے رہے۔ نیک و بد اعمال پر جزاء و سزا۔ لوگوں کے اچھے برے اعمال کا حساب کتاب۔ اور صراط و میزان حق ہے (اسی میزان میں لوگوں کے اعمال نیک و بد تولے جائیں گے۔

جنّت و دوزخ

وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ حَقٌّ. وَهُمَا مَخْلُوقَتَانِ الْيَوْمَ. وَلَمْ يُصَرِّحْ نَصٌّ بِتَعْيِيْنِ مَكَانِهِمَا بَلْ هُمَا حَيْثُ يَشَاءُ اللّٰهُ. اِذْ لَا اِحَاطَةَ لَنَا بِخَلْقِ اللّٰهِ وَعَوَالِمِهٖ. وَلَا يَخْلُدُ الْمُسْلِمُ صَاحِبُ الْكَبِيْرَةِ فِی النَّارِ. وَهِیَ الَّتِیْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ. يَعْنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالْكَفَّارَاتِ وَالْعَفْوِ عَنِ الْكَبَائِرِ جَائِزٌ. غَيْرَ اَنَّ اَفْعَالَ اللّٰهِ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ عَلٰی وَجْهَيْنِ. مُوَافَقَةٌ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَكَائِنَةٌ عَلٰی سَبِيْلِ الْخَرْقِ. وَعَفْوُ الْكَبَائِرِ عَمَّنْ مَاتَ بِلَا تَوْبَةٍ جَائِزٌ مِنْ بَابِ خَرْقِ الْعَوَائِدِ.

وَهٰذَا وَجْهُ التَّطْبِيْقِ بَيْنَ النُّصُوْصِ الْمُتَعَارِضَةِ بَادِي الرَّاْيِ

ترجمہ :- اور جنت و دوزخ حق ہیں اور آج سے (ہزارہا سال) بیشتر پیدا ہو چکیں ہاں کوئی نص صریح ان کی خاص جگہ بتانے کے متعلق وارد نہیں بلکہ یہ دونوں اسی جگہ ہیں جہاں خدا نے چاہا۔ ہمارا علم اور ہماری معلومات، آخر تمام مخلوق الٰہی اور ساری کائنات کو تو محیط نہیں۔ گناہ کبیرہ کا مرتکب مسلمان، ہمیشہ جہنم میں نہ رہے گا (انجام کار جنت میں جائے گا) جیساکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ اگر تم ممنوع کاموں میں سے، کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو تو ہم تمہارے چھوٹے چھوٹے گناہ بھی معاف فرمادیں گے۔ تو یہ بات ماننی چاہیئے کہ نماز و کفارات وغیرہ کے باعث یہ بات جائز ہے کہ اللہ عزوجل محض اپنے فضل سے اس کی مغفرت فرمادے اور گناہ کبیرہ پر مواخذہ نہ فرمائے۔

مگر چونکہ افعال الٰہی دنیا و آخرت میں دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ کہ سنت الٰہیہ کے موافق ہیں اور دوسرے ہمارے اعتبار سے بطور خرق عادت تو ان لوگوں کے کبیرہ گناہوں کی معافی جو توبہ کئے بغیر، اس دنیا سے سدھار گئے، بطور خرق عادت کے ہوجائے تو ایسا ہونا جائز و ممکن ہے۔ اس طرح شریعت کے ان نصوص میں بھی تطبیق ہوجاتی ہے جو بادی النظر میں مختلف اور باہم متعارض معلوم ہوتی ہیں۔

شفاعت

وَالشَّفَاعَةُ حَقٌّ لِمَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ۔ وَشَفَاعَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِهٖ حَقٌّ۔ وَهُوَ شَفِيْعٌ۔ وَحَيْثُ وَقَعَ نَفْيُ الشَّفَاعَةِ فَالْمُرَادُ مِنْهَا الشَّفَاعَةُ الَّتِيْ تَكُوْنُ بِغَيْرِ اِذْنِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَرِضَائِهٖ۔ وَعَذَابُ الْقَبْرِ لِلْفَاسِقِ وَتَنْعِيْمُهٗ لِلْمُؤْمِنِيْنَ حَقٌّ۔ وَسُوَالُ الْمُنْكَرِ وَالنَّكِيْرِ حَقٌّ۔

ترجمہ :۔ اور شفاعت حق ہے اور ان لوگوں کے لئے ثابت ہے جن کو شفاعت کرنے کی خدائے رحمن ورحیم نے اجازت دی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کے اہل کبائر کا شفاعت فرمانا حق ہے اور وہ یقیناً شفیع روز محشر ہیں۔ اور شریعت مطہرہ میں جہاں شفاعت کا انکار آیا ہے تو اس نفی سے مراد وہی شفاعت ہے جو اذن الٰہی اور مرضی خداوندی کے برخلاف ہو (یعنی کفار اور ان کے معبودان باطل کی) گنا ہگار اور بدکاروں پر قبر میں عذاب ہونا اور نیکوکار مسلمانوں کا اپنی اپنی قبروں میں نعمتیں پانا دونوں باتیں برحق ہیں اور قبر میں منکر نکیر کا مردے سے سوال کرنا برحق ہے۔

رسالت

وَبِعْثَةُ الرُّسُلِ اِلَى الْخَلْقِ حَقٌّ ۔ وَتَكْلِيْفُ اللّٰهِ عِبَادَهٗ بِالْاَمْرِ وَالنَّهْيِ عَلٰى اَلْسِنَةِ الرُّسُلِ حَقٌّ وَهُمْ مُتَمَيِّزُوْنَ بِاُمُوْرٍ لَا يُوْجَدُ فِیْ غَيْرِهِمْ عَلٰى سَبِيْلِ الْاِجْتِمَاعِ ۔ تَدُلُّ عَلٰى كَوْنِهِمْ نَبِيًّا ۔ مِنْهَا خَرْقُ الْعَوَائِدِ لَهُمْ ۔ وَمِنْهَا سَلَامَةُ فِطْرَتِهِمْ ۔ وَكَمَالُ اَخْلَاقِهِمْ وَغَيْرُ ذٰلِكَ ۰ وَالْاَنْبِيَاءُ مَعْصُوْمُوْنَ مِنَ الْكُفْرِ وَتَعَمُّدِ الْكَبَائِرِ وَالْاِصْرَارِ عَلَيْهَا ۔ يَعْصِمُهُمُ اللّٰهُ عَنْهَا بِوُجُوْهٍ ثَلٰثَةٍ ۔ اَحَدُهُمَا اَنْ يَّخْلُقَهُمْ فِیْ سَلَامَةِ الْفِطْرَةِ وَكَمَالِ اِعْتِدَالِ الْاَخْلَاقِ فَلَا يَرْغَبُوْنَ فِی الْمَعَاصِیْ ، بَلْ يَكُوْنُوْنَ مُتَنَفِّرِيْنَ عَنْهَا ۔

ترجمہ :۔ اور خدائے تعالیٰ کا اپنے رسولوں کو (جو اس کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں) مخلوق کی ہدایت ورہنمائی کے لئے مبعوث فرمانا برحق ہے۔ اور اس کا اپنے بندوں

کو، اپنے پیغمبروں کی وساطت سے، اچھے کاموں کا حکم دے کر اور برے کاموں سے روک کر، مکلف بنانا برحق ہے۔ یہ انبیاء و رسل اور لوگوں سے، ان امور کے باعث ممتاز ہوتے ہیں، جو اوروں میں بر سبیل اجتماع (سب ایک ساتھ) نہیں پائے جاتے۔ اور یہی امور ان کی نبوت کی دلیل (محکم) ہوتے ہیں۔ انھیں امور میں سے یہ ہے کہ انہیں معجزے دئیے جاتے ہیں۔ انہیں میں سے یہ ہے کہ ان کی فطرت سلیم (اور سلامت روی ان کا خاصہ) ہوتی ہے اور ان کے اخلاق میں کمال پایا جاتا ہے۔ یوہیں اور خصوصیتیں۔ انبیاء و مرسلین کفر و شرک سے (قبل نبوت اور بعد نبوت بالاجماع) معصوم ہیں۔ اور گناہِ کبیرہ کے ارتکاب سے مطلقًا اور گناہِ صغیرہ پر اصرار سے بھی (قبل نبوت و بعد نبوت) معصوم ہیں۔ خدائے تعالیٰ ان کو سب برائیوں سے تین طرح بچاتا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان کو فطرت سلیم پر پیدا فرماتا ہے اور اور ان کے اخلاق میں کمال درجہ کا اعتدال بخشتا ہے (اسی قوت قدسیّہ کے باعث) وہ گناہوں کی طرف راغب نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ ہر حال میں ان سے دور و نفور رہتے ہیں۔

وَثَانِيهَا اَنْ يُوحِىَ اِلَيْهِمْ اَنَّ الْمَعَاصِىَ يُعَاقَبُ عَلَيْهَا. وَ الطَّاعَاتِ يُثَابُ عَلَيْهَا. فَيَكُوْنُ ذٰلِكَ رَادِعًا عَنِ الْمَعَاصِىْ. وَ الثَّالِثُ اَنْ يَحُوْلَ اللّٰهُ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْمَعَاصِىْ بِاَخْذَاتٍ لَطِيْفَةٍ غَيْبِيَّةٍ. كَظُهُوْرِ صُوْرَةِ يَعْقُوْبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَاضًّا عَلٰى اِصْبَعِهٖ فِىْ قِصَّةِ يُوْسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

وَمُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ. لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ. وَدَعْوَتُهٗ عَامَّةٌ لِجَمِيْعِ

الْإِنْسِ وَالْجِنِّ ۔ وَهُوَ اَفْضَلُ الْاَنْبِيَاءِ بِهٰذَا الْخَاصَّةِ ۔ وَبِخَوَاصٍ اُخْرٰى نَحْوُ هٰذَا ۔

ترجمہ:۔ اور دوسری وجہ امتیاز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بذریعۂ وحی گناہوں کے عذاب، اور طاعتوں کے ثواب سے آگاہ فرماتا رہتا ہے اور یہ چیز بھی ان کو گناہوں سے بچاتی ہے۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ رحمت الٰہی، لطف آمیز غیبی تنبیہوں سے، ان کے اور نافرمانیوں کے درمیان حائل ہو جاتی ہے (اور یہ تائید و نصرت غیبی) انہیں ہر لغزش سے بچا لیتی ہے) جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں ہے کہ (جب زلیخا آپ کے درپے ہوئی تو) آپ نے اپنے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیکھا کہ انگشت مبارک، دندانِ اقدس کے نیچے دبا کر اجتناب کا اشارہ فرماتے ہیں۔

اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

خاتم النبیین ہیں اللہ عزوجل نے سلسلۂ نبوت حضور پر ختم کر دیا۔ حضورؐ کے زمانہ یا بعد، کوئی نیا نبی نہیں ہو سکتا۔ اور حضور کی دعوت اسلام تمام جن وانس کے لئے عام ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق انسان و جن (بلکہ ملائکہ حیوانات جمادات سب کی طرف مبعوث ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب انبیاء ومرسلین سے افضل ہیں۔ ختم نبوت کی خصوصیت کے لحاظ سے بھی اور دوسرے ایسے ہی اور خصائص کے اعتبار سے بھی۔

اولیاء اللہ

وَكَرَامَاتُ الْاَوْلِيَاءِ وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔ الْعَارِفُوْنَ بِاللهِ تَعَالٰى وَصِفَاتِهٖ ۔ الْمُحْسِنُوْنَ فِيْ اِيْمَانِهِمْ ۔ حَقٌّ ۔ يُكْرِمُ بِهَا مَنْ

يَشَاءُ. وَيَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يُّرِيْدُ.

عشرہ مُبَشَّرہ

وَنَشْهَدُ بِالْجَنَّةِ وَالْخَيْرِ لِلْعَشَرَةِ الْمُبَشَّرَةِ. وَفَاطِمَةَ

حُذَيْفَةَ وَعَائِشَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى

عَنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ. وَنَؤُمُّ بِهِمْ. وَنَعْرِفُ تَعْظِيْمَ مَحَلِّهِمْ فِي

الْاِسْلَامِ. وَكَذٰلِكَ اَهْلُ الْبَدْرِ وَاَهْلُ بَيْعَةِ الرِّضْوَانِ.

اور اولیاء اللہ کی کرامات حق وثابت ہیں۔ اور یہ کامل الایمان مسلمان ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا عرفان ہوتا ہے۔ اور اپنے ایمان (علم وعمل) میں راست باز ونیکوکار ہوتے ہیں۔ اسی قرب خاص سے اللہ جسے چاہتا ہے معزز فرماتا ہے اور وہ جسے چاہے اپنی رحمت سے امتیاز بخشے۔

اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ عشرہ مبشرہ (وہ دس صحابی جن کو جنت کا مژدہ ملا) قطعی جنتی اور اصحاب خیر ہیں۔ یوہیں حضرت بی بی فاطمۃ الزہراء اور حضرت حذیفہ وحضرت صدیقہ عائشہ اور حضرات حسنین یعنی حضرت امام حسن وحضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین یہ سب جنتی ہیں ہم ان کی اقتداء کرتے اور ان کے ان عظیم مراتب کو پہچانتے اور مانتے ہیں جو انہیں اسلام (ومسلمین) میں حاصل ہے۔ اسی طرح اصحاب بدر واصحاب بیعۃ الرضوان، یہ سب قطعی جنتی ہیں۔

خلفائے راشدین

وَاَبُوْبَكْرِ الصِّدِّيْقُ اِمَامٌ حَقٌّ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ ثُمَّ عُمَرُ۔ ثُمَّ عُثْمَانُ۔ ثُمَّ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ۔ ثُمَّ تَمَّتِ الْخِلَافَةُ وَبَعْدَهٗ مُلْكٌ عَضُوْضٌ۔ وَاَبُوْبَكْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ عُمَرُ۔ وَلَا نَعْنِی الْاَفْضَلِيَّةَ مِنْ جَمِيْعِ الْوُجُوْهِ حَتّٰی تَعُمَّ النَّسَبَ وَالشَّجَاعَةَ وَالْقُوَّةَ وَالْعِلْمَ وَاَمْثَالَهَا۔ بَلْ هِیَ بِمَعْنٰی عِظَمِ نَفْعِهٖ فِی الْاِسْلَامِ۔ فَالْاَمِيْرُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ وَوَزِيْرَاهُ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا بِاعْتِبَارِ الْهِمَّةِ الْبَالِغَةِ فِیْ اِشَاعَةِ الْحَقِّ۔

ترجمہ :- اور حضرت ابوبکر صدیق، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد امام مطلق اور حضور کے خلیفۂ برحق ہیں۔ پھر عمر فاروق اعظم پھر حضرت عثمان غنی۔ پھر حضرت مولیٰ علی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم (پھر چھ مہینے کے لئے حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ان حضرات پر خلافت راشدہ تمام ہوئی پھر اس کے بعد اسلامی بادشاہت کا پھر جبر و تشدد کا دور آیا۔ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اور دیگر انبیاء و مرسلین کے بعد تمام مخلوقات الٰہی سے افضل ہیں۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروق اعظم (پھر عثمان غنی پھر مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور اس افضلیت سے ہماری مراد وہ افضلیت نہیں جو شجاعت و قوت اور علم و نسب اور ایسی ہی دوسری چیزوں کو شامل ہو بلکہ ہماری اس سے مراد یہ ہے کہ (اللہ عز و جل کے یہاں زیادہ عزت و منزلت والا ہونے کے باعث) دین اسلام کو ان سے جتنا فائدہ پہنچا کسی اور سے نہ پہنچا۔ مختصر یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شاہنشاہ ہیں اور ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں آپ کے وزیر۔ اس وجہ سے کہ آپ نے دین حق، دین اسلام کی اشاعت میں

پوری تندہی سے کام لیا (اور حضور کی سچی نیابت کا پورا حق ادا کر دیا)

فَاِنَّ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَجْھَیْنِ. وَجْہٌ یَاْخُذُ مِنَ اللّٰہِ وَجْہٌ یُعْطِی الْخَلْقَ. وَلَھُمَا فِی الْاَعْطَاءِ لِلْخَلْقِ تَاْلِیْفًا لِلنَّاسِ. وَجَمْعًا لَھُمْ وَتَدَابِیْرًا لِلْحَرْبِ یَدٌ طُوْلٰی.

وَنَکُفُّ اَلْسِنَتَنَا عَنْ ذِکْرِ الصَّحَابَۃِ اِلَّا بِخَیْرٍ. وَھُمْ اَئِمَّتُنَا وَقَادَتُنَا فِی الدِّیْنِ. وَسَبُّھُمْ حَرَامٌ وَتَعْظِیْمُھُمْ وَاجِبٌ.

ترجمہ:۔ اس لئے کہ (ہر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بالخصوص) سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ خدا کی مرضی کی باتیں بارگاہِ الٰہی سے حاصل کریں۔ دوسری یہ کہ ان باتوں کو مخلوق خدا تک پہنچائیں اور ان دونوں یعنی ابوبکر صدیق اور عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آخری حیثیت کے اعتبار سے حظ وافر پایا تھا۔ یعنی اس فیضانِ الٰہی کو مخلوق خدا تک پہنچانے، ان کی تالیف قلوب اور انہیں مرکز اسلام پر جمع کرنے اور جنگی تدابیر میں کمال حاصل تھا۔ اور ہم صحابۂ کرام کا جب بھی ذکر کریں خیر ہی کے ساتھ ہونا فرض ہے وہ سب ہمارے دینی پیشوا اور مقتدا ہیں۔ ان میں کسی کے ساتھ بد عقیدگی، اور ان کی کسی بات پر طعن کرنا یا انہیں برا بھلا کہنا سب حرام ہے۔ ہم پر فرض ہے کہ ہم ان کی تعظیم و تکریم بجا لاتے رہیں۔

تکفیرِ اہلِ قبلہ

وَلَا نُکَفِّرُ اَحَدًا مِنْ اَھْلِ الْقِبْلَۃِ. اِلَّا بِمَا فِیْہِ نَفْیُ الْقَادِرِ الْمُخْتَارِ اَوْ عِبَادَۃِ غَیْرِ اللّٰہِ. اَوْ اِنْکَارُ الْمَعَادِ. وَالنَّبِیِّ. وَسَائِرِ

ضَرُوْرِیَّاتِ الدِّیْنِ. وَالْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ. وَالنَّهْیُ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاجِبٌ. وَالشَّرْطُ اَنْ لَّا یُؤَدِّیَ اِلَی الْفِتْنَةِ. وَاَنْ یُّظَنَّ قُبُوْلُهٗ. فَهٰذَا عَقِیْدَتِیْ اُؤْمِنُ بِاللّٰهِ تَعَالٰی بِهَا ظَاهِرًا وَّ بَاطِنًا وَّالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا وَّظَاهِرًا وَّ بَاطِنًا.

ترجمہ:۔ اور ہم اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر نہیں کہتے۔ ہاں اگر کوئی کلمہ گو قادر مختار کا منکر ہو یا وہ اللہ کے سوا کسی اور کی پرستش و عبادت کرے، یا وہ حشر نشر کا انکار کرے یا نبی کی عظمتوں کو نہ مانے یا ضروریات دین میں سے کسی ایک ضروری دینی کو ضروریات دین سے نہ جانے، وہ بے شک (اسلامی برادری سے خارج اور) مستحق تکفیر ہے۔

اور اچھے کاموں کا حکم کرنا۔ بری باتوں سے روکنا، ہر مسلمان پر فرض ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس سے فتنہ وفساد برپا نہ ہو اور اور اس کا بھی غالب گمان ہو کہ اسے قبول کر لیا جائے گا (ورنہ نہیں)

یہ ہیں میرے عقیدے۔ اور میں ظاہر وباطن میں انہیں پر کاربند اور بارگاہ الٰہی میں ان کی قبولیت کا متوقع ہوں۔ اور سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ اوّل و آخر و ظاہر و باطن ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اے دادہ حبیب را، کلید ہمہ کار

بارانِ درود، برزخِ پاکش بار

دستے کہ بداماں کریمش زدہ ایم

زنہار بدستِ دیگرانش مسپار

صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَآلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ

صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیۡكَ یَارَسُوۡلَ اللّٰہِ

اسلام (دین توحید)

ہر مسلمان جانتا ہے کہ اسلام صرف چند عقائد یا صرف چند عبادات یا صرف چند قوانین کے مجموعہ کا نام نہیں وہ تو ایک جامع و مانع نظام حیات ہے ایک مکمل و منظم دستور زندگی ہے جو سعادت دارین کا جامع اور صلاح و فلاح ثقلین کا ذخیرہ ہے۔ اور انسانیت کے ایک ایک شعبہ ہر ہر گوشہ پر حاوی۔ اور اس کا ہر جزو، اس کے کلمے، اور اس کے دوسرے اجزا سے نہایت درجہ مربوط و منتظم۔ اسی لئے قرآن عظیم مسلمانوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ کسی استثناء اور ہیر پھیر کے بغیر، اپنی پوری زندگی کو اسلام کے تحت لے آؤ کہ ظاہری و باطنی، انفرادی و اجتماعی، اعتقادی و عملی زندگی میں، اور موت و حیات کے تمام اعمال و امور میں اسلام ہی کا رنگ چڑھا رہے صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۔ اور ان کے خیالات، ان کے نظریات، ان کے علوم ان کے طور طریقے، ان کے معاملات اور ان کی سعی و عمل کے راستے، سب کے سب تابع اسلام ہوں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص توحید تو اسلام سے لے لے لیکن عبادات کے لئے مسجد، مندر، کلیسا سب کو یکساں سمجھے۔ یا رسالت پر تو ایمان لے آئے لیکن معاشیات کے قاعدے اور اخلاق کے ضابطے کسی اور اور سے لیتے جائے۔ آدمی کہلاتا تو رہے مسلمان، لیکن اس میں اختیار کرلے مجوس کی سے معاشرت لے لے کفار و ہنود کی۔ قانون فوجداری پسند کرلے ملحدین فرنگ کی اور معاملات کرنے لگے دستور یہود و نصاریٰ کے مطابق قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ

یعنی اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو،،

شیطان کے نقش قدم پر چلنا یہی ہے کہ اسلام میں غیر اسلام کی آمیزش اور حق کے ساتھ باطل کی پیوند کاری کی جانے لگے اور کسی نہ کسی نام سے اس کے ساتھ کسی اِزم کا رشتہ ناطہ جوڑ دیا جائے جیسے اسلامی سوشلزم وغیرہ قرآن عظیم کا صاف ارشاد گرامی ہے قصداً و

دانستہ، مخالفت اور حق کے ساتھ باطل کا امتزاج تو پھر بڑی چیز ہے، غلطی یا بے خیالی یا بے اختیاری میں بھی پھسل جانے اور راہ حق سے بھٹک جانے میں بھی گرفت کی جا سکتی ہے۔

یہاں یہ بھی ذہن نشین رکھیں کہ ہر زمانہ کے نبی پر اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل فرمایا اس کی اطاعت و اتباع کو اسلام کہتے ہیں یہاں تک کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد جب نبوت کا سلسلہ ختم ہوا تو اسلام نام ہو گیا اتباع محمدی کا اس ذات اقدس کو چھوڑ کر کوئی شخص اگر کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے گا تو وہ گمراہی کا راستہ ہوگا اور حضور کی غلامی کو چھوڑ کر جو شخص بھی کوئی دوسرا دین اختیار کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول نہیں ہوگا۔ بلکہ آدمی حق سے ہٹے ہوئے اس راستہ پر جتنا دوڑے گا، حق و صداقت سے اتنا ہی دور جا پڑے گا۔ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ الآیۃ

اور یہ بات کوئی مسلمان مرد خواہ عورت، ہرگز نہ بھولے اور کسی لمحہ اس حقیقت سے غافل نہ رہے کہ اسلام فقط طوطے کی طرح، زبان سے کلمہ رٹ لینے کا نام نہیں۔ اور نہ صرف ظاہری عبادت و ریاضت، نجات اُخروی کی ضامن ہے۔ عبادت کی اصل ایمان ہے بغیر ایمان و درستگی عقائد، عبادت و ریاضت بیکار۔ کہ جڑ ہی نہ رہی تو نتائج و ثمرات کہاں۔ درخت پھول پھل اسی وقت لاتا ہے کہ اس کی جڑ قائم ہو۔ کافروں میں بہتیرے جوگی اور راہب، ترک دنیا کر کے، اپنے طور پر ذکر اور پوجا پاٹ میں عمریں کاٹ دیتے ہیں بلکہ ان میں بہت وہ ہیں کہ لا الٰہ الا اللہ کا ذکر سیکھتے اور ضربیں لگاتے ہیں۔ مگر از انجا کہ ان کے دلوں میں ایمان نہیں۔ کیا فائدہ؟ اصلا بارگاہ الٰہی میں قابل قبول نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں، حضور کے روبرو، منافقوں نے کیسی کیسی تاکیدوں سے مؤکد اور کیسی کیسی قسموں سے مؤید، کلمہ گوئی کا اظہار کیا لیکن اللہ واحد قہار نے، ایسوں کے جھوٹے اور کذاب ہونے کی گواہی دی۔

تو اصل چیز، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سچی عقیدت اور ان کی تعظیم و تکریم ہے بلکہ سچ پوچھیئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم یعنی اعتقادِ عظمت جزو ایمان و رکن ایمان ہے۔ تو اعمال کی درستی، عقائد کی درستی پر مبنی ہے۔ عقائد

اصول ہیں اور اعمال فروع۔ عقیدے درست ہیں تو اعمال کی قبولیت کی امید کی جا سکتی ہے ورنہ سارا کیا دھرا برباد۔ سب جہنم کا ایندھن محض کاغذی پھول کہ

ع دیکھنے میں خوشنما، بوئے وفا کچھ بھی نہیں

یاد رکھنا چاہئیے

(۱) اسلام کی صداقت ہی نے نسل و قومیت کی خصوصیتوں، اور ملک و قوم کی حالتوں، اور امیری غریبی کے امتیازوں، اور فاتح و مفتوح کے تفاوتوں، مختلف زبانوں مختلف رنگتوں سے قطع نظر کر کے بڑی خوش اسلوبی سے، سب کو، دین واحد کے رشتہ سے متحد و متفق، یکساں و مساوی، ہم سطح و ہم خیال، ہم اعتقاد و ہم آواز بنا دیا جس کی بدولت رنگتوں کا اختلاف، زبانوں کا تباین، قومیت کا تفرقہ، ملکی خصوصیات کا امتیاز سب کچھ جاتا رہا۔ دین واحد نے سب کو ملت واحدہ ' امت مسلمہ بنا کر ایک ہی ولولہ دلوں میں، ایک ہی جوش طبیعتوں میں ایک ہی خیال دماغوں میں، اور ایک ہی آوازۂ توحید' زبانوں پر جاری کر دیا اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو رشتہ توحید میں پرو کر دشمنوں کو دوست، اور جان ستانوں کو جان نثار بنا دیا۔

(۲) اسلام ہی دین توحید ہے اور یہ اسلام ہی کی توحید ہے جو فطرتِ صحیحہ اور عقل سلیمہ کے دلائل سے مزین ہے اور جس کی تائید علم و عقل کے ہر ذریعہ سے، ہر منزل، ہر قدم پر ہوتی ہے۔ اسلام کی توحید کا مسئلہ، عیسائیت کی "تثلیث" کی طرح نہیں جس کو پادری لوگ، فہم سے بالاتر اور عقل سے بلند تر کہا کرتے ہیں۔ اور جس پر بغیر سوچے سمجھے ایمان لانے کو واجب بتایا کرتے ہیں۔

(۳) اسلام ہی روحانیت کا مذہب ہے اور اسلام ہی ذوق سلیم کو، علم و عقل اور تجربہ و مشاہدہ کے فانوسوں سے روشن کرتا اور منزل مقصود تک پہنچاتا ہے۔

(۴) اسلام ہی اخلاق حسنہ کا معلم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "میں بزرگ ترین اخلاق اور نیکوترین اعمال کی تکمیل کے لئے نبی بنایا گیا ہوں۔"

(۵) اسلام ہی علم و علماء کا حامی ہے اور اسلام ہی نے علم کو اپنی سرپرستی میں لیا اور اسلام ہی ہے جس نے علوم کی تعلیم عام کر دی اور اسلام ہی علماء کا مامن و ملجا بنا۔

(۶) اسلام ہی دین العمل ہے۔ اسلام ہی اپنے ماننے والوں کو دنیاوی بہبود و بھلائی کے لئے بھی حکم دیتا ہے اور آخرت کی سرخروئی و نجات کے لئے عمل کا ارشاد فرماتا ہے۔

(۷) اسلام ہی بانیٔ اخوت ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان صحبت سے اسلام میں داخل ہونے والوں میں جو اخوت قائم ہوئی وہ اپنے تقدس میں ایسی برتر و اعلیٰ ہے جس کی نظیر تاریخ عالم میں تلاش کرنا عبث ہے۔ زمین و آسمان اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔

(۸) اسلام ہی مساوات کا بانی ہے اور اسلام ہی کی یہ تعلیم ہے کہ ہر شخص کو شرعاً و قانوناً و اخلاقاً وہ تمام حقوق حاصل ہوں جو کسی دوسرے شخص کو، اسی ملک یا اسی دین کے اندر حاصل ہوں

(۹) اسلام ہی نے حکومت میں رعایا کو حصہ دار بنایا اور اسلام ہی نے جملہ اقوام عالم کو اس اصول سے روشناس کرایا اور اس اصول کی برکات سے انہیں فائدہ اٹھانا سکھایا۔

(۱۰) اسلام ہی وہ فیض رساں دین ہے جس سے اقوام عالم نے بالواسطہ فیوض حاصل کئے خواہ اسے کوئی مانے یا نہ مانے۔ (ملتقط)

ایمان مجمل

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَآئِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ ط

(ترجمہ) ایمان لایا میں اللہ پر، جیسا کہ وہ اپنے ناموں اور اپنی صفتوں کے ساتھ ہے اور قبول کئے میں نے اس کے تمام احکام۔ مجھے اس کا زبان سے اقرار ہے اور دل سے یقین

اسلامی عقیدوں کا خلاصہ

(۱) اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں وہی اس کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے وہ بے پرواہ ہے کسی کا محتاج نہیں اور تمام جہاں اس کا محتاج ہے۔

(۲) لوگوں کی ہدایت و راہنمائی کے لئے جتنے نبی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے بھیجے وہ سب بشر تھے اور شرک و کفر بلکہ ہر ایسے امر سے جو خلق کے لئے باعث نفرت ہو نیز ایسے افعال

سے جو وجاہت و مروّت کے خلاف ہیں قبل نبوت اور بعد نبوت بالاجماع معصوم، تمام مخلوق سے افضل اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بڑی عزت و وجاہت والے اور اس کے محبوب و مقرب بندے ہیں۔

(۳) ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں کے سردار ہیں اور خاتم النبیین کہ حضور کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔

(۴) انبیائے کرام پر جتنی آسمانی کتابیں اتریں اور صحیفے نازل ہوئے سب حق ہیں اور سب کلام اللہ۔ ان میں جو کچھ ارشاد ہوا سب پر ایمان ضروری ہے۔

(۵) قرآن عظیم تمام آسمانی کتابوں میں سب سے افضل ہے جو سب سے افضل، رسول حضور پُرنور احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا۔ اس کی حفاظت اللہ عزوجل نے اپنے ذمہ رکھی۔ اس میں کسی حرف یا نقطہ کی کمی بیشی کا کوئی بھی امکان نہیں۔

(۶) فرشتے اللہ تعالیٰ کی ایک نورانی مخلوق ہیں جو نہ مرد ہیں نہ عورت وہ اللہ تعالیٰ کے معصوم بندے ہیں اور وہی کرتے ہیں جو خدا کا حکم ہوتا ہے۔ ان کی غذا اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ذکر ہے۔

(۷) جن، آگ سے پیدا کی گئی، خدائے تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے۔ ان میں مسلمان بھی ہیں۔ کافر بھی۔ ان میں جو شریر و کافر ہوتے ہیں انہیں شیطان کہا جاتا ہے۔ یہ سب انسانوں کی طرح کھاتے پیتے مرتے جیتے ہیں۔

(۸) ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ یہ ساری دنیا، فرشتے پہاڑ جانور آدمی زمین و آسمان اور ساری چیزیں فنا ہو جائیں گی۔ اس کو قیامت کہتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کو دوبارہ پیدا فرمائے گا۔ مردے قبروں سے اٹھیں گے اور سب کو ایک میدان میں جمع کیا جائے گا اس کا نام حشر ہے۔ پھر میزان قائم ہوگی اور سب کا حساب کتاب ہوگا۔ مسلمان کافر اور ہر نیک و بد کے اعمال تولے جائیں گے اور ان کا بدلہ دیا جائے گا۔

(۹) جنت ایک مکان ہے جو اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لئے بنایا ہے اور اس میں ہر قسم کی جسمانی اور روحانی لذتوں کے سامان پیدا کئے گئے ہیں۔ بادشاہِ ہفت کشور کے تصور

میں بھی وہ نعمتیں نہیں آسکتی ہیں جو ایک ادنیٰ جنتی کو ملیں گی۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ نے گناہگاروں اور کافروں کے عذاب اور سزا کے لئے ایک جگہ بنائی ہے جس کا نام جہنم (دوزخ) ہے۔ اس میں ہر قسم کی تکلیف دینے والے، طرح طرح کے عذاب اللہ تعالیٰ نے مہیا کئے ہیں جن کے خیال ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

(۱۱) جہنم کے اوپر ایک پل ہے جسے "صراط" کہتے ہیں۔ یہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ سب لوگوں کو اسی پر گزرنا ہوگا۔

(۱۲) دنیا میں جیسا ہونے والا تھا اور جو جیسا کرنے والا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ اپنے علم کے مطابق پہلے ہی سے لکھ دیا۔ اور جو کچھ لکھ دیا وہی ہوگا۔ اس میں رتی برابر فرق نہ آئے گا۔ اسے تقدیر کہتے ہیں۔

ایمان مُفَصَّل

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ ؕ

(ترجمہ) ایمان لایا میں اللہ پر۔ اور اس کے فرشتوں پر۔ اور اس کی کتابوں پر۔ اور اس کے رسولوں پر۔ اور قیامت کے دن پر۔ اور اس بات پر کہ ہر بھلائی اور برائی، اللہ تعالیٰ نے مقدر فرما دی ہے۔ اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر۔

آئندہ صفحات پر جو کچھ ہے وہ "ایمان مفصل" ہی کی اجمالی تفصیل اور "ضروریات دین" ہی کی تشریح و تبیان ہے اور ضمناً فائدے ہی فائدے۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ۔

تنبیہہ جلیل

قرآن کریم نے ذکر تین قسم کے انسانوں کا کیا ہے۔

ایک مومن مخلص جو ظاہراً و باطناً ایماندار، اور قانون الٰہی کے مطیع و فرمانبردار ہیں اور ان کی خصوصیات یہ بیان فرمائیں۔

(۱) ان کا ضمیر زندہ ہوتا ہے۔ ان کے دلوں میں خوف خدا کی جگہ ہوتی ہے۔
(۲) ان کا اعتقاد، اس مادی دنیا سے پرے، ایک عالم غیب پر بھی ہوتا ہے۔
(۳) ان کے تعلق مع اللہ کا اظہار یوں ہوتا ہے کہ یہ نماز پڑھتے ہیں اور صوری و معنوی طور پر نماز کا حق ادا کرتے ہیں۔
(۴) اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو، اللہ کی مخلوق پر، اس کے حکم کے مطابق خرچ کرتے ہیں
(۵) یہ رسول کے رسول برحق ہونے اور قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔
(۶) پورے سلسلۂ وحی اور نظام نبوت کی تصدیق کرتے رہتے ہیں۔
(۷) ان کا کامل اعتقاد یوم آخرت یا روز جزا پر رہتا ہے۔

دوسرا گروہ کافروں، قانون الٰہی کے منکروں اور باغیوں کا ہے۔ جو ظاہری و معنوی طور پر اپنے کفر و انکار پر جمے ہوئے ہیں۔ ان کے متعلق فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں اور کانوں پر مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر گھٹا ٹوپ پردہ ہے"۔ یعنی وہ اپنی ضلالت و گمراہی میں ایسے ڈوبے ہوئے ہیں کہ حق کے دیکھنے سننے سمجھنے سے اس طرح محروم ہو گئے جیسے کسی کے دل اور کانوں پر مہر لگی ہو اور آنکھوں پر پردہ ہو۔ چنانچہ کھلے ہوئے دلائل حق اور روشن سے روشن آیات الٰہیہ بھی انہیں نظر نہیں آتے۔

اور تیسرا گروہ ان لوگوں کا جو ہوتے یہ بھی کافر و منکر ہیں لیکن اپنے کفر و انکار پر، پردہ مکر و فریب کا ڈالے رکھتے ہیں۔ یعنی زبان پر دعویٰ اسلام رکھتے ہیں لیکن دل میں کفر خالص۔ زبان سے اقرار ایسا کہ جس میں قلب کی تصدیق کسی درجہ میں بھی شامل نہیں ہوتی۔ ان ننگ انسانیت انسانوں کو شریعت کی اصطلاح میں منافق کہتے ہیں۔ قرآن کریم ان کی علامتیں یہ بیان فرماتا ہے۔

(۱) ان کے دل میں ایمان و تصدیق کا ذرہ برابر حصہ نہیں ہوتا۔
(۲) وہ مسلمانوں سے نفع حاصل کرنے اور ان کی گرفت سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے اپنے تئیں مسلمان کہتے اور کلمہ پڑھتے ہیں۔
(۳) ان کے نفاق سے نقصان کسی اور کا نہیں خود انہیں کا ہوتا ہے اور ہوگا۔

(۴) جوں جوں مسلمانوں کو ترقیاں اور کامیابیاں حاصل ہوتی ہیں ان کے رشک وحسد میں بھی ترقی ہوتی جاتی ہے۔

(۵) ان کی تمام تر کوشش یہ ہوتی ہے کہ دنیا میں شور وشر اور فساد برپا رہے۔

(۶) مخلص اہل ایمان، ان کی نگاہوں میں فسادی وتخریب کار ہوتے ہیں۔

(۷) یہ غریب مسلمانوں کے مقابلے میں اکڑتے رہتے ہیں لیکن صاحب اثر اور مقتدر مسلمانوں کے آگے جھکتے اور ان کی خوشامد میں لگے رہتے ہیں۔

(۸) عوام منافقین جب تنہائی میں اپنے سرداروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم دل وجان سے تو آپ کے ساتھ ہیں باقی مسلمانوں کو بنانے کے لئے ان کی سی کہہ دیتے ہیں۔

(۹) ان کی بدبختی کی انتہا یہ ہے کہ یہ ہدایت وایمان جیسی جنس بے بہا، قیمت میں دے کر گمراہی وکفر جیسی نکمی اور بے حقیقت شے خرید لیتے ہیں۔

(۱۰) عقل سلیم سے محرومی کے باعث، دنیا وآخرت کا وبال ان کے لئے مقدر ہوتا ہے۔

(۱۱) نور ہدایت سے مستفید ہونے کی بجائے، یہ اپنی بصیرت ہی سے محروم ہو جاتے ہیں۔

(۱۲) یہ گروہ، صدائے حق گویا سنتا ہی نہیں۔ اور کلمۂ حق وایماں کے ادا کرنے سے گویا ان کی زبان گونگی ہوتی ہے اور دید حق کی طرف سے ان کی آنکھیں بند۔

(۱۳) اپنی بزدلی پست ہمتی اور خباثتِ نفسی کی وجہ سے یہ ہر وقت اپنے اردگرد خطرے منڈلاتے دیکھتے اور اپنی سی تدبیروں میں لگے رہتے ہیں۔

(۱۴) صحیح العقیدہ مسلمانوں کی کامیابیاں دیکھتے ہیں تو ہارے جھک مارے، ان کی طرف اضطراری طور پر ان کے قدم اٹھ جاتے ہیں لیکن جب اہل ایمان کو دنیاوی مصائب وآفات کا سامنا ہوتا ہے تو پھر ٹھٹک کر رہ جاتے ہیں۔

(۱۵) قانون اسلام کے مقابلہ میں وہ راہ تمام تر انکار وبغاوت کی اختیار کئے رہتے ہیں۔
اور انہیں کے متعلق قرآنی فیصلہ یہ ہے کہ

یہ منافقین، ان کے کھلے کافروں کی طرح اس کی گرفت سے بچ کر کہیں نہیں جاسکتے۔
قدرت الٰہی کے سامنے ان کی ساری تدبیریں اور حیلے بے اثر رہ جائیں گے۔ کہ جو منافق ہیں وہ

کافر تو ہیں ہی، لیکن کافر ہونے کے علاوہ بھی کچھ اور ہیں یعنی فریب کار۔ دغاباز۔ تو عذاب بھی ان پر دہرا ہوگا۔ عظیم یعنی بڑا بھی اور الیم یعنی دردناک بھی۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ

مسلمانو! سنیو! حنفیو! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے کی بے پرواہ بکریو! کس نیند سو رہی ہو۔ گلا دور پہنچا۔ سورج ڈھلنے پر آیا۔ خونخوار بھیڑیئے بظاہر دوست بن کر تمہارے کان تھپک رہے ہیں کہ تم غفلت کی نیند ڈوب جاؤ اور ذرا جھٹ پٹا ہو تو وہ اپنا کام کر جائے اور تمہارے دین و ایمان کے خون سے اپنی پیاس بجھائے۔ چوپایوں میں تمہاری لاپرواہی اور لاابالی اور تمہاری بے جاہٹ کے باعث اختلاف پڑ چکا ہے۔ بہت حکم لگا چکے کہ یہ بکریاں ہمارے گلے سے خارج ہیں۔ بھیڑیا کھائے، شیر لے جائے، ہمیں کچھ کام نہیں۔ اور جنہیں تم پر ابھی تک ترس باقی ہے وہ بھی تمہاری ناشائستہ حرکتوں سے ناراض ہو کر اپنے خاص گلے میں تمہارا آنا نہیں چاہتے۔ ہیہات ہیہات، اس بے ہوشی کی نیند اندھیری رات میں تم جسے چوپان، اپنا نگراں سمجھ رہے ہو واللہ وہ تمہارے نہیں۔ تمہاری نگرانی نہیں کریں گے۔ وہ خود بھیڑیئے ہیں ذیابٌ فی ثیابٍ انسانی لباس میں ملبوس گرگ ہیں کہ تمہارے لباس میں، تمہیں دھوکا دے رہے ہیں۔ للہ اپنی حالت پر رحم کرو اور جہاں تک دم رکھتے ہو ان بھیڑیوں سے بھاگو۔ جیسے بن پڑے اس مبارک گلے میں جس پر خدا کا ہاتھ ہے کہ یَدُ اللہِ عَلَی الجماعۃِ اور اس کے سچے راہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آ کر ملو کہ امن و سلامتی کا راستہ چلو اور مرغزار جنت میں بے خوف چرو۔ اے رب میرے ہدایت نصیب فرما۔

ایمان و کفر کا بیان

عقیدہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے:۔

(۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے خاص بندے اور رسول ہیں۔

(۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ دینا (۴) حج کرنا (۵) ماہِ رمضان کے روزے رکھنا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کے بنیادی عقیدے تین ہیں۔ (۱) توحید (۲) رسالت (۳) معاد یعنی قیامت

باقی اعتقادی باتیں انہیں کے اندر آجاتی ہیں۔

عقیدہ اقرار لسانی یعنی زبان سے اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کرنا، تاکہ دوسرے اسے مسلمان سمجھیں اور اسے اسلامی برادری کا ایک فرد جان کر اس کے ساتھ اہل اسلام کا سا سلوک کریں، مسلمان ہونے کے لئے شرط ہے۔ کہ زبان سے کسی ایسی چیز کا انکار نہ کرے جو ضروریات دین سے ہوں اگرچہ باقی باتوں کا اقرار کرتا ہو اگرچہ وہ یہ کہے کہ صرف زبان سے انکار ہے دل میں انکار نہیں۔ کہ بغیر شرعی مجبوری کے کلمۂ کفر وہی شخص اپنی زبان پر لائے گا جس کے دل میں ایمان کی اتنی ہی وقعت ہے کہ جب چاہا انکار کر دیا۔ اور ایمان تو ایسی تصدیق اور یقین قلبی کا نام ہے۔ جس کے خلاف اصلاً گنجائش نہیں۔ ایمان کی کیفیت نفسی شک، تردد، تذبذب کی بالکل ضد ہے۔ ایمان سے دماغ کو سکون، دل کو اطمینان اور روح کو تسلی نصیب ہوتی ہے۔ غرض کسی چیز کو محض سرسری، رسمی اور سطحی طور پر مان لینے کا نام ایمان نہیں۔ بلکہ ایمان نام ہے یقین قلبی کا۔ اور یقین یہ ہے کہ کسی مسئلہ پر دل وجان سے اعتقاد جم جائے اور عقل، جذبات، ارادہ سب پر وہی چھا جائے۔ یقین کی راہ، شک گمان خیال سب سے الگ ہے۔

عقیدہ اطاعت و فرمانبرداری، اسلام کے لغوی معنی ہیں اور شرعی معنی میں اسلام اور ایمان ایک ہیں۔ ان میں کوئی فرق نہیں۔ جو مومن ہے وہ مسلمان ہے اور جو مسلمان ہے وہ مومن ہے۔ البتہ محض زبانی اقرار جس کے ساتھ قلبی تصدیق نہ ہو معتبر نہیں۔ اس سے آدمی مومن نہیں ہوتا۔

عقیدہ، سچے دل سے ان تمام باتوں کی تصدیق کرنا جو ضروریات دین سے ہیں اسے ایمان کہتے ہیں۔ یا یوں سمجھو کہ جو کچھ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے پاس سے لائے، خواہ وہ حکم ہو یا خبر، ان سب کو حق جاننا ایک ایک بات پر یقین لانا اور سچے دل سے ماننا کہ شک و شبہہ کا شائبہ بھی نہ رہے ایمان کہلاتا ہے۔ اور جو شخص ایمان لائے اسے مومن و مسلمان کہتے ہیں۔

عقیدہ اصل ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے۔ اعمال بدن اصلاً جزو ایمان نہیں۔ ہاں بعض اعمال جو قطعاً ایمان کے منافی ہوں۔ ان کے مرتکب کو ضرور کافر کہا جائے گا

جیسے بت وغیرہ کو سجدہ کرنا یا کسی نبی کی یا قرآن کی یا کعبہ معظمہ کی توہین کرنا۔ یوہیں بعض اعمال کفر کی علامت ہیں جیسے زُنّار باندھنا۔ سر پر چٹیا رکھنا۔ جیساکہ ہندوؤں میں رکھتے ہیں۔ قشقہ لگانا۔ ہولی دیوالی منانا اور ایسی ہی دوسری باتیں۔

عقیدہ ضروریات دین جنہیں سچے دل سے مانے بغیر دولت ایمان نصیب نہیں ہوتی اور جن میں سے کسی ایک کا انکار، آدمی کو (اگرچہ کلمہ پڑھتا ہو) اسلامی برادری سے خارج کر دیتا ہے وہ مسائل دین ہیں جنہیں ہر خاص و عام جانتا ہے کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے پاس سے لائے جیسے اللہ عزوجل کی وحدانیت و یکتائی۔ انبیاء کی نبوت، جنت دوزخ حشر و نشر وغیرہ یا مثلاً یہ اعتقاد کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں حضور کے بعد کوئی نیا نبی نہیں ہو سکتا۔

عقیدہ ایمان و کفر میں واسطہ نہیں۔ یعنی آدمی یا مسلمان ہوگا یا کافر۔ تیسری صورت کوئی نہیں کہ نہ مسلمان ہو نہ کافر۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ ہم بوجہ شبہہ کے کسی کو نہ مسلمان کہیں نہ کافر جیسے یزید پلید کہ اس کے بارے میں ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک سکوت ہے۔ یعنی ہم اسے فاسق فاجر کہنے کے سوا نہ کافر کہیں نہ مسلمان۔

عقیدہ نفاق کہ زبان سے دعویٰ اسلام کرنا اور دل میں اسلام سے انکار، یہ بھی خالص کفر ہے۔ ایسے لوگ منافق کہلاتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کے لئے جہنم کا سب سے نیچے کا طبقہ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں کچھ لوگ اس صفت اس نام کے ساتھ مشہور ہوئے کہ ان کے کفر باطنی پر قرآن نے گواہی دی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعۂ وحی، اپنے وسیع علم سے ایک ایک کو پہچانا اور فرمادیا کہ یہ منافق ہے۔ اب اس زمانہ میں کسی خاص شخص کی نسبت یقین سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ منافق ہے۔ البتہ نفاق کی ایک شاخ اس زمانہ میں پائی جاتی ہے کہ بہت سے بدمذہب اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ اور دیکھا جاتا ہے۔ تو دعویٰ اسلام کے ساتھ ضروریات دین کا انکار بھی ہے۔ مثلاً قادیانی رافضی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیز صحابۂ کرام و ائمہ اطہار و اولیائے امت کی شان میں گستاخیاں بدزبانیاں کرنے والے وہابی دیوبندی۔

تنبیہہ ضروریات دین کا انکار کرنے والے فرقوں کا قدرے تفصیل سے بیان بہار شریعت حصہ (۱)

مصنفہ حضرت صدر الشریعۃ مولانا الشاہ امجد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں دیکھیں۔

عقیدہ شرک کے معنی ہیں غیر خدا کو واجب الوجود یا مستحق عبادت جاننا یعنی الوہیت میں دوسرے کو شریک کرنا۔ اور یہ کفر کی سب سے بدتر قسم ہے۔ اس کے سوا، کوئی بات، اگرچہ کیسی ہی شدید کفر و گناہ ہو، حقیقۃً شرک نہیں۔ ولہذا شرع مطہر نے اہل کتاب کفار (یعنی وہ جو عیسائیت اور یہودیت پر قائم رہے اور اسلام قبول نہ کیا ان کے احکام، مشرکین کے احکام سے جدا فرمائے۔ مثلاً کتابی کا ذبیحہ (ذبح کیا ہوا حلال جانور) حلال ہے۔ اور مشرک کا مردار۔ کتابیہ سے نکاح ہو سکتا ہے۔ مشرکہ سے نہیں ہو سکتا۔ ہاں کبھی شرک بول کر مطلق کفر مراد لیا جاتا ہے۔ یہ جو قرآن عظیم میں فرمایا کہ شرک نہ بخشا جائے گا۔ وہ اسی معنی پر ہے یعنی اصلاً کسی کفر کی مغفرت نہ ہوگی۔ باقی سب گناہ، اللہ عزوجل کی مشیت پر ہیں جسے چاہے بخش دے۔ وہ بمقتضائے عدل، کفار کو جہنم میں داخل فرمائے گا۔ اور مسلمانوں کو اپنے وعدۂ کرم سے جنت میں پہنچائے گا۔

تشریح:۔ مشرک چونکہ حکومت خداوندی سے صریح بغاوت کے مترادف ہے اس لیے مشرک عذاب دائمی میں مبتلا رہے گا۔ مشرک کی نجات کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اس نے جنت کی نعمتوں کے قبول کرنے کی استعداد و صلاحیت ہی اپنے اندر باقی نہ رکھی۔ شرک وہ جرم عظیم ہے جس کی بنا پر کوئی مشرک قابل مغفرت نہ ہوگا۔ ہاں شرک کو چھوڑ کر باقی ہر معصیت، مغفرت کی گنجائش رکھتی ہے اور جس کسی مسلمان فاسق فاجر کے حق میں مشیت الٰہی ہوگی اسے معافی مل جائے گی خواہ اس نے توبہ نہ بھی کی ہو۔

عقیدہ:۔ جو کسی کافر کے لئے اس کے مرنے کے بعد مغفرت کی دعا کرے یا کسی مردہ مرتد کو مرحوم یا مغفور یا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یا اور ایسے ہی الفاظ کہے یا لکھے یا کسی مردہ ہندو کو بیکنٹھ باشی (جنتی) کہے وہ خود کافر ہے۔ کفر اگر لائق بخشش ہے تو پھر ایمان کا کیا حاصل۔

عقیدہ مسلمان کو مسلمان، کافر کو کافر جاننا، ضروریات دین سے ہے اگرچہ کسی خاص شخص کی نسبت یہ یقین نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا خاتمہ ایمان، یا معاذ اللہ کفر پر ہوا۔ تاوقتیکہ اس کے خاتمہ کا حال دلیل شرعی سے ثابت ہو جیسے ابولہب کا کفر پر مرنا اور عذاب جہنم میں گرفتار ہونا، قرآن سے ثابت ہے اور خلفاء اربعہ اور باقی دوسرے عشرہ مبشرہ و حضرات حسنین و اصحاب بدر

فائدہ عظیمہ

ضروریات دو قسم پر ہیں۔

(۱) ضروریات دین :۔ جن کا منکر کافر، خارج از اسلام اور اسلامی برادری سے باہر جانا جاتا ہے۔ ان کا ثبوت قرآن عظیم یا حدیث متواتر یا اجماع قطعی سے ہوتا ہے۔ ان میں نہ کسی شبہے کو گنجائش ہے نہ کسی تاویل کو راہ۔ نہ کسی شک کا شائبہ۔ انہیں کو ماننا، انہیں کی تصدیق کرنا ایمان ہے اور ان میں شک وتردد یا تذبذب، ایمان کی ضد۔

(۲) ضروریات مذہب اہل سنت وجماعت :۔ ان کا منکر، گمراہ، بدمذہب، اہل سنت وجماعت سے خارج اور سنی برادری سے باہر، مانا جاتا ہے۔ ان کا ثبوت بھی دلیل قطعی سے ہوتا ہے مگر ان دلائل قطعیہ میں چونکہ تاویل کا بھی احتمال ہوتا ہے اس لئے ان ضروریات کے منکر کی تکفیر کا باب، مسدود ہے۔ اسے بلا تردد کافر نہ کہیں گے کہ ابھی وہ ایمان کی حدود کو نہیں پھلانگا امید کہ وضوح حق کے بعد توبہ کر لے۔ احادیث کریمہ میں انہیں کے بارے میں ارشاد ہوا کہ بدعتی لوگ تمام جہان سے بدتر ہیں (ابونعیم) اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی بدمذہب کی نماز قبول کرے نہ روزہ۔ نہ زکوٰۃ نہ حج۔ نہ عمرہ نہ جہاد۔ نہ فرض نہ نفل۔ بدمذہب اسلام سے یوں نکل جاتا ہے جیسے آٹے سے بال (بیہقی) نیز مروی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اہل بدعت دوزخیوں کے کتے ہیں (دار قطنی) غرض یہ اپنے ایسے اقوال کی بنا پر، جہنم کی سزا پائے بغیر نجات نہ پا سکیں گے۔ جبکہ مرتد کے لئے نجات ہی نہیں اور فاسق وفاجر کی نجات مشیت ایزدی پر موقوف ہے۔

توحید باری تعالیٰ

تھوڑی سی عقل والا انسان بھی، دنیا کی تمام چیزوں پر نظر کر کے یقین کر لے گا کہ بے شک یہ زمین وآسمان، یہ ستارے اور سیارے، انسان وحیوان اور تمام مخلوق، کسی نہ کسی کے پیدا کرنے سے پیدا ہوئے ہیں۔ آخر کوئی ہستی تو ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا اور جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف کرتا ہے۔ جب ہم کسی تخت یا کرسی وغیرہ بنی ہوئی چیزوں کو دیکھتے ہیں تو فوراً

واصحاب بیعۃ الرضوان کہ ان سب کا قطعی جنتی ہونا قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ آخر ہم زندگی میں کافروں کے ساتھ میل جول شادی بیاہ نماز جنازہ کفن دفن میں وہی معاملات کرتے ہیں جو کافروں کے لئے ہیں کہ ان کی لڑکی لیتے نہیں اپنی لڑکی انہیں دیتے نہیں مرجائیں تو ہم ان کے جنازہ میں نہیں جاتے ہیں نہ ان کی نماز پڑھی جاتی ہے نہ انہیں اپنے قبرستان میں دفن ہونے دیتے ہیں تو مرنے کے بعد کون سی وحی آگئی کہ اب اسے کافر نہ کہیں۔ جب اس نے کفر کیا تو فرض ہے کہ ہم اسے کافر ہی جانیں اور خاتمہ کا حال علم الٰہی پر چھوڑ دیں۔ شرعی احکام کا دارومدار، ظاہر پر ہے۔ اور قیامت میں جزا و سزا موقوف ہے انسان کے خاتمہ پر۔ اور خاتمہ کا علم، اللہ و رسول کے سوا کسے حاصل ہے۔

عقیدہ مرتد اس مرد خواہ عورت کو کہتے ہیں جو کلمہ گو ہو کر، کلمہ پڑھ کر، کفر کرے۔ خواہ یوں کہ پہلے مسلمان تھا پھر علانیہ اسلام سے پھر گیا۔ کلمۂ اسلام کا منکر ہو گیا یا یوں کہ کلمۂ اسلام اب بھی پڑھتا ہے اور اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتا ہے اور پھر خدا و رسول کی توہین کرتا، ضروریات دین میں سے کسی کا انکار کرتا یا دین کا مذاق اڑانا اور تعلیماتِ اسلام کو مضحکہ خیز سمجھتا یا عقائدِ حقّہ کو اپنے زعم باطل کے سانچے میں ڈھالتا ہے۔

عقیدہ:۔ ارتداد یعنی دین وایمان سے پھر جانے والے کے تمام اعمال دنیا و آخرت میں اکارت جاتے ہیں۔ آخرت میں تو یوں کہ یہ بدنصیب مرتد اپنے کو ہر طاعت کے اجر اور ہر عبادت کے ثواب سے محروم پائے گا۔ اور دنیا میں اس طرح کہ نہ مسلمان بیوی سے اس کا نکاح قائم رہ سکتا ہے۔ نہ مسلمان کی میراث میں اسے حصہ مل سکتا ہے۔ نہ اس کا مال معصوم رہتا ہے۔ بلکہ حکومت اگر اسلامی ہو تو ایسے بدعہد، باغی و غدار کو زندہ رہنے کا بھی حق نہیں رہتا۔ اس کی مدح وثنا اور امداد جائز نہیں بلکہ ایسوں سے ناتا توڑ علیحدگی کا حکم ہے۔

عقیدہ علی الاعلان کلمۂ اسلام کے منکر چند قسم پر ہیں مثلاً دہریہ کہ خدا ہی کا منکر ہے یا مشرک کہ اللہ عزوجل کے سوا اور کو بھی معبود یا واجب الوجود جانتا ہے جیسے ہندو بت پرست اور آریہ۔ یا مجوسی آتش پرست کہ آگ کی پوجا کرتے ہیں۔ اور کتابی یعنی یہودی و نصرانی۔ جو دوسری آسمانی کتابوں کے نزول کا اقرار اور قرآن کریم کا انکار کرتے ہیں

سمجھ لیتے ہیں کہ ان کو کسی نہ کسی کاریگر نے بنایا ہے اگرچہ ہم نے اپنی آنکھ سے اسے بناتے ہوئے نہ دیکھا۔ لیکن ہماری عقل نے ہماری رہنمائی کی اور ہم نے اس کا یقین کر لیا کہ اس کا کوئی نہ کوئی صانع ہے ضرور۔ ایک عرب کے بدو نے خوب کہا کہ جب اونٹ کی مینگنی دیکھ کر اونٹ کا یقین ہو جاتا ہے اور نقش قدم دیکھ کر چلنے والے کا ثبوت ملتا ہے تو پھر ان برجوں والے آسمان اور کشادہ راستہ والی زمین کو دیکھ کر، کسی صانع عالم کا یقین کیونکر نہ آئے گا۔

فی الواقع زمین و آسمان کی پیدائش، رات دن کا اختلاف، ستاروں کا خاص نظام۔ سیاروں کی خاص گردش، اس بات کی کھلی دلیلیں ہیں کہ ان کا پیدا کرنے والا کوئی نہ کوئی ضرور ہے جو بڑی زبردست قوت و قدرت والا اور بہت بڑا حکیم اور بااختیار ہے جس کے قبضۂ قدرت سے یہ چیزیں نکل نہیں سکتیں زمین و آسمان کے یہ سارے کارخانے، جو دنیا کے ہر طلسم سے بڑھ کر حیرت انگیز اور انسانی سائنس کے ہر شعبے سے عجیب تر ہیں بجائے خود اس کی دلیل ہیں کہ نہ یہ اپنے آپ وجود میں آسکتے ہیں جب تک کوئی قادر مطلق ہستی ان کی صانع و خالق اور مُربّی و مدبّر نہ ہو اور وہ نہیں مگر ایک اللہ واحد قہار جلّ جلالہٗ و عزّ شانہٗ۔

اللہ تعالیٰ کی ہستی کا یقین ہر شخص کی فطرت میں داخل ہے۔ خصوصاً مصیبتوں میں، بیماریوں میں، موت کے قریب، اکثر یہ فطرت اصلیہ ظاہر ہو جاتی ہے اور بڑے بڑے منکرین بھی خدا ہی کی طرف رجوع کرنے لگتے ہیں اور ان کی زبانوں پر بھی بے ساختہ خدا کا نام آ ہی جاتا ہے۔

عقیدہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ نہ ذات میں۔ نہ صفات میں۔ نہ اسماء میں نہ افعال میں۔ نہ احکام میں۔ نہ سلطنت میں۔

عقیدہ وہ واجب الوجود ہے یعنی اس کا وجود ضروری ہے اور عدم محال وہ قدیم و ازلی ہے یعنی ہمیشہ سے ہے۔ باقی و ابدی ہے یعنی ہمیشہ رہے گا۔ وہی معبود برحق اور اس کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت و پرستش کی جائے اس کے سوا کسی اور معبود برحق کا سرے سے وجود ہی نہیں۔ نہ چھوٹا نہ بڑا۔ نہ اصلی نہ ظلّی۔ نہ خدا نہ خدا زادہ۔ یہ نہیں کہ وہ تو معبود اعظم ہے باقی چھوٹے چھوٹے معبود اور بھی موجود ہیں۔

عقیدہ: وہ حیّ و قیوم ہے۔ موت نہ اس پر کبھی طاری ہوئی اور نہ آئندہ کبھی طاری ہو

سکتی ہے۔ وہ اپنی ذات سے قائم ہے اور سب کو سنبھالے ہوئے ہے خود زندہ ہے اور سب کی زندگی اس کے ہاتھ میں ہے۔ جسے جب چاہے زندہ کرے اور جب چاہے موت دے۔

عقیدہ وہی الصمد ہے یعنی سب سے بے نیاز اور بے پرواہ۔ سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا کسی آن کسی لمحہ محتاج نہیں۔

عقیدہ وہ ہر ممکن پر قادر ہے۔ کوئی ممکن اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ اور جو چیز محال ہے اللہ عزوجل اس سے پاک ہے کہ اس کی قدرت اسے شامل ہو کہ محال اسے کہتے ہیں جو موجود نہ ہو سکے اور جب مقدور اور تحت قدرت ہوگا تو موجود ہو سکے گا پھر محال نہ رہا۔ مثلاً فنائے باری تعالیٰ محال ہے اگر تحت قدرت ہو تو ممکن ہوگی اور جس کی فنا ممکن ہو وہ خدا نہیں۔ تو ثابت ہوا کہ محال پر قدرت، ماننا اللہ کی الوہیت ہی سے انکار کرنا ہے۔

عقیدہ وہ ہر کمال و خوبی کا جامع ہے اور ہر اس چیز سے جس میں عیب و نقصان کا اس میں ہونا محال ہے۔ بلکہ جس بات میں نہ کمال ہو نہ نقصان، وہ بھی اس کے لئے محال ہے۔ مثلاً جھوٹ دغا خیانت ظلم جہل بے حیائی وغیرہا عیوب اس پر قطعاً محال ہیں اور یہ سمجھنا کہ محالات پر قادر نہ ہوگا تو قدرت ناقص ہو جائے گی، باطل محض ہے کہ اس میں قدرت کا کیا نقصان تو اس محال کا ہے کہ تعلق قدرت کی اس میں صلاحیت نہیں۔

فائدہ:۔ وہابیہ دیوبندیہ کہتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ کو جھوٹ پر قدرت ہے بایں معنی کہ وہ جھوٹ بول سکتا ہے"، یہ محض باطل ہے اور محال کو ممکن ٹھہرانا، اور خدا کو عیبی بتانا بلکہ خدا سے انکار کرنا ہے۔ جبکہ کذب (جھوٹ) تو ایسا گندا ناپاک عیب ہے جس سے تھوڑی سی ظاہری عزت والا بھی بچنا چاہتا ہے بلکہ بھنگی چمار بھی اپنی طرف اس کی نسبت کرتے شرماتا ہے۔ اگر وہ اللہ عزوجل کے لئے ممکن ہوا تو وہ بھی عیبی ناقص، گندی نجاست سے آلودہ ہو سکے گا۔ تو کیا کوئی مسلمان اپنے رب پر ایسا گمان کر سکتا ہے؟ مسلمان تو مسلمان کہ اس کے لئے اس کے رب کی امان ہے، معمولی سمجھ والا یہودی اور نصرانی بھی ایسی بات اپنے رب کی نسبت سننا گوارا نہ کرے گا۔ لکھنا اور کہنا درکنار۔ تو جو خدائے قدوس کی طرف اس کی نسبت کرے وہ یہودیوں اور نصرانیوں سے بدتر ہے۔ مگر وہابیہ دیوبندیہ میں شرم و غیرت کہاں۔ سچ ہے

بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن

العظمۃ للہ اگر کذب الٰہی، خدائے قادر و قیوم کا جھوٹا ہونا، ممکن ہو تو اسلام پر وہ طعن لازم آئیں کہ اٹھائے نہ اٹھیں اور کافروں ملحدوں کو اعتراض و عناد کی وہ راہیں ملیں کہ مٹائے نہ مٹیں۔ حشر و نشر حساب کتاب، جنت و نار۔ ثواب و عذاب کسی پر یقین کی کوئی راہ نہ ملے کہ آخران پر ایمان صرف اخبار الٰہی سے ہے جب اسی میں کذب ممکن ہو تو عقل کو ہر خبر الٰہی میں احتمال رہے گا کہ شاید ٹھیک نہ ہو، والعیاذ باللہ تعالیٰ

عقیدہ حیات قدرت علم سمع بصر کلام اور ارادہ و مشیت، اس کے صفات ذاتیہ ہیں مگر کان آنکھ زبان سے اس کا سننا دیکھنا کلام کرنا نہیں کہ یہ سب اجسام ہیں اور اجسام سے وہ پاک۔

انسان اپنے دیکھنے اور سننے کے لئے بہت سی چیزوں کا محتاج ہے مثلاً کان آنکھ وغیرہ پھر اگر کان آنکھ بھی ہوں اور قوت بصارت یا سماعت نہ ہو تو وہ آلہ بھی بیکار ہے۔ پھر اگر دونوں جمع ہوں اور کوئی چیز درمیان میں حائل ہو یا آواز بہت پست یا بہت دور کی ہو تب بھی انسان دیکھنے اور سننے سے عاجز رہتا ہے۔ غرض انسان اپنے اوصاف میں محتاج ہے لیکن خدا کسی کا محتاج نہیں۔

ہر پست سے پست آواز کو سنتا ہے۔ ہر باریک سے باریک کو، کہ خوردبین سے محسوس نہ ہو وہ دیکھتا ہے۔

عقیدہ مثل دیگر صفات کے اس کا کلام بھی قدیم ہے حادث و مخلوق نہیں۔ یونہیں اس اس کا کلام آواز سے پاک ہے۔ اور یہ قرآن عظیم جس کو ہم اپنی زبان سے تلاوت کرتے مصاحف میں لکھتے ہیں، اس کا کلام قدیم بلا صوت (آواز سے پاک) ہے اور یہ ہمارا پڑھنا لکھنا اور ہماری آواز یہ حادث ہے۔ یعنی ہمارا پڑھنا حادث ہے (کہ پہلے نہ تھا اب پایا گیا) اور جو ہم نے پڑھا وہ قدیم ہے ہمارا لکھنا حادث ہے اور جو لکھا وہ قدیم۔ ہمارا سننا حادث ہے اور جو سنا وہ قدیم ہمارا حفظ کرنا حادث ہے اور جو ہم نے حفظ کیا قدیم۔ یعنی متجلی (تجلی والا) قدیم ہے۔

عقیدہ: اس کا علم ہر شے کو محیط ہے یعنی تمام موجودات، معدومات، ممکنات،

محالات کو ازل میں جانتا تھا اور اب جانتا ہے اور ابد تک جانے گا دلوں کے خطروں اور وسوسوں پر اس کی نظر ہے اُسے سب کی خبر ہے اور اس کے علم کی کوئی انتہا نہیں۔ وہ غیب وشہادت، غائب حاضر سب کو جانتا ہے۔ علم ذاتی اس کا خاصہ ہے۔ جو شخص علم ذاتی، غیب خواہ شہادت کا، غیر خدا کے لئے ثابت کرے کافر ہے۔ علم ذاتی کے یہ معنی ہیں کہ بے خدا کے دیئے خود حاصل ہو۔

عقیدہ:۔ تکوین وتخلیق اسی کے لئے ہے یعنی وہی ہر شے کا خالق ہے تمام عالم اسی کا پیدا کیا ہوا ہے اور آئندہ بھی ہر چیز وہی پیدا کرے گا۔ چھوٹے سے چھوٹا ذرہ اور عالم کا مادہ (آگ پانی ہوا خاک جنہیں اربع عناصر کہتے ہیں) سب اسی کی مخلوق ہے۔ چیزوں کے پیدا کرنے میں وہ کسی آلہ کا محتاج نہیں۔ نہ اس کو کسی مدد کی ضرورت ہے اگر وہ چاہتا ہے کہ فلاں کام ہو جائے تو وہ ہو جاتا ہے چنانچہ نصِ قرآنی کن فیکون سے ظاہر ہے یعنی وہ حکم دیتا ہے کہ ہو جا اور وہ خود بخود ہو جاتا ہے۔ تخلیق عالم اسی طرح پر ہوئی۔ اور جس کو وہ چاہتا ہے کہ وہ نہ ہو وہ کبھی لباس وجود میں نہیں آسکتا کبھی ظہور پذیر نہیں ہو سکتا۔ غرض وہی ہر شے کا خالق ہے۔ ذوات ہوں خواہ افعال سب اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ مارنا۔ جلانا۔ چلانا۔ صحت دینا بیمار ڈالنا، غنی کرنا فقیر کرنا وغیرہا صفات جن کا تعلق مخلوق سے ہے اور جنہیں صفات اضافیہ اور صفات فعلیہ بھی کہتے ہیں، ان سب کو صفات تخلیق وتکوین کی تفصیل سمجھنا چاہیئے۔

عقیدہ اللہ تعالیٰ ہی ہر ذی روح کو رزق دیتا اور روزی پہنچاتا ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی مخلوق کو وہی روزی دیتا اور وہی اس کی پرورش کرتا ہے۔ وہی ساری کائنات کی تربیت فرماتا اور ہر چیز کو آہستہ آہستہ درجہ بدرجہ بتدریج اس کے کمال مقدار تک پہنچاتا ہے وہی رب العلمین ہے۔ حقیقۃً روزی پہنچانے والا وہی ہے۔ ملائکہ وغیرہم وسیلے اور ہمارے، اس کے درمیان واسطے ہیں۔

عقیدہ:۔ اللہ تعالیٰ جہت ومکان وزمان وحرکت وسکون وشکل وصورت جمیع حوادث سے پاک ہے۔ اس کے لئے کوئی جگہ اور طرف متعین نہیں کی جاسکتی وہ ہر جگہ ہے اور تمام عالم کو محیط۔ ایک مکان سے دوسرے مکان یا ایک زمان سے دوسرے زمان کی طرف نقل وحرکت کرنا یا اس میں کسی قسم کا تغیر پایا جانا، یا اس کے اوصاف۔ حوادث یعنی پیدا اور فنا ہونے

کے لئے ہے اور جو اوصاف، حوادث یعنی پیدا اور فنا ہونے والی چیزوں کے لئے ہیں ان کا اس میں پایا جانا محال۔

فائدہ عظیمہ: مرتبۂ وجود میں صرف حق عزوجل ہے کہ ہستی حقیقۃً اسی کی ذات پاک سے خاص ہے۔ وحدت وجود کے جس قدر معنی عقل میں آسکتے ہیں۔ یہی ہیں کہ وجود واحد، موجود واحد، باقی سب مظاہر ہیں کہ اپنی حد ذات میں اصلاً وجود وہستی سے بہرہ نہیں رکھتے۔ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۔ اور حاشا یہ معنی ہرگز نہیں کہ من وتو، زید وعمر ہر شے خدا ہے یہ اہل اتحاد کا قول ہے جو ایک فرقہ کافروں کا ہے اور پہلی بات اہل توحید کا مذہب ہے جو اہل اسلام وایمان حقیقی ہیں۔ (کشف حقائق)

عقیدہ: اللہ عزوجل کا دیدار، اس دنیائے فانی اور عالم کون وفساد یعنی دنیا کی زندگی میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے خاص ہے۔ کسی اور کے نصیب میں یہ دولت نہیں اور آخرت میں ہر سنی مسلمان کے لئے ممکن بلکہ واقع ہے۔ چونکہ وہ اس عالم سے بالکل علیحدہ ایک عالم ہے وہاں کی ہر چیز کامل اور غیر فانی ہے۔

عقیدہ: اس کا دیدار بلاکیف ہے یعنی یہ تعین نہیں کیا جاسکتا کہ وہ دیدار الٰہی کس نوعیت کا ہوگا اور کس شان سے ہوگا یعنی دیکھیں گے اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ کیسے دیکھیں گے۔ اس دنیا میں کسی چیز کو دیکھنے کے لئے چند شرائط ہیں۔ جس چیز کو دیکھتے ہیں اس سے کچھ فاصلہ مسافت کا ہوتا ہے۔ نزدیک یا دور۔ وہ دیکھنے والے کی آنکھوں کے سامنے ہوتی ہے۔ اس کے لئے کوئی خاص جہت یا جگہ ہوتی ہے لیکن اس کا دیکھنا ان سب باتوں سے پاک ہوگا کہ یہ امور ذات واجب الوجود کے لئے منافی ہیں۔ پھر رہا یہ کہ دیدار الٰہی کیونکر ہوگا۔ یہی تو کہا جاتا ہے کہ کیونکر کو یہاں دخل نہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ جب دیکھیں گے اس وقت بتادیں گے۔ اس کی سب باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں تک عقل پہنچتی ہے وہ خدا نہیں کہ جو سمجھ میں آگیا پھر وہ خدا کیونکر ہوا۔ اور جو خدا ہے اس تک عقل رسا نہیں۔ بہرحال قرآن واحادیث اور اجماع اُمت اس بات پر شاہد ہیں کہ عالم آخرت میں سب سے بڑی نعمت دیدار الٰہی ہوگی اگرچہ اس کی صورت وکیفیت متعین نہ ہو۔ آخرت میں دیدار الٰہی کا منکر گمراہ بددین ہے اور اہل سنت وجماعت سے خارج۔

عقیدہ: وہ مالک علی الاطلاق ہے جو چاہے اور جیسا چاہے کرے۔ جسے جو چاہے دے اور جس سے جو چاہے چھین لے۔ کسی کو اس پر قابو نہیں اور نہ کوئی اس کے ارادے سے اسے باز رکھنے والا۔ اس پر کوئی حکم نہیں کر سکتا۔ اس پر ثواب یا عذاب یا بندے کے ساتھ لطف یا اس کے ساتھ وہ کرنا جو اس کے حق میں بہتر ہو، اس پر کچھ واجب نہیں۔

عقیدہ کوئی شخص اپنے حقوق کا اظہار کر کے، اس سے کسی چیز کا مستحق اور حقدار بن جائے یہ اس کی شان بے نیازی کے خلاف ہے۔ مثلاً کوئی شخص عبادت و ریاضت میں مصروف رہ کر، اس کا مدعی نہیں بن سکتا کہ وہ اس کے بدلے میں اسے جنت دے ہی دے گا، ہاں اس نے اپنے کرم سے وعدہ فرمالیا ہے کہ وہ اپنے مسلمان بندوں کو اجر عظیم عطا فرمائے گا اور انہیں جنت میں داخل فرمائے گا۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ اجر، اس نیک کام کرنے والے کی مرضی کے مطابق ہی ہو۔ اسے اختیار ہے کہ جس صورت سے چاہے اسے اجر عطا فرمائے اور اپنی نعمتوں سے نوازے۔

عقیدہ وہ کچھ کرتا ہے یا کرے گا عدل وانصاف ہے اور ظلم وجور سے وہ پاک صاف ظلم کہتے ہیں حد سے تجاوز کرنے کو۔ خدا کی ذات ایسی ہے جو ہر قسم کے عیب و نقص سے پاک ہے تو حد سے متجاوز نہیں ہوتا کہ نہ اس کے لئے حد ہے نہ وہ محدود، بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ مصیبت زدہ مخلوق پر ظلم ہو رہا ہے۔ لیکن اگر دقیق نظر سے دیکھا اور غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ نہ معلوم کیا کیا مصلحتیں اس میں پوشیدہ ہیں اور ان کے کون کون سے اعمال کا نتیجہ ہیں۔ اس نے فرمادیا ہے کہ بمقتضائے عدل کفار کو جہنم میں داخل فرمائے گا۔ اس کے وعدے وعید نہیں بدلتے۔ اس نے وعدہ فرمالیا ہے کہ کفر کے سوا ہر چھوٹے بڑے گناہ کو جسے چاہے معاف کر دے گا۔

عقیدہ: نفع ضرر اسی کے ہاتھ میں ہے۔ مظلوم کی فریاد کو پہنچنا اور ظالم سے بدلہ لینا ہے۔ ہاں ظالم کو ڈھیل دیتا ہے کہ ظلم سے باز آجائے۔ قہر و غضب فرمانے والا ہے۔ اس کی پکڑ نہایت سخت ہے جس سے بے اس کے چھڑائے کوئی چھوٹ نہیں سکتا۔ جس کو چاہے بلند کر دے اور جس کو چاہے بلند کر دے اور جس کو چاہے پست۔ ذلیل کو عزت دے اور عزت والے کو

ذلیل کر دے۔ جس کو چاہے راہِ راست پر لائے اور جس کو چاہے سیدھی راہ سے الگ کر دے۔ جسے چاہے اپنا مقبول بنالے۔ اور جسے چاہے مردود کر دے۔

عقیدہ اس کو نہ اونگھ آئے نہ نیند کہ نیند بھی ایک قسم کی موت ہے۔ تمام جہان کانگاہ رکھنے والا۔ نہ تھکے نہ اکتائے۔ تمام عالم کا پالنے والا اور نظام عالم کی تدبیر فرمانے والا ہے۔ ماں باپ سے زیادہ مہربان اور بڑا حلم والا ہے۔ اسی کی رحمت ٹوٹے دلوں کا سہارا۔ اسی کے لئے بڑائی اور عظمت ہے۔

عقیدہ اس کی رحمت ہے کہ وہ ایسے کام کا حکم نہیں فرماتا جو انسان کی طاقت سے باہر ہو۔ اچھے اعمال پر وہ خوش ہوتا اور برے سے ناراض۔ گناہوں کا بخشنے والا اور توبہ قبول فرمانے والا ہے۔

عقیدہ اس کے ہر فعل میں کثیر حکمتیں ہیں۔ خواہ ہم کو معلوم ہوں یا نہ ہوں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک کام بظاہر ہماری منشاء کے خلاف ہوتا ہے اور ہم بددل ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس میں صریحاً ہمارا نقصان ہو گیا لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ دراصل اس میں بڑا فائدہ تھا۔ اگر وہ کام ہماری منشاء کے مطابق ہو جاتا تو نقصانِ عظیم کا اندیشہ تھا۔

عقیدہ اس نے اپنی حکمت بالغہ کے مطابق عالم اسباب میں، مسببات کا اسباب سے ربط فرما دیا ہے۔ آنکھ دیکھتی ہے۔ کان سنتا ہے۔ آگ جلاتی ہے۔ پانی پیاس بجھاتا ہے۔ وہ چاہے تو آنکھ سنے کان دیکھے پانی جلائے آگ پیاس بجھائے نہ چاہے تو لاکھ آنکھیں ہوں، دن کو پہاڑ نہ سوجھے۔ کروڑوں آگیں ہوں۔ ایک تنکے پر داغ نہ آئے۔ کس قہر کی آگ تھی جس میں ابراھیم علیہ السلام کو کافروں نے ڈالا کوئی پاس بھی نہ جا سکتا تھا اسے ارشاد ہوا اے آگ ٹھنڈی اور سلامتی ہو جا ابراہیم پر۔ اور وہ آگ گلزار بن گئی۔

فائدہ

قرآن کریم میں ہے۔ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا الآیۃ

اور حدیث شریف میں ہے اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام جس کسی نے یاد کر لئے وہ جنتی ہوا

اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اسمائے الٰہیہ ننانوے میں منحصر نہیں ہیں۔ حدیث کا مقصود صرف یہ ہے کہ اتنے ناموں کے یاد کرنے سے انسان جنتی ہو جاتا ہے کہ جب یہ اسماء محفوظ ہوں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظمت وبزرگی اور اس کے تقدس وپاکیزگی، کا ذہن میں استحضار ہوگا۔ اس کی کبریائی وجبروت وحاکمیت کا خاکہ پیش نظر رہے گا تو ایمان میں فراوانی ہوگی اور اعمالِ حسنہ کی لگن جو جنت کی راہ ہے۔

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں کو بگاڑ کر غیروں پر اطلاق کرنا، حق سے نکلنا اور ناجائز ہے جیسا کہ مشرکین نے الٰہ کا لات۔ عزیز کا عُزّیٰ اور مَنّان کا منات کر کے اپنے بتوں کے نام رکھے تھے۔ یوں ہی اللہ تعالیٰ کے لئے ایسا نام مقرر کرنا۔ جو قرآن وحدیث میں نہ آیا ہو یہ بھی جائز نہیں جیسے کہ سخی یا رفیق کہنا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء، توقیفیہ ہیں یعنی شرع میں موقوف۔ یوں ہی اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی ایسا نام مقرر کرنا جو اس کے مرتبے سے فروتر ہوں یا جن سے عیوب ونقائص اس کی طرف منسوب ہوتے ہوں جائز نہیں مثلاً اسے رام یا پرماتما کہنا۔ اسی طرح اس پر ایسے ناموں کا اطلاق جائز نہیں جن کے معنیٰ معلوم نہیں ہیں اور یہ نہیں جا سکتا کہ وہ جلال الٰہی کے لائق ہیں یا نہیں (خزائن العرفان)

رسالت ونبوت

کسی چیز کا اچھا یا برا ہونا اس وجہ سے نہیں ہو سکتا کہ وہ چیز بذات خود اچھی یا بُری ہے بلکہ کوئی چیز اس وجہ سے اچھی ہوتی ہے کہ اس کو خدا نے اچھا بتایا ہے اور کوئی چیز بری اس وجہ سے کہلائی جاتی ہے کہ اس کو خدا نے بُرا بتایا ہے۔ مثلاً نماز پڑھنا اس لئے داخل عبادت ہے کہ اس کا حکم خدا نے ہم کو دیا ہے حالانکہ اہل ہنود مندروں میں بتوں کی پرستش کرتے ہیں اور یہود ونصاریٰ اپنے گرجاؤں اور کنیساؤں میں اور مجوس وغیرہ اپنی عبادت گاہوں میں اپنے طور پر عبادت کرتے ہیں لیکن وہ بری ہے اس واسطے کہ خدا نے اس کی مذمت کی ہے۔ اب ان میں بعض امور ایسے ہیں جن کی اچھائی ہماری عقل بھی پہچان لیتی ہے اور برے کاموں کی برائی کی تمیز بھی ہو جاتی ہے۔ مثلاً شراب پینا، قتل وغارتگری کرنا، کسی کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانا، ناحق

کسی پر ظلم وزیادتی کرنا، یہ وہ امور ہیں جن کی برائی ہر عقل سلیم پر روشن ہے لیکن بعض امور ایسے بھی ہیں جن کے کرنے کی ہمیں ممانعت کردی گئی ہے لیکن ان کی کوئی ظاہری برائی، ہماری عقل پہچاننے سے قاصر ہے۔ یونہی بہت سے وہ امور ہیں جن کی بظاہر کوئی خوبی ہم کو بادی النظر میں نہیں معلوم ہوتی۔ اسی لئے نیک وبد کو بتانے کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں میں سے کسی ایک کو جسے وہ اہل سمجھتا ہے نبوت کے لئے منتخب فرما لیتا ہے اور اپنے احکام ان کی معرفت بندوں تک پہنچاتا ہے تاکہ وہ نیکی اور بدی کو کما حقہ پہچان کر، مرضیٔ خداوندی کے مطابق عمل کریں ان منتخب اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کو نبی یا رسول اللہ کہتے ہیں۔ انبیاء ومرسلین کے مبعوث فرمانے میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمت اور اپنے بندوں پر بڑی رحمت ہے۔ اس نے اپنے ان رسولوں کے ذریعے، اپنی رضامندی اور ناراضی کے کاموں سے آگاہ کردیا۔ اس لئے کہ جب ہم لوگ باوجود ہم جنس ہونے کے کسی دوسرے شخص کی صحیح رائے بغیر اس کے ظاہر کئے ہوئے نہیں معلوم کر سکتے تو اللہ تعالیٰ کی مرضی ونامرضی کو بغیر اللہ تعالےٰ کے بتائے ہوئے کیونکر جان سکتے ہیں نہ کسی کو عذاب وثواب کی اطلاع ہو سکتی تھی نہ عالم آخرت کے احوال معلوم ہو سکتے تھے۔ نہ عبادتوں کے صحیح طریقے معلوم ہو سکتے تھے کہ اس کے ارکان وفرائض کتنے ہیں اور شرائط وآداب کیا ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات وصفات تک رسائی تو خیال میں بھی نہیں آسکتی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ازراہِ فضل وکرم اپنی مخلوق کی ہدایت ورہنمائی کے لئے، انسانوں ہی میں سے کچھ ایسے برگزیدہ، عالی ذات، اعلیٰ صفات بندے پیدا کئے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں۔ یہ برگزیدہ بندے، لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔ تاکہ ان پیغمبروں کے آنے اور ان کی تبلیغ ہدایت کے بعد، لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ کہنے کی کوئی حجت باقی نہ رہے کہ اگر ہمارے پاس نبی یا رسول آتے تو ہم ضرور ان کی بات مانتے۔ غرض ان انبیاء ومرسلین کی اطاعت کرنے والا مقبول، اور ان کا مخالف، مردود ہے "نبوت" نبأ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں "خبر دینا" اور رسالت کے معنی ہیں "پیغام" اور اسلام کی اصطلاح میں نبوت ورسالت خدا کی جانب سے ایک منصب ہے جو مخلوق کی رشد وہدایت کے لیے

کسی مخصوص اور برگزیدہ انسان کو عطا ہوتا ہے۔ اور اس کے لائے ہوئے پیغام کو "وحی" کہتے ہیں اور چونکہ یہ پیغام خدائے برتر کا فرمان ہوتا ہے جس میں قصور و کوتاہی اور سہو و نسیان کی مطلق گنجائش نہیں ہوتی اس لئے تمام انسانوں کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک اور خدائے برتر کے فرمان اور "وحی الٰہی" کے سامنے بلاچوں وچرا سر تسلیم خم کر دیں اور نبی کے پیغام کو "پیغام حق" سمجھ کر قبول کر لیں، بہر حال کسی نبی یا رسول کے مبعوث ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خدا کی مخلوق، اپنی روحانی سعادت اور دنیاوی جسمانی راحت و برکت کے لئے اپنی عقل و دانش اور فہم و فراست پر اعتماد کی بجائے پیغام حق کو اپنا رہنما بنائیں اور انسانوں کے نہیں بلکہ انسانوں کے پیدا کرنے والے خدائے قدوس کے بتائے ہوئے قانون پر عمل پیرا ہوں۔

یہاں اتنی بات اور ذہن نشین کر لیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں تنہا ہماری عقلوں پر چھوڑ دیتا کہ خود ہی عقل کی رہنمائی میں راہِ ہدایت تلاش کریں تو ہم کبھی بھی پورے طور پر سعادت و نجات کا راستہ نہیں معلوم کر سکتے تھے۔ دنیا کے عقلاء اور دانش وروں کا حال ہم آئے دن دیکھ رہے ہیں کہ رات دن مشاہدے اور تجربہ میں آنے والی چیزوں میں بھی کسی ایک بات پر متفق نہیں ہیں۔ بلکہ اتفاق رائے درکنار، ایک ہی شخص کبھی کچھ اور کبھی کچھ رائے قائم کر لیتا ہے تو روحانیت اور عالم غیب و عالم آخرت کے بارے میں وہ کیونکر صحیح بات معلوم کر سکتے تھے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ بغیر واسطۂ پیغمبر، تنہا عقل انسانی سعادت و نجات کا صحیح اور صاف راستہ معلوم نہیں کر سکتی۔

اللہ تعالیٰ کے ان برگزیدہ بندوں میں چند باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کی وجہ سے ان کی ذات تمام طبقۂ انسانی میں خاص طور پر ممتاز ہوتی ہے اور یہی باتیں اس کی رسالت کی دلیل اور اور برہان ہوتی ہیں اور اسی بنا پر اس کی پیروی امت پر واجب ہوتی ہے مثلاً اس کے اخلاق میں کمال پایا جاتا ہے۔ سلامت فطرت اور کمال اخلاق کے باعث اس میں ایک ایسی قوت قدسیہ پائی جاتی ہے جس کا دوسروں میں پایا جانا محال ہے۔ رحمت الٰہی ہر وقت اس کے شامل حال اور تائید الٰہی ہمیشہ اس پر سایہ افگن رہتی ہے وغیرھا۔ نبی کے لئے کیا جائز ہے اور کیا واجب اور کیا محال۔ ہر مسلمان پر یہ بھی جاننا ضروری ہے ورنہ بہت ممکن ہے کہ آدمی اپنی ناواقفیت میں ہلاک ہو جائے۔ اس لئے نبوت سے متعلق عقائد بھی بیان کئے جاتے ہیں۔

عقائد متعلقہ نبوت

عقیدہ اللہ عزوجل پر نبی کا بھیجنا واجب نہیں۔ اس نے اپنے فضل و کرم سے لوگوں کی ہدایت کے لئے نبی بھیجے۔ انبیاء سب بشر تھے اور مرد تھے۔ نہ کوئی جن نبی ہوا نہ عورت۔ نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالےٰ نے ہدایت کے لئے وحی بھیجی ہو۔ یہ وحی خواہ فرشتہ کی معرفت ہو یا بلا واسطہ۔

تشریح اللہ تعالےٰ کی یہ بھی بڑی حکمت اور رحمت ہے کہ وہ اپنی نبی اور نبی آدم کے لئے اپنا رسول، نوع بشر سے منتخب فرماتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے یا کسی دوسری مخلوق میں سے ہمارے لئے رسول بھیجتا تو وہ ہماری عادات و خصائل سے واقف نہ ہوتا نہ اس کو ہم پر وہ شفقت ہوتی جو ایک ہم جنس کو دوسرے ہم جنس سے ہوتی ہے۔ دوسرے اس کی طرف ہمارا میلان طبعی بھی نہ ہوتا نہ اس کی باتوں میں ہم اس کی پیروی کر سکتے اور نہ ہماری کمزوریوں کا اسے احساس ہوتا۔ پیغمبر کا کام صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ آکر پیغام سنا دیا کرے بلکہ اس کا کام یہ بھی ہے کہ اس پیغام کے مطابق انسانی زندگی کی اصلاح کرے۔ اسے خود اپنی زندگی میں ان اصول و قوانین کا عملی مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔ اسے ان بے شمار مختلف انسانوں کے ذہن کی گتھیاں سلجھانی پڑتی ہیں جو اس کا پیغام سننے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسے ماننے والوں کی تنظیم اور ترتیب کرنی ہوتی ہے اور یہ سارے کام جبکہ انسانوں ہی میں کرنے کے ہیں تو ان کے لئے بنی نوع انسان ہی کے افراد ہی موزوں ہو سکتے ہیں جو انسانوں میں انسان کی طرح رہ کر، انسان ہی کے سے کام کریں اور انسانی زندگی میں منشائے الٰہی کے مطابق، اصلاح کر کے دکھائیں

عقیدہ وحی نبوت انبیاء کے لئے خاص ہے جو اسے کسی غیر نبی کے لئے مانے کافر ہے۔ اور ولی کے دل میں بعض وقت سوتے یا جاگتے میں، کوئی بات القاء ہوتی ہے اس کو الہام کہتے ہیں اور وحی شیطانی کہ من جانب شیطان دل میں ڈالی جاتی ہے یہ کاہن ساحر اور دیگر کفار و فساق کے لئے ہوتی ہے۔

عقیدہ نبوت کسبی نہیں کہ آدمی عبادت و ریاضت کے ذریعہ سے حاصل کر سکے بلکہ

محض عطائے الٰہی ہے یعنی شرافت رسالت کا اہل ہر کس و ناکس نہیں ہو سکتا۔ مرتبۂ رسالت کے ظرف اور اہلیت کا فیصلہ تمام تر اللہ واحد قدوس ہی کے ہاتھ میں ہے۔ ہاں یہ سرفرازی اور فضل و شرف دیتا اسی کو ہے جسے اس منصب جلیل کے قابل بناتا ہے جو حصول نبوت سے قبل تمام اخلاق رذیلہ (بری خصلتوں) سے پاک اور تمام اخلاق فاضلہ و حسنہ سے مزین ہو کر قرب و ولایت کے تمام مدارج (مرتبے) طے کر چکتا ہے اور اپنے جسم و نسب و قول و فعل و حرکات و سکنات میں ہر ایسی بات سے منزّہ ہوتا ہے جو باعث نفرت ہو۔ اسے عقل کامل عطا کی جاتی ہے جو اوروں کی عقل سے بدرجہا زائد ہے۔ کسی حکیم اور کسی فلسفی کی عقل اس کے لاکھویں حصہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ اور جو اسے کسبی مانے کہ آدمی اپنے کسب و ریاضت سے منصب نبوت تک نبوت تک پہنچ سکتا ہے کافر ہے۔ قرآن کریم کا حکم ناطق ہے اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ۔ یعنی اللہ خوب جانتا ہے کہ نبوت کی اہلیت اور اس کا استحقاق کسے ہے کسے نہیں۔

فائدہ :۔ انبیاء کرام میں جو ایک خاص قوت قدسیہ پائی جاتی ہے اس کے باعث، وحی الٰہی کا اثر ان پر بے انتہا ہوتا ہے۔ معاصی اور خدا کی نافرمانی کے خیال سے بھی نبی کانپ اٹھتا ہے۔ جو باتیں خدا کو ناپسند ہوتی ہیں ان سے وہ ہمیشہ متنفر (دور و نفور) رہتا ہے۔ اگر کوئی موقع پیغمبر کو ایسا پیش آجاتا ہے جو عام آدمیوں کی لغزش کا مقام ہوتا ہے تو وہاں تائید الٰہی، کسی نہ کسی صورت میں ظاہر ہو کر پیغمبر کو اس لغزش سے بچا لیتی ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں ہے۔ تو چونکہ برہان الٰہی یعنی عصمت نبوت یا نبی کی معصومیت ہر وقت پیغمبر کے پیش نظر اور اس پر سایہ گستر رہتی ہے اس لئے پیغمبر سے صدور گناہ ناممکن و محال ہے۔

عقیدہ نبی کا معصوم ہونا ضروری ہے اور یہ عصمت نبی اور ملک کا خاصہ ہے کہ نبی اور فرشتہ کے سوا کوئی معصوم نہیں۔ اماموں کو انبیاء کی طرح معصوم سمجھنا گمراہی و بد دینی ہے۔

عصمت انبیاء یعنی نبیوں کے معصوم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ان کے لئے حفظ الٰہی کا وعدہ ہو لیا۔ جس کے سبب ان سے صدور گناہ ممکن ہی نہیں۔ شرعاً محال ہے۔ بخلاف ائمہ و اکابر اولیاء کہ اللہ عزوجل انہیں گناہ و نافرمانی سے محفوظ رکھتا ہے ان سے گناہ ہوتا نہیں مگر ہو، تو شرعاً محال بھی نہیں۔

عقیدہ انبیاءِ کرام علیہم السلام شرک اور کفر اور ہر ایسے امر سے جو خلق کے لیے باعث نفرت ہو جیسے کذب و خیانت و جہل وغیرہا صفات ذمیمہ، نیز ایسے افعال سے جو وجاہت اور مروّت کے خلاف ہیں قبل نبوت اور بعد نبوت بالاجماع معصوم ہیں اور کبائر (گناہ کبیرہ) سے بھی مطلقاً معصوم ہیں اور حق یہ ہے کہ قصداً وارادۃً، صغائر (گناہِ صغیرہ) سے بھی معصوم اور محفوظ و مامون ہیں۔ قبل نبوت بھی اور بعد نبوت بھی۔

عقیدہ انبیائے کرام کے اجسام کا برص و جذام وغیرہ ایسے امراض سے جو مخلوق کے لئے باعث تنفر اور نفرت و دوری کا بہانہ بن سکے پاک ہونا ضروری ہے اسی لئے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ چھ باتیں کسی نبی میں نہیں پائی جاتیں۔ ولدالزنا ہونا۔ بدصورتی۔ بے عقلی۔ بزدلی۔ پست ہمتی۔ اور نامردی۔

عقیدہ احکام تبلیغیہ میں انبیاء سے سہو و نسیان محال ہے۔ جبکہ دنیا کے کسی اور معلم و متعلم میں یہ بات کہیں نہیں پائی جا سکتی۔

عقیدہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام پر بندوں کے لئے جتنے احکام نازل فرمائے انہوں نے وہ سب پہنچا دیئے۔ اور حقیقۃً یہ ہے بھی مرتبہ رسالت، سے بہت ہی گری ہوئی بات کہ پیغمبر جیسا عبد کامل بھی کوئی حکم شریعت کسی مروت یا کسی خوف سے چھپا جائے۔ تو جو یہ کہے کہ کسی نبی نے کسی حکم کو لوگوں سے چھپا رکھا تقیۃً یعنی خوف کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے نہ پہنچایا وہ کافر ہے۔

تشریح: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کامل و مکمل عبد اللہ ہیں ان کی طرف نسبت کر کے یہ کہنا کہ آپ نے نعوذ باللہ کسی خوف، یا مصلحت سے قرآن کریم ہم تک پورے کا پورا نہیں، بلکہ کسی ناقص صورت میں پہنچایا ہے۔ بڑی قساوتِ قلبی، سنگدلی اور دیدۂ دل کی بینائی سے محرومی کی واضح دلیل ہے۔ ہم اہلسنت وجماعت کا یہ اعتقاد ہے کہ نوع انسانی کے عوام خواہ خواص یا خاص الخواص (مثلاً حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم) ان میں سے جو بات جس طبقہ کے لائق اور جس کی استعداد کے مطابق تھی یقیناً قطعاً، آپ نے بلا کم و کاست اور بے خوف و خطر پہنچا کر خدا کی حجت بندوں پر تمام کر دی۔

حجۃ الوداع کے موقع پر کہ ہر درجہ اور ہر طبقہ کی، انبوہ درانبوہ خلقت جمع تھی۔ تمام میدان عرفات سرتاسر، لوگوں سے بھرا ہوا تھا اور ہر شخص تکبیر و تہلیل، تمجید و تقدیس میں مصروف تھا اس وقت چوالیس ہزار (یا چوبیس ہزار) کا مجمع احکام الٰہی کی تعمیل کے لئے ہمہ تن حاضر تھا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وبارک وسلم نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اسے غور سے پڑھیں ذرا تفکر وتدبّر سے پڑھیں اور ان الفاظ مبارکہ پر غور کریں کہ "لوگو! قیامت کے دن تم سے میری بابت بھی دریافت کیا جائے گا مجھے ذرا بتا دو کہ تم کیا جواب دو گے۔" سب نے کہا ہم اس کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے اللہ کے احکام ہم کو پہنچا دیئے۔ آپ نے رسالت و نبوت کا حق ادا کر دیا۔ آپ نے ہم کو کھرے کھوٹے کی بابت اچھی طرح بتا دیا۔

اور اس وقت نبی کریم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنی انگشت شہادت کو اٹھایا آسمان کی طرف انگلی اٹھاتے تھے اور پھر لوگوں کی طرف جھکاتے تھے (اور فرماتے تھے) اے خدا سن لے (تیرے بندے کیا کہہ رہے ہیں) اے خدا گواہ رہنا (کہ یہ لوگ کیا گواہی دے رہے ہیں) اے خدا شاہد رہ (کہ یہ سب کیسا صاف اقرار کر رہے ہیں)

مسلمان دیکھیں کہ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیونکر اپنی ذات مبارک کے متعلق، اپنے عمر بھر کے کارناموں کے متعلق ہمارے باپ داداؤں کی گویا مہریں کرالی ہیں۔ لِلّٰہِ انصاف کہ ان ایک لاکھ اور کم و بیش چوبیس ہزار کی شہادت و گواہی اور وہ بھی خود اس ذات گرامی کے روبرو، معتبر و مقبول اور بارگاہ خداوندی میں مرضی و پسندیدہ ہے یا ہوا و ہوس کے پرستاروں اور اپنی خواہشات نفسانی کے پجاریوں کے اوہام تراشیدہ اور خیالات باطلہ۔

واللہ المستعان علیٰ ما تصفون سچ ہے اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِیْ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ۔

ع بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن

عقیدہ اللہ عزوجل نے انبیاء علیہم السلام کو اپنے غیوب پر اطلاع دی۔ زمین و آسمان کا ہر ذرہ، ہر نبی کے پیش نظر ہے۔ مگر یہ علم غیب کہ ان کو ہے اللہ کے دیئے سے ہے، اللہ کی عطا سے ہے لہٰذا ان کا علم عطائی ہوا۔ اور علم عطائی اللہ عزوجل کے لئے محال ہے کہ اس کی کوئی صفت کوئی کمال کسی کا دیا ہوا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ذاتی ہے اور بلا شبہہ غیر خدا کے لئے ایک ذرہ

کا علم بھی ذاتی نہیں۔ اس قدر ضروریات دین سے ہے اور اس کا منکر کافر۔ اور اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ عزوجل کے دیئے سے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کثیر در کثیر اور وافر غیبوں کا علم ہے۔ یہ بھی ضروریات دین سے ہے۔ جو اس کا منکر ہے کافر ہے سرے سے نبوت ہی کا منکر ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام غیب کی خبریں دینے کے لئے آتے ہی ہیں۔ جنت۔ دوزخ حشر۔ نشر۔ عذاب ثواب، غیب نہیں تو اور کیا ہیں۔ ان کا منصب ہی یہ ہے کہ وہ باتیں ارشاد فرمائیں جن تک عقل وحواس کی رسائی نہیں اور اسی کا نام غیب ہے بلکہ نبی کے معنی ہی ہیں "غیب کی خبر دینے والا"

فائدہ: اس پر اجماع ہے کہ اس فضل جلیل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ تمام انبیاء تمام جہاں سے اتم واعظم ہے۔ اللہ عزوجل کی عطا سے حبیب اکرم عالم اعلم صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنے غیبوں کا علم ہے جن کا شمار، اللہ ہی جانتا ہے۔ مسلمانوں کا یہاں تک اجماع تھا۔ مگر وہابیہ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کس طرح گوارا ہو۔ انہوں نے صاف کہہ دیا کہ "(۱) حضور کو دیوار پیچھے کی بھی خبر نہیں مولوی عبدالرشید (۲) وہ اور تو اور، خود اپنے خاتمہ کا بھی حال نہ جانتے تھے (مولوی اسماعیل دہلوی (۳) ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ خدا کے بتائے سے بھی اگر بعض مغیبات کا علم ان کے لئے مانے جب بھی مشرک ہے (امام وہابیہ دہلوی) (۴) اس پر قہر یہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو دیوار پیچھے کی بھی خبر نہ مانیں اور ابلیس لعین کے لئے تمام زمین کا علم محیط حاصل جانیں (۵) اس پر عذر یہ کہ ابلیس کی وسعت علم نص سے ثابت ہے۔ فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے (۶) پھر ستم قہر یہ کہ جو کچھ ابلیس کے لئے خود ثابت مانا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کے ماننے پر جھٹ حکم شرک جڑ دیا۔ یعنی خدا کی خاص صفت ابلیس کے لئے تو ثابت ہے وہ تو خدا کا شریک ہے۔ مگر حضور کے لئے ثابت کرو تو مشرک ہو (مولوی عبدالرشید گنگوہی (۷) اس پر بعض غالی اور بڑھے اور صاف کہہ دیا کہ جیسا علم غیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے ایسا تو ہر پاگل ہر چوپائے کو ہوتا ہے (مولوی اشرف علی تھانوی) انا للہ وانا الیہ راجعون۔ واللہ المستعان علی ما تصفون اور لطف کی بات یہ ہے کہ جب انہیں یا ان کے متبعین کو وہ ناپاک عبارتیں دکھائی جاتی ہے کہ دیکھو

کیسوں کو امام و مقتدا مانتے ہو تو کاو اکاٹ کر اس سے بچتے اور علم کے خاص وغیر خاص ہونے کی بحث محض بے علاقہ لے دوڑتے ہیں کہ علم غیب کو آیات واحادیث نے خاص بخدا بتایا ہے فقہانے دوسروں کے لئے اس کے اثبات کو کفر کہا ہے۔

خیر عوام الناس ان سے کیوں الجھیں اور کیوں ان کی تلبیسات کا شکار بنیں۔ مسلمان تو یہ یاد رکھیں۔ کہ جو لوگ انبیاء بلکہ سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم سے مطلق علم غیب کی نفی کرتے ہیں وہ قرآن عظیم کی اس آیت کے مصداق ہیں اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ یعنی قرآن عظیم کی بعض آیتیں مانتے ہیں اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہیں کہ آیت نفی دیکھتے ہیں اور ان آیتوں سے جن میں انبیاء علیہم السلام کو علوم غیب عطا کیا جانا۔ بیان کیا گیا ہے انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ نفی واثبات دونوں حق ہیں۔ کہ نفی علم ذاتی کی ہے کہ یہ خاصۂ الوہیت ہے اور اثبات عطائی کا ہے کہ یہ انبیاء ہی کی شایان شان ہے اور الوہیت کے منافی ہے۔ علم عطائی کہ دوسرے کا دیا ہوا ہو یا ایسا علم کہ محیط نہ ہو یعنی بعض اشیاء پر مطلع اور بعض سے ناواقف ہو اللہ عزوجل کے لئے ہو ہی نہیں سکتا۔ اس سے مخصوص ہونا تو دوسرا درجہ ہے۔

اور یہ کہنا کہ ہر ذرہ کا علم نبی کے لئے مانا جائے تو خالق ومخلوق کی مساوات لازم آئے گی باطل محض ہے کہ مساوات تو جب لازم آئے کہ اللہ عزوجل کے لئے اتنا ہی علم ثابت کیا جائے اور یہ نہ کہے گا مگر کافر۔

بیشک ہم مانتے ہیں کہ علیم وخبیر جل جلالہٗ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تمام اولین وآخرین کا علم کا علم عطا فرمایا۔ شرق تا غرب، عرش تا فرش، سب انہیں دکھایا مَلَکُوْتُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا شاہد بنایا۔ روز اول سے روز آخر تک کا سب ماکان ومایکون (جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ آئندہ ہوگا) انہیں بتایا۔ اشیائے مذکورہ سے کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا۔ بلکہ یہ جو کچھ بیان ہوا، ہرگز ہرگز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا علم نہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وکرم۔ بلکہ علم حضور سے ایک چھوٹا حصہ ہے ہنوز احاطہ علم محمدی میں، وہ ہزار در ہزار، بے حد وبے کنار سمندر لہرا رہے ہیں جن کی حقیقت وہ جانے یا ان کا عطا کرنے والا مالک ومولیٰ جلّ وعلا۔

لیکن تمام اہلسنت وجماعت کا یہ اجماعی ایقانی قطعی عقیدہ ہے کہ بلا شبہہ غیر خدا کا علم، معلومات الٰہیہ کے مساوی نہیں ہو سکتا۔ معاذ اللہ مساوی درکنار، تمام اوّلین وآخرین وانبیاء ومرسلین وملائکہ مقربین سب کے علوم مل کر، علوم الٰہیہ سے وہ نسبت نہیں رکھ سکتے جو کروڑہا کروڑ سمندروں سے، ایک ذرا سی بوند کے کروڑویں حصے کو کہ وہ تمام سمندر اور یہ بوند کا کروڑواں حصہ دونوں متناہی ہیں اور متناہی کو متناہی سے کوئی نہ کوئی نسبت ضرور ہے۔ بخلاف علوم الٰہیہ کے غیر متناہی در غیر متناہی در غیر متناہی ہیں۔ اور مخلوق کے علوم اگرچہ عرش وفرش، شرق وغرب وجملہ کائنات از روز اوّل تا روز آخر، کو محیط ہو جائیں آخر متناہی ہیں کہ عرش وفرش دو حدیں ہیں۔ شرق وغرب دو حدیں ہیں۔ روز اوّل وروز آخر دو حدیں ہیں۔ اور جو کچھ دو حدوں کے اندر ہو سب متناہی ہے تو جملہ علوم خلق کو، علم الٰہی سے اصلا نسبت ہونی ہی محال ہے نہ کہ معاذ اللہ مساوات کا وہم۔

افسوس ان شرک پسندوں کو اتنا نہیں سوجھتا کہ علم الٰہی ذاتی ہے اور مخلوق کا علم عطائی۔ وہ واجب ہے یہ ممکن۔ وہ قدیم ہے یہ حادث، وہ نامخلوق ہے۔ اور یہ مخلوق۔ وہ نامقدور ہے اور یہ مقدور۔ اس کی بقا ضروری ہے اور اس کی فنا جائز۔ اس میں تغیر ممتنع ہے اور اس میں ممکن وہ لامتناہی ہے اور یہ کتنا ہی کثیر کیوں نہ ہو متناہی ان عظیم تفرقوں کے بعد احتمال شرک نہ ہو گا۔ مگر کسی مجنون کو۔ غرض موٹی سی بات یہ ہے کہ ذاتی وعطائی کا فرق بیان کرنے پر بھی مساوات کا الزام دینا صراحتاً ایمان و اسلام کے خلاف ہے کہ اس فرق کے ہوتے ہوئے مساوات کا الزام دینا صراحتاً ایمان اور اسلام کے خلاف ہے کہ اسکے ہوتے ہوئے مساوات ہو جایا کرے تو لازم کہ ممکن وواجب، وجود میں معاذ اللہ مساوی ہو جائیں کہ ممکن بھی موجود ہے اور واجب بھی موجود۔ اور وجود میں مساوی کہنا صریح کفر، کھلا شرک ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ

عقیدہ انبیائے کرام تمام مخلوق۔ یہاں تک کہ رسلِ ملائکہ (فرشتوں کے رسولوں) سے افضل ہیں۔ ولی کتنے ہی بڑے مرتبہ والا ہو کسی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ جو کسی غیر نبی کو کسی نبی سے افضل یا برابر بتائے کافر ہے۔

فائدہ: مولوی قاسم نانوتوی صاحب نے جو مشاہیر علمائے دیوبند میں شمار ہیں مولوی رشید احمد گنگوہی رح کے مرثیے میں لکھا کہ "عبید سود کا ان کے، لقب ہے یوسف ثانی" یعنی مولوی رشید احمد گنگوہی کے کالے کلوٹے حبشی غلام کا بھی وہ مقام ہے کہ اس کا لقب ہے یوسف ثانی۔ (دوسرا یوسف)

اور مسلمان خوب جانتے ہیں کہ دنیاوی معاملات میں، بنی نوع انسان میں، سب سے ذلیل تر غلام ہے وہ بھی کالا حبشی۔ آزاد شخص کیسا ہی پاجی سے پاجی ہو غلام ہونے کو اپنی توہین سمجھے گا، تو اس انتہا درجے کے پاجی پن کو اس مرثیہ گو نے کہاں جا کر ملایا۔ یہ نبی اللہ یوسف علیہ السلام کی توہین ہے اور کفر

عقیدہ نبی کی تعظیم، فرض عین ہے۔ ہر مرد عورت پر یکساں فرض۔ بلکہ اصل تمام فرائض ہے یعنی تمام فرائض شریعت کی اساس و بنیاد اور ہر فرض پر مقدم۔ کسی نبی کی ادنیٰ توہین یا تکذیب۔ ان کی جناب میں گستاخی یا ان کی طرف فحش اور بے حیائی کی باتیں، منسوب کرنا سب کفر ہے مثلاً معاذ اللہ، حضرت یوسف علیہ السلام کو زنا کی طرف نسبت کرنا۔

عقیدہ حضرت آدم علیہ السلام سے ہمارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تک، اور اللہ تعالیٰ نے بہت سے نبی بھیجے۔ بعض کا صریح ذکر قرآن مجید میں ہے اور بعض کا نہیں۔ جن کے اسمائے طیبہ بالتصریح قرآن مجید میں ہیں وہ یہ ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام	حضرت نوح علیہ السلام
حضرت ابراہیم علیہ السلام	حضرت اسمٰعیل علیہ السلام
حضرت اسحاق علیہ السلام	حضرت یعقوب علیہ السلام
حضرت یوسف علیہ السلام	حضرت موسیٰ علیہ السلام
حضرت ہارون علیہ السلام	حضرت شعیب علیہ السلام
حضرت لوط علیہ السلام	حضرت ہود علیہ السلام
حضرت داؤد علیہ السلام	حضرت سلیمان علیہ السلام
حضرت ایوب علیہ السلام	حضرت الیاس علیہ السلام

حضرت الیسع علیہ السلام | حضرت یحییٰ علیہ السلام
حضرت عیسیٰ علیہ السلام | حضرت یونس علیہ السلام
حضرت ادریس علیہ السلام | حضرت ذوالکفل علیہ السلام
حضرت صالح علیہ السلام | اور

حضرت سید المرسلین خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

عقیدہ انبیاء علیہم السلام کی کوئی تعداد مقرر کرنا جائز نہیں کہ خبریں اس باب میں مختلف ہیں اور تعداد معین پر ایمان رکھنے میں نبی کو نبوت سے خارج ماننے یا غیر نبی کو نبی جاننے کا احتمال ہے اور یہ دونوں باتیں کفر ہیں لہٰذا اجمالاً یہ اعتقاد ہونا چاہیئے کہ اللہ کے ہر نبی پر ہمارا ایمان ہے۔ خواہ وہ ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوں یا کم وبیش۔ غرض اللہ و رسول نے جنہیں تفصیلاً نبی بتایا اور قرآن وحدیث میں ان کا تذکرہ آیا ہم ان پر نام بنام ایمان لائے اور باقی تمام انبیاء پر ہم اجمالاً ایمان لائے ہیں کہ وَرُسُلِہٖ

تشریح خدا ورسول نے ہم پر یہ لازم نہیں کیا کہ ہر رسول کو ہم جانیں یا نہ جانیں تو خواہی نخواہی اندھے کی لاٹھی سے ٹٹولیں کہ شاید یہ ہو شاید یہ ہو۔ کاہے کے لئے ٹٹولنا اور کاہے کے لئے شاید۔ ہزاروں امتوں کا ہمیں نام ومقام تک معلوم نہیں۔ نہ قطعی طور پر انبیاء کی صحیح تعداد معلوم ہے کہ قرآن عظیم یا حدیث کریم میں مثلاً رام وکرشن کا ذکر تک نہیں جنہیں ہندو مانتے ہیں بلکہ ان کے وجود پر بھی ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں کہ یہ واقعی کچھ اشخاص تھے بھی یا محض ہندوؤں کے تراشیدہ خیالات ہیں۔

اور ہندوؤں کی کتابوں میں جہاں ان کا ذکر آتا ہے وہیں ان کے فسق وفجور، بداعمالیوں بداخلاقیوں اور بدچلنیوں کی داستانیں ملتی ہیں اور ان کی بدکرداریوں کا پتہ چلتا ہے۔ اب اگر ہندوؤں کی کتابیں درست مانی جائیں تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یہ رام وکرشن، فاسق وفاجر اور بدکردار بھی تھے اور جو ایسا ہو وہ ہرگز نبی نہیں ہو سکتا کہ انبیائے کرام معصوم ہوتے ہیں ان کی تربیت ونگرانی، اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے تو محال وناممکن ہے کہ ان سے یہ گناہ سرزد ہوں یا وہ جان بوجھ کر کبیرہ تو کبیرہ، گناہِ صغیرہ میں بھی ملوث ہوں۔

غرض یہ کہ سوائے ان نبیوں کے جن کے نام قرآن مجید اور حدیث شریف میں بصراحت مذکور ہیں کسی شخص کے متعلق تعین سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ نبی یا رسول تھے۔

عقیدہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بے ماں باپ کے، مٹی سے پیدا کیا اور اپنا خلیفہ بنایا اور تمام اسماء و مُسمّیات کا علم دیا۔ ملائکہ کو حکم دیا کہ ان کو سجدہ کریں۔ سب نے سجدہ کیا مگر شیطان بانکار پیش آیا اور ہمیشہ کے لئے مردود ہوا۔

فوائد شتی

(۱) حضرت آدم علیہ السلام دنیائے انسانی میں پہلے انسان اور کائنات بشری کے پہلے ابو البشر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو زمین سے ایک مشت خاک لی اس کو پانی میں خمیر کیا اور اسے ایسی مٹی میں گوندھا گیا جو نت نئی تبدیلیاں قبول کر لینے والی تھی۔ جب وہ گارا سیاہ ہو گیا اور اس میں بو پیدا ہوئی تو اس میں صورت انسانی بنائی پھر جب یہ مٹی پختہ ٹھیکری کی طرح آواز دینے اور کھنکھنانے لگی کہ جب ہوا اس میں جاتی اس میں آواز پیدا ہوتی اور آفتاب کی تمازتُ و تپش سے وہ پتلا پختہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس جسد خاکی میں روح پھونکی اور وہ یک بیک گوشت پوست، ہڈی۔ پٹھے کا زندہ انسان بن گیا اور ارادہ و شعور، حس و عقل اور وجدانی جذبات و کیفیات کا حامل نظر آنے لگا۔ تب فرشتوں کو حکم ہوا کہ تم اس کے سامنے سربسجود ہو جاؤ۔ فوراً تمام فرشتوں نے تعمیل ارشاد کی اور بطور اظہار عجز و نیاز و تسلیم و اطاعت سرنگوں ہو گئے۔

لیکن یہ حکم جب فرشتوں کو مل رہا تھا تو جنات وغیرہ جو ان سے پست و فروتر اور نسبتہً ادنیٰ مخلوق تھے وہ اس حکم کے مخاطب بدرجہ اولیٰ ٹھہرے۔ بلاتشبیہ بادشاہ کا حکم جب وزیر یا نائب السلطنت کو ملتا ہے تو ادنیٰ عہدیدار بدرجہ اولیٰ اس کے مخاطب ہوتے ہیں۔ عزازیل جس کا لقب بعد کو ابلیس پڑا فرشتہ نہ تھا از قسم جن تھا مگر بہت بڑا عابد زاہد تھا یہاں تک کہ گروہ ملائکہ میں اس کا شمار ہوتا تھا مگر جب اللہ تعالےٰ نے سجدہ کا حکم فرمایا تو اس وقت وہ اس مجلس میں موجود بھی تھا اور غیر معلوم مدت تک فرشتوں کے ساتھ تسبیح و تہلیل میں مشغول رہنے کی وجہ سے وہ بھی اس حکم کا مخاطب تھا اور وہ بھی خود کو مخاطب سمجھتا تھا۔ اسی لئے جب خدائے تعالیٰ نے

اس سے دریافت کیا کہ "تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا"، تو اس نے یہ جواب نہیں دیا کہ میں فرشتہ نہیں ہوں اس لئے اس حکم کا مخاطب ہی نہیں تھا کہ سجدہ کرتا، بلکہ ازراہ غرور کہا تو یہ کہا کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ اسی رد و انکار کے باعث جو محض اپنی برتری کے زعم اور پندار تفوق کی بنا پر تھا۔ اسے مردود مقہور بنا دیا گیا ابلیس لعین اپنی تمکنت اور گھمنڈ میں یہ سمجھنے سے قاصر رہا کہ مرتبہ کی بلندی و پستی اس مادہ کی بنا پر نہیں ہے جس سے کسی مخلوق کا خمیر تیار کیا گیا ہو بلکہ اس کی ان صفات پر ہے جو خالق کائنات نے ان کے اندر ودیعت کی ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام موجودات کا نمونہ اور عالم روحانی و جسمانی کا مجموعہ بنایا اور آپ پر تمام اشیاء و جملہ مسمیات پیش فرما کر آپ کو ان کے اسماء و صفات، و افعال و خواص، بلکہ کائنات کی وہ تمام اشیاء جو ماضی سے مستقبل تک وجود میں آنے والی تھیں، ان کی بنیاد و نہاد اور اصول و اساس، غرض تمام اشیاء کی جملہ جزئیات و تفصیلات کا علم دیا یا بالفاظ دیگر آپ کو ہر چیز کا نام اور اس کی پیدائش کی حکمت و حقیقت بتا دی اور کسی لغت کی کوئی چیز آپ سے پوشیدہ نہ رکھی۔ اور ملائکہ کے لئے حصول کمالات کا وسیلہ کیا اور فرشتوں کے لئے بھی اُن کی برتری اور استحقاق خلافت کے اقرار کے علاوہ چارۂ کار نہ رہا اور انہیں یہ ماننا پڑا کہ یہ منصب صرف انسان ہی کے لئے موزوں ہے کہ وہ زمین پر خدا کا خلیفہ بنے اور ان تمام حقائق و معارف اور علوم و فنون سے واقف ہو کر نیابت الٰہی کا صحیح حق ادا کرے اور جب فرشتوں نے آدم علیہ السلام کی وسعت علم اور اپنے عجز کا اعتراف کر لیا تو پروردگار عالم نے انہیں حکم دیا کہ حضرت آدم کو سجدہ کریں کیونکہ اس میں شکر گزاری اور حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت کے اعتراف اور اپنے مقولہ کی معذرت کی شان پائی جاتی ہے۔

(۳) سجدہ کے لغوی معنی ہیں فروتنی اور خضوع اور شریعت میں اس کے معنی ہیں پیشانی کا زمین پر رکھنا۔ یہ سجدہ دو طرح کا ہوتا ہے ایک سجدۂ عبادت جو بقصد پرستش کیا جاتا ہے اور سجدہ کرنے والا یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ جس کے سامنے میں سجدہ کر رہا ہوں وہ خدا ہے۔ دوسرا سجدہ تحیّت جس سے مسجود کی تعظیم مقصود ہوتی ہے نہ کہ عبادت۔ یعنی جس کے سامنے سجدہ کیا جا رہا ہے وہ اس کی عزت و احترام اور توقیر و تعظیم کے لئے ہے عبادت کے لئے نہیں۔

سجدۂ عبادت اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے کسی اور کے لئے نہیں ہو سکتا۔ نہ کسی شریعت میں کبھی جائز ہوا۔ یہاں جو مفسرین سجدۂ عبادت مراد لیتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ سجدہ خاص اللہ تعالیٰ کے لئے تھا اور حضرت آدم علیہ السلام قبلہ بنائے گئے تھے تو وہ مسجود الیہ تھے نہ کہ مسجود لہٗ مگر یہ قول ضعیف ہے کیونکہ اس سجدہ سے حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فضل و شرف ظاہر فرمانا مقصود تھا اور مسجود الیہ کا ساجد سے افضل ہونا کچھ ضرور نہیں جیسا کہ کعبہ معظمہ، حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ و مسجود الیہ ہے باوجودیکہ حضور اس سے افضل ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں سجدۂ عبادت نہ تھا سجدہ تحیت تھا اور خاص آدم علیہ السلام کے لئے تھا۔ زمین پر پیشانی رکھ کر تھا نہ کہ صرف جھکنا ہی۔ یہی قول صحیح ہے اور اسی پر جمہور ہیں۔

(۴) سجدۂ تحیت پہلی شریعتوں میں جائز تھا۔ ہماری شریعت میں منسوخ کیا گیا اب کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جب حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سجدہ کرنے کا ارادہ کیا تو حضور نے فرمایا کہ مخلوق کو نہ چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرے (مدارک)

(۵) ملائکہ میں سب سے پہلے سجدہ کرنے والے حضرت جبرئیل ہیں پھر میکائیل پھر اسرافیل پھر عزرائیل پھر اور ملائکہ مقربین۔

(۶) یہ سجدہ جمعہ کے روز وقت زوال سے عصر تک کیا گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ملائکہ مقربین سو برس اور ایک قول میں پانچ سو برس سجدہ میں رہے۔

عقیدہ:۔ انبیاء علیہم السلام کو ظالم کہنا اہانت و کفر ہے۔ جو کہے وہ کافر ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ مالک و مولیٰ ہے جو چاہے فرمائے اس میں ان کی عزت ہے دوسرے کی کیا مجال کہ خلاف ادب کوئی کلمہ زبان پر لائے اور خطاب حضرت حق کو اپنی جرأت کے لئے سند بنائے ہمیں تعظیم و توقیر اور ادب و طاعت کا حکم فرمایا۔ ہم پر یہی لازم ہے۔

عقیدہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے انسان کا وجود نہ تھا بلکہ سب انسان انہیں کی اولاد ہیں اسی وجہ سے انسان کو آدمی کہتے ہیں یعنی اولاد آدم۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کو ابو البشر کہتے ہیں یعنی سب انسانوں کے باپ۔

عقیدہ: حضرت آدم علیہ السلام، دنیائے انسانی کے باپ اور بشر ہیں اور نسلِ انسانی کی دنیاوی سعادت و فلاح کے رہنما اور ہادی۔ اسی طرح بلاشبہہ وہ سعادت اخروی اور اور فلاح آخرت کے پیغامبر تھے اور سب میں پہلے نبی۔ اور سب میں پہلے رسول جو کفار پر بھیجے گئے اور جدید شریعت انہیں دی گئی حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے ساڑھے نوسو برس ہدایت فرمائی۔ ان کے زمانے کے کفار بہت سخت تھے ہر قسم کی تکلیفیں پہنچاتے استہزاء کرتے اتنے عرصہ میں گنتی کے لوگ مسلمان ہوئے۔ باقیوں کو جب ملاحظہ فرمایا کہ ہرگز اصلاح پذیر نہیں ہٹ دھرمی اور کفر سے باز نہ آئیں گے۔ مجبور ہو کر اپنے رب کے حضور ان کے ہلاک کی دعا کی۔ اب آسمان کو حکم ہوا کہ پانی برسنا شروع ہوا اور زمین کے چشموں کو امر کیا گیا کہ وہ پوری طرح ابل پڑیں تاآنکہ طوفان آیا اور تمام منکرین و معاندین غرق آب ہو گئے اور خدائے تعالیٰ کے قانون "جزاءِ اعمال" کے مطابق اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے۔ ساری زمین ڈوب گئی صرف وہ گنتی کے مسلمان اور ہر جانور کا ایک ایک جوڑا جو کشتی میں لیا گیا تھا بچ رہا۔

عقیدہ: انبیاء علیہم السلام کے مراتب جداگانہ اور مرتبے مختلف ہیں اور ایسے اوصاف ہیں، جن سے انسان، دنیا میں مدح و ستائش کا مستحق ہو اور آخرت میں اجر سے سرفراز، بعض حضرات سے بعض افضل ہیں اور بعض کو بعض پر فضیلت ہے۔ اگرچہ نبوت میں کوئی تفرقہ نہیں۔ وصف نبوت میں سب شریک یکدگر ہیں مگر خصائص و کمالات میں درجے متفاوت ہیں۔ یہ تفضیل یا باہمی فضیلت و افضلیت جو کچھ ہے محض عند اللہ ہے۔ خالق کے یہاں قربت کے درجات و مراتب کے لحاظ سے ہے۔ خلق کے لئے بحیثیت مطاع و مقتدا و مخدوم سب یکساں ہیں اطاعت و تعظیم سب کی، عام مخلوق پر یکساں واجب ہے۔ ان کے مرتبوں کے تفاوت میں عوام الناس کو بحث و گفتگو جائز نہیں۔ ان کا تقابل (باہمی مقابلہ) عوام کے منصب سے باہر ہے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ کسی نبی کو دوسرے نبی پر یوں فضیلت نہ دو کہ اس سے دوسرے کی تحقیر لازم آئے۔

عقیدہ: انبیائے کرام میں فضائل و کمالات، مراتب و مقامات، معجزات و کرامات میں، سب سے افضل ذات پاک مصطفےٰ ہمارے آقا و مولیٰ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں حضور کے

بعد سب سے بڑا مرتبہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کا۔ ان حضرات کو مرسلین اولوالعزم کہتے ہیں اور یہ پانچوں حضرات، باقی تمام انبیاء و مرسلین، انس و فلک و جن، اور جمیع مخلوقات الٰہی سے افضل ہیں۔ اور جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں کے سردار اور سب سے افضل ہیں بلا تشبیہ حضور کے صدقہ میں حضور کی امت تمام امتوں سے افضل ہیں۔

عقیدہ تمام انبیائے کرام، اللہ عزوجل کے حضور، عظیم وجاہت و عزت والے ہیں ہر نبی کی شخصیت، منصب نبوت و رسالت میں بھی خاص امتیازی شان رکھتی ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک معاذ اللہ، چوڑے چمار کی مثل کہنا یا ذرہ ناچیز سے کم بتانا کھلی گستاخی اور کلمۂ کفر ہے۔

فائدہ:۔ امام الوہابیہ مولوی اسماعیل دہلوی، جسے وہابیہ نے شہید و ذبیح کا لقب دیا ہے اپنی ناپاک کتاب تقویت الایمان میں جابجا لکھا کہ جس نے اللہ کا حق، مخلوق کو دیا تو بڑے سے بڑے کا حق، ذلیل سے ذلیل کو دے دیا جیسے بادشاہ کا تاج، ایک چمار کے سر پر رکھ دیجئے اور یقین جانیئے کہ اسی میں جگہ جگہ صاف الفاظ میں بکا کہ "سب انبیاء اس کے روبرو ذرہ ناچیز سے کم تر ہیں"۔

مسلمانو! اس نابکار نے اللہ کو بڑے سے بڑا کہا اور تمام مخلوقات کو ذلیل سے ذلیل تو کم سے کم بیچ میں ایک اور چاہیئے جو اللہ سے چھوٹا اور مخلوقات سے بڑا ہو۔ اس سے ذلیل اور ان سے معزز ہو۔ اور یہ کفر ہے کہ ذات باری کے سوا ایک اور کو مانا کہ اللہ کا مخلوق نہیں، مخلوق سے بڑا ہے۔

پھر وہاں چمار سے بھی ذلیل کہا۔ یہاں ذرہ ناچیز سے بھی کم تر۔ یعنی چوہڑے چمار سے بھی بدتر کہ وہ پھر انسان ہیں اور انسان کو عزت بخشی گئی ہے وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ اور اپنی گالی کا پردہ یہ رکھا کہ ہم نے تو اللہ کی شان کے روبرو کہا ہے۔

مسلمانو! مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ ظالموں نے اللہ ہی کی شان کی قدر نہ کی۔ اللہ عزوجل ایک قوم کا حال بیان فرماتا ہے یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ اللہ اور اس کے رسولوں میں جدائی ڈالنا چاہتے ہیں۔ اور فرماتا ہے اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا۔ یہی حقیقی

کافر ہیں۔

مسلمانو! اللہ اور اس کے رسولوں میں یہ جدائی ڈالنا یہ ہے کہ ان کی عزت ان کی عظمت اللہ کی عزت وعظمت سے جدا ہے حَاشَ لِلّٰہِ ، انبیاء کی شان، اللہ ہی کی شان ہے انبیاء کی عزت اللہ ہی کی عزت ہے۔ انبیاء کی تعظیم اللہ ہی کی تعظیم ہے۔

دیکھو! ائمہ دین نے فرمایا ہے کہ غیر خدا کے لئے تواضع حرام ہے۔ پھر علماء وغیرہم معظمان دین کے لئے تواضع کا حکم دیا ہے، اگر ان کی عزت، اللہ کی عزت نہ ہوتی تو ان کے لیے تواضع حرام ہوتی۔ قال اللہ تعالیٰ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا۔ ساری عزت اللہ کے لئے ہے۔ اور فرماتا ہے۔ وَلِلّٰہِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کے لئے ہے۔

اگر ان کی عزت، عزت الٰہی سے جدا ہوتی تو عزت کے حصے ہو جاتے۔ ساری عزت اللہ کے لئے نہ ہوتی تو اس نے اللہ ہی کی شان کو چمار سے بدتر اور ذرہ ناچیز سے کمتر کہا۔ تو ساری علت وہی فرق ڈالنا ہے کہ اس نے انبیاء اولیاء کو خدا کے مقابل ایک مستقل ہستی سمجھا ہے۔ وہاں کہا اللہ کی شان کے آگے یہاں کہا اس کے روبرو اور روبرو ومقابل ہی کو کہتے ہیں۔ تو اس نے دو مستقل عزتیں رکھیں۔ ایک اللہ کی۔ دوسری انبیاء اولیاء کی اور ان کا باہم یوں موازنہ کیا اور باہم ناپ تول کرایا کہ اس کے مقابل یہ چمار اور ذرہ سے بھی بدتر اور کمتر ہیں۔ حالانکہ یہ اسی کے ظل ہیں اسی کی عزت ان میں تجلی فرما ہے پھر ناپ تول کیسی؟ اگر بلا تشبیہ آئینہ میں بادشاہ کے عکس کی، اس کے مقابل تذلیل کیجئے کہ یہ تو اس کے سامنے نہایت ہی ذلیل وناپاک، سوئر سے بھی بدتر ہے تو یہ بادشاہ کی توہین ہوگی کہ اس عکس میں، بادشاہ ہی کی خوبی جلوہ گر ہے۔ وہابیہ اسی لئے انبیاء اولیاء سے مدد مانگنا شرک بتاتے ہیں کہ وہ ان کے نزدیک خدا سے جدا ہستی ہیں جیسے مشرکوں کے بت۔ حالانکہ ان سے مدد مانگنا بعینہٖ خدا سے مانگنا ہے کہ وہ مظہر ہیں عون الٰہی اور مدد خداوندی کے۔ (الاستمداد)

عقیدہ: نبی کے دعویٔ نبوت میں سچے ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ نبی اپنے صدق کا علانیہ دعویٰ فرما کر محالاتِ عادیہ کے ظاہر کرنے کا ذمہ لیتا اور منکروں کو اس کے مثل کی طرف

بلاتا ہے۔ اللہ عزوجل اس کے دعویٰ کے مطابق امر محال عادی ظاہر فرما دیتا ہے اور منکرین سب عاجز رہتے ہیں۔ اسی کو معجزہ کہتے ہیں جیسے حضرت صالح علیہ السلام کا ناقہ جسے قرآن کریم نے نَاقَۃُ اللّٰہِ (خدا کی اونٹنی) فرمایا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا سانپ ہو جانا۔ کہ فرعونی جادوگروں نے جب اپنی رسیاں۔ بان اور لاٹھیاں زمین پر ڈالیں جو سانپ اور اژدہے کی شکل میں دوڑنے لگیں تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈالا اور اس نے اژدہا بن کر ساحروں کے تمام شعبدوں کو نگل لیا اور تھوڑی سی دیر میں تمام میدان صاف ہو گیا۔ یونہیں ید بیضا کہ آپ اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالتے تو وہ روشن چمکتا ہوا نظر آتا۔

یونہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بحکم خداوندی مردوں کو جلا دینا اور مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دینا اور پرندوں کی شکل کے کھلونے مٹی سے بنا کر ان میں پھونک مار کر سچ مچ کے پرندے بنا دینا اور پھر انہیں ہوا میں اڑا دینا۔ اور ہمارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے معجزے تو بہت ہیں

تشریح :۔ ناظرین یہ حقیقت کبھی ذہن سے فراموش نہ ہونے دیں کہ کافہ اہل اسلام کا یہ مسلمہ اعتقاد ہے کہ حضور ہی امام الانبیاء ہیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہی ان تمام صفات عالیہ کی جامع ہے جو فرداً اور انبیاء و مرسلین کی ذوات مقدسہ میں جلوہ گر ہیں۔ تو جس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات لاانتہاء و بے شمار ہیں یونہی آپ کے معجزات کہ صحیح روایات سے ثابت ہیں ان کا شمار بھی بہت ہے اور ہر ایک نبی کے معجزات سے ان کی تعداد بھی زیادہ ہے۔ اور کیفیت کے لحاظ سے بھی تمام انبیائے سابقین سے افضل ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت میں تمام انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی شان نظر آتی ہے اسلئے آپ کے معجزات میں وہ تمام معجزات آ جاتے ہیں جو ان برگزیدہ ہستیوں سے ان کے زمانہ میں ظاہر ہوئے۔

ڈوبے ہوئے سورج کو پلٹانا۔ اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کر دینا۔ انگلیوں سے پانی جاری ہونا۔ تھوڑے سے طعام کا کثیر جماعت کے لئے کافی ہو جانا۔ دودھ کی معمولی مقدار سے کثیر افراد کا سیراب ہونا۔ کنکریوں کا تسبیح پڑھنا۔ لکڑی کے ستون میں ایسی صفت پیدا ہو جانا جو خاص انسانی صفات سے ہے یعنی نہ صرف تھرتھرانا اور رونا بلکہ فراق محبوب

کا اس میں احساس پیدا ہونا۔ اور اس پر اس کا رونا۔ درختوں اور پتھروں کا آپ کو سلام کرنا درختوں کو بلانا اور ان کا آپ کے حکم پر چل کر آنا۔ درندوں اور موذی جانوروں کا آپ کا نام سن کر رام ہو جانا اور ہزاروں پیشگوئیوں کا آفتاب کی طرح صادق ہونا۔ وغیرہ وغیرہ ہزاروں معجزات ہیں جو نہ صرف آیات وصحیح احادیث سے ثابت ہیں بلکہ بہت سے غیر مسلم بھی اس کا اقرار کرتے ہیں اور ان کی کتابوں میں بھی ان کا ذکر پایا جاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے آپ کا یہ بھی ایک عظیم الشان معجزہ ہے کہ آپ نے دلوں کو بدل دیا۔ روحوں کو پاکیزہ بنا دیا اور جانی دشمنوں کو جاں نثار دوست بنا دیا۔ پھر ایک فرق اور بھی ہے پہلے انبیائے کرام کے معجزات جو حسی ومادی تھے وہ صرف ان کی مقدس ہستیوں تک محدود تھے اور ان معجزات کا ظہور ایک خاص وقت میں ہوتا تھا اور خود انہیں کے عہد مبارک میں اس معجزہ کا وجود ونمونہ پایا جاتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عصا کا اژدھا بن جانا۔ پھر اس کا اپنی پہلی حالت پر آجانا ایک ایسا نظارہ تھا جو کوہ طور کے بعد فرعون ہی کے دربار میں دیکھا گیا۔ یہی عصا بنی اسرائیل کے لئے بارہ چشموں کے جاری ہو جانے کا آلہ بنا۔ ضرورت جاتی رہی تو وہی عصا کا عصا رہ گیا۔ لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزہ قرآن کریم، زندہ معجزہ ہے۔ دائمی معجزہ ہے۔ ابدی معجزہ ہے۔ اس کا اعجاز ہر وقت ہر آن موجود ہے اور مشہود بھی۔ یہ معجزہ آج بھی ہر مسلمان کے ہاتھ میں ہے۔ حفاظ کے سینوں میں ہے اور بچہ بچہ کی زبان پر۔ جس کے مقابلہ میں دنیا کی ساری قوتیں جن وانسان عاجز ہے۔ عاجز ہیں اور تا قیامت عاجز رہیں گے۔ فصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ قدر جاھہ وجلالہ وحسنہ وجمالہ وبارک وسلم۔

عقیدہ :۔ جو شخص نبی نہ ہو، وہ نبوت کا دعوی کرکے، کوئی محال عادی، اپنے دعوی کے مطابق ظاہر نہیں کر سکتا۔ ورنہ سچے جھوٹے میں فرق نہ رہے گا۔

عقیدہ :۔ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں اسی طرح بحیات حقیقی زندہ زندہ ہیں جیسے دنیا میں تھے۔ کھاتے پیتے ہیں جہاں چاہیں آتے جاتے ہیں۔ تصدیق وعدہ الٰہی کے لئے دکر کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (ہر جان کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے) ایک آن کو ان پر موت طاری ہوئی پھر بدستور زندہ ہو گئے۔ ان کی حیات، حیاتِ شہداء سے بہت

ارفع واعلیٰ ہے۔ فلہٰذا شہید کا ترکہ تقسیم ہوگا۔ اس کی بی بی بعد عدت نکاح کر سکتی ہے بخلاف انبیاء کے کہ وہاں یہ جائز نہیں۔

تشریح:۔ موت صرف ایک مکان سے دوسرے مکان میں چلا جانا ہے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ موت کے یہ معنی نہیں کہ آدمی محض نیست و نابود ہو جائے بلکہ وہ تو یہی روح و بدن کے تعلق چھوٹنے اور ان میں حجاب و جدائی ہو جانے اور ایک طرح کی حالت بدلنے اور ایک گھر سے دوسرے گھر چلے جانے کا نام ہے۔ تعلق چھوٹنے کے یہ معنی کہ وہ علاقہ و تعلق جو عالم حیات میں، روح و بدن میں تھا جاتا رہا۔ اور اسی طرح حجاب و جدائی ہو جانے سے یہ مراد کہ ویسا اتصال تام جو پہلے تھا باقی نہیں ورنہ مذہب اہل سنت میں روح کو بعد موت بھی بدن سے ایک تعلق و اتصال باقی رہتا ہے یہاں تک کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک مردہ پہچانتا ہے اسے جو اس کو غسل دے اور جو اٹھائے اور جو کفن پہنائے اور جو قبر میں اتارے؟ بلکہ قبر کا حجاب اس کے لئے حجاب نہیں رہتا۔ قبر میں دفن ہو جانے کے بعد وہ آتے جانے والوں کے جوتوں کی پہچل اور ہاتھ جھاڑنے کی آواز سنتا اور انہیں پہچانتا ہے ان کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ غرض اس کے ادراکات و افعال جیسے دیکھنا، بولنا، سننا، سمجھنا، آنا، جانا، چلنا پھرنا، سب بدستور رہتے ہیں بلکہ اس کی قوتیں بعد مرگ اور صاف و تیز ہو جاتی ہیں کہ جس چیز پر مٹی وغیرہ کے حائل و حجاب ہیں وہ جسم خاکی ہے۔ نہ کہ روح پاک۔ اور دیکھنا سننا جاننا پہچاننا جس کے اوصاف ہیں وہ جان پاک ہے نہ کہ یہ تودۂ خاک۔

پھر یہ احوال تو عوام الناس کے ہیں۔ ان سے بڑھ کر خواص، اور ان میں بھی اولیائے کرام اور شہدائے عظام۔ جن کے متعلق قرآن کی تعلیم ہے کہ شہداء کی زندگی، صرف روحانی نہیں بلکہ روح و بدن دونوں سے ہے اگر آیت کریمہ بل احیاء ولکن لا تشعرون۔ میں حیات شہید سے صرف روحانی زندگی مراد ہوتی تو اس میں اس کی کیا خصوصیت تھی۔ یہ بات تو ہر مردے کو حاصل ہے اور تمام مسلمان جانتے ہیں کہ سب کی روحیں بعد موت زندہ رہتی ہے حالانکہ حیات شہداء کی نسبت آیت میں فرمایا کہ تمہیں خبر نہیں" اور حیات شہداء سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات طیبہ۔ حدیث شریف میں ہے

کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کیا ہے کہ وہ انبیائے کرام کے جسموں کو خراب کرے۔ تو اللہ کے نبی زندہ ہیں روزی دیئے جاتے ہیں۔ ان پر ایک آن کو محض قرآنی وعدہ کی تصدیق کے لئے موت طاری ہوتی ہے اس کے بعد پھر ان کو حقیقی دنیاوی زندگی عطا ہوتی ہے۔

فائدہ:۔ وہابیہ کی مت ایسی اندھی اوندھی ہے کہ ان کے پیشوا اسماعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان میں صاف لکھا کہ" فرمایا (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے) جو تو گزرے میری قبر پر، کیا سجدہ کرے یعنی میں بھی ایک دن مرکر مٹی میں ملنے والا ہوں۔"

یہ کفر بکا اور یعنی کہہ کر حضور پر اس کا افترا کیا۔

مسلمانو! مرکر مٹی میں ملنے کا مطلب یہی تو ہوتا ہے کہ جسم گل کر خاک ہوا اور خاک ہو کر خاک میں مل گیا کہ اس کے ذرے، دوسرے ذرات میں مخلوط ہو گئے اور کوئی امتیاز باقی نہ رہا۔ اور یہ صریح توہین وکلمۂ کفر ہے۔

اور لطف یہ کہ مولوی اسماعیل دہلوی کی حمایت میں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین درست کرنے کو مولوی رشید احمد گنگوہی نے اپنے فتاوی میں لکھا کہ "مٹی میں ملنے کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ مٹی ہو کر مٹی زمین کے ساتھ خلط ہو جاوے دوسرے مٹی سے متصل ہونا۔ یہاں مراد دوسرے معنی ہیں" الخ

مسلمانو! دیکھو جھوٹ گڑھا اور دانستہ گڑھا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین درست کرنے کو گڑھا۔ کہاں مٹی سے ملنا اور کہاں مٹی میں ملنا۔ ہر اردو خواں جانتا ہے کہ مٹی میں ملنا اسی کو کہتے ہیں کہ اجزا خاک میں ایسے مل جائیں کہ جدا کرنا دشوار ہو۔ مٹی سے متصل ہو جانے کو "مٹی میں ملنا" بتانا کیسی صریح بے ایمانی ہے۔ روپیہ زمین پر رکھئے تو کوئی نہ کہے گا کہ روپیہ مٹی میں مل گیا۔ اور چاندی کا برادہ خاک میں گر کر خلط ہو جائے اسے کہیں گے کہ چاندی مٹی میں مل گئی۔

گنگوہی صاحب جب زمین پر بیٹھتے ہوں گے تو اس وقت ان کے نیچے مٹی سے ان کا جسم مع پاجامہ ملا ہوتا تھا مگر کوئی نہ کہتا کہ گنگوہی صاحب مٹی میں مل گئے۔ نہ مرنے کے بعد چند روز تک یہ کہا جاتا۔ ہاں اب کہ ایک جگ بیت گیا اور ان کا بدن گل کر مٹی میں خلط ملط ہو گیا

اب کہا جائے گا کہ گنگوہی صاحب مٹی میں مل گئے۔ پھر مٹی سے ملنا اور مٹی میں ملنا، ان محاوروں میں سے اور میں میں فرق نہ کرنا مطلب کے لئے بھولا بن جانا ہے۔

وہابیہ کے یہاں یہ وقعت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کہ ان کی شان میں گالی کو کیسے کیسے چھل پیچ سے ٹھیک کیا جاتا ہے اور پھر دعویٰ ایمان باقی ہے سبحان اللہ یہ منہ اور یہ دعویٰ۔

مولائے کریم وہابیہ کے اغواء وتلبیس سے مسلمانوں کو اپنی پناہ میں رکھے آمین۔ بجاہ النبی الامی الامین علیہ اکرم الصلوٰۃ واکمل التسلیم

فائدہ عظیمہ

معجزے کی حقیقت

معجزہ: لغت میں عاجز کر دینے اور تھکا دینے والی چیز کو کہتے ہیں اور اسلامی اصطلاح میں معجزہ ایسے واقعہ کے ظہور کا نام ہے جو عام اور متعارف و معلوم سلسلۂ اسباب کے بغیر عالم وجود میں آجائے۔ اس کو عام بول چال میں خرق عادت بھی کہتے ہیں مگر معجزہ کی یہ تعبیر کہ وہ خارقِ عادت شے کا نام ہے غلط تعبیر ہے۔ اس لئے کہ ہر کام چھوٹا ہو یا بڑا، اس کا کرنے والا وہ خدا ہے جو ہر چیز پر قادر ہے جو چاہے جس وقت چاہے اور جیسے چاہے کر سکتا ہے۔ عادت اور خلاف عادت اس قادر مطلق کے لئے سب بالکل یکساں ہیں۔ ہاں اس نے اپنی حکمت کاملہ سے تمام کاموں اور تمام چیزوں کو کسی نہ کسی سبب سے متعلق کر دیا ہے ان میں سے بعض اسباب وہ ہیں جن کو ہم نے سمجھ لیا ہے اور جنہیں ہم عادت الٰہیہ سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ قدرت کے وہ قوانین ہیں جو باہم اسباب و مسبّبات کے سلسلہ میں جکڑے ہوئے ہیں۔ مثلاً آگ جلاتی ہے اور پانی خنکی پہنچاتا ہے۔ اور بعض اسباب ایسے ہیں جن کا سراغ لگانے سے ہماری عقل قاصر ہے۔ ایسے افعال کی ہم کوئی ظاہری توجیہہ نہیں کر سکتے۔ اسے ہم عادت خاص سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اور مطلب اس کا یہ ہے کہ اسباب و مسببات میں، علاقہ پیدا کرنے والا دست قدرت نے کسی خاص مقصد کے لئے، سبب اور مسبّب کے درمیانی رشتہ کو کسی شے سے الگ کر دیا۔ یا بغیر سبب کے مسبّب کو وجود بخش دیا۔ جیسا کہ جلنے کے اسباب موجود ہونے کے باوجود، کسی جسم کا آگ سے نہ جلنا۔ یا دو تین انسانوں کے قابل خوراک سے سو دو سو انسانوں کا شکم سیر ہو جانا اور اپنی اصل مقدار کی حد تک پھر باقی بچ جانا۔ یا مثلاً عام قاعدہ بندوں کے مشاہدہ میں یہ آیا ہے کہ ہمارے ان بلاد و امصار میں جون کے مہینے میں تیز گرمی اور دسمبر میں تیز سردی پڑتی ہے۔ اب اگر کسی پیمبر کی دعا سے جون میں برف جمنے اور دسمبر میں لو، چلنے لگتی تو اسے اس پیمبر کا معجزہ کہا جاتا اور دست قدرت کی عادت خاص، جس کا ظہور پیمبر

کی تائید غیبی اور نصرت الٰہی کے اظہار کے لئے کرایا گیا۔

۔ نیچر پرستوں یا معجزات کے منکروں کی پہلی غلطی یہ ہے کہ وہ بندوں کے مشاہدہ و تجربہ کو، خود قدرت کی طرف سے کسی مستقل قاعدہ یا قانون کا اعلان سمجھ بیٹھے اور دوسری غلطی یہ کہ قاعدوں اور عام قانون کو، قانون ساز قاعدہ گر کی مرضی و ارادہ سے بے نیاز، خود مستقل اور دوامی حقیقتیں سمجھ بیٹھے۔ پیغمبر کے سارے معجزات کی تہ میں، کارفرما، خالق کائنات ہی کا کوئی نہ کوئی قانون ہوتا ہے۔

مسلمانو! ایک ذرا گوش ہوش سے سنو کہ تمہیں تمہارے رب عزوجل نے ایک پاکیزہ یقینی قطعی قانون ایسا بتا دیا ہے جو کہیں نہیں ٹوٹتا اور نہ کبھی اس کے خلاف ہوتا ہے نہ کبھی اس میں تبدیلی ممکن ہے۔ اس قانون نے قدیم فلسفیوں جدید نیچریوں کی ناپاک گورنمنٹ کے قانونوں سے یکسر غنی کر دیا اور دربارۂ قدرت الٰہی عزَّ جلالہٗ جن سخت خلفشاروں میں ابلیس لعین نے ان مسخروں کو ڈالا ان سب سے دفعۃً نجات دے کر اپنے ظل حمایت میں لے لیا۔ تمام کائنات اول تا آخر ابد الآباد تک، اور نہ صرف کائنات بلکہ جملہ ممکنات، اسی ایک سچے حقیقی قانون سے وابستہ ہیں۔ جس پر ایمان لانے والے کو، نہ کسی مشکل کا سامنا، نہ کسی اعجوبہ سے گھبرا کر توجیہ تاویل تحویل تبدیل کا دامن تھامنا۔ والحمد للہ رب العٰلمین

ہاں جانتے ہو کہ وہ پاک مبارک قانون کیا ہے وہ یہ کہ یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ اللہ جو چاہے کرتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ بے شک اللہ جو چاہے حکم فرماتا ہے۔ وَرَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَیَخْتَارُ مَا کَانَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ۔ تیرا رب جو چاہے بناتا اور اختیار فرماتا ہے ان کا کچھ اختیار نہیں۔

اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں کہ یہ کیوں کیا۔ اور سب سے سوال ہوگا وَلَا یُشْرِکُ فِیْ حُکْمِہٖ اَحَدًا۔ وہ اپنے حکم میں کسی کو دخل نہیں دیتا ان اللہ علی کل شیٔ قدیر بے شک اللہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ تو وہ نہ کسی قانون کا پابند نہ کسی عادت کا محکوم۔ نہ کوئی ممکن اسے دشوار۔ نہ کسی شے کا اس پر وجوب و لزوم۔ اسی مقدس منور عقیدے کو اہلسنت نے اپنے متون عقائد میں ان دو لفظوں سے ادا کیا ہے کہ لایجب علیہ شیٔ۔ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں۔

نیچریوں نے اپنے معبود کے گلے میں، اپنے ساختہ نیچر کی رسی ڈالی اور سخت زنجیروں میں جکڑا کہ دم نہیں لے سکتا تعالیٰ اللہ عما یصفون۔ غرض اسباب و مسببات کے درمیانی رشتہ کے برخلاف، ظہور پذیر ہونے والی باتیں چونکہ عام نگاہوں میں قانون قدرت کے خلاف ہیں اس لئے جب اس طرح کی کوئی شے رونما ہوتی یا اس کے وجود پذیر ہو جانے کی اطلاع دی جاتی ہے تو یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ قدرت کے قانون یا عادت جاریہ کے خلاف ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ وہ قوانین فطرت کی پہلی قسم یعنی عام عادت کے خلاف ہے ہے مگر عادت خاص کے خلاف نہیں ہوتا اور وہ بھی قانون قدرت ہی کی ایک کڑی ہوتی ہے جو عام حالات سے الگ کسی خاص مقصد کے پورا کرنے کے لئے ظاہر کی جاتی ہے۔ اور اس جگہ وہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس طرح خدائے تعالیٰ اپنے سچے رسول اور پیغمبر کی صداقت و حقانیت کی تصدیق کرتا اور جھٹلانے والوں کو یہ باور کراتا ہے کہ اگر یہ مدعی نبوت اپنے دعویٰ میں صادق نہ ہوتا تو خدائے قادر کی تائید کبھی اس کے ساتھ نہ ہوتی۔ پس عام قانون قدرت سے جدا رسول و پیغمبر کا یہ عمل ظاہر کرتا ہے کہ درحقیقت یہ اس کا اپنا فعل نہیں ہے بلکہ یہ خدا کا فعل ہے جو عادت خاص کی صورت میں نبی کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوا تاکہ اس کی صداقت کی دلیل بن سکے اور منکرین پر یہ ظاہر ہو جائے کہ دعوئ نبوت کے ساتھ، نبی کا یہ عمل بلاشبہہ خدا کی دی ہوئی ایسی طاقت ہے جس کا مقابلہ انسانی طاقت سے بالاتر ہے اس لئے یہ جو کچھ کہتا ہے خدا کی جانب سے کہتا ہے تو اس کا اقرار کئے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔

اور جب حقیقت یہ ہے کہ معجزہ دراصل براہِ راست خدائے تعالیٰ کا فعل ہے جو بغیر اسباب ظاہرہ کے، ایک صادق کی صداقت کے لئے وجود میں آتا ہے تو ہر خاص و عام کے لئے یہ اعتقاد ضروری ہے کہ انبیاء و رسل سے جو معجزات، ثبوت اور دلالت کے اعتبار سے قطعی اور یقینی ثابت ہو چکے ہیں ان پر ایمان لائے اور ان کے وجود اور ان کی حقیقت کا اعتراف کرے۔ اس لئے کہ ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار، درحقیقت، اسلام سے انکار ہے

اور اس کے برخلاف قرآن کریم یا قطعی الدلالت احادیث سے ثابت شدہ معجزوں کو تسلیم کرنے سے انکار کرنا یا ان کی ایسی تاویلیں کرنا جن سے ان کی اصل حقیقت ہی

مسخ ہوجائے الحادوزندقہ کے سوا کچھ اور نہیں۔ مولائے کریم ایمان اور ایمان پر استقامت میں دوام عطا فرمائے۔آمین بجاہ النبی الامی الامین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

(۲) نبی سے جو بات خلاف عادت، قبل نبوت، ظاہر ہوا اس کو ارہاص کہتے ہیں اور ولی سے جو ایسی بات صادر ہو اس کو کرامت کہتے ہیں اور عام مومنین سے جو صادر ہو اُسے معونت کہتے ہیں۔ اور بے باک فُجّار یا کفار سے جو ان کے موافق ظاہر ہو اس کو استدراج کہتے ہیں اور ان کے خلاف ظاہر ہو تو اہانت ہے۔

خصائص مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
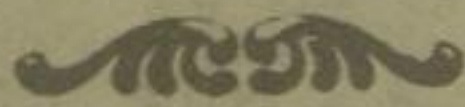
یہاں تک جو عقائد بیان ہوئے ان میں تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام شریک ہیں۔ اب بعض وہ امور بیان کئے جاتے ہیں جو

محمد رسول اللہ الصادق الوعد الامین

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہ وبارک وسلّم وشرّف وکرّم

کے خصائص میں ہیں

اجمالاً اتنا ہمیشہ ہمیش کے لئے نقش کالحجر کی طرح ذہن نشین کرلیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل نامقصور، اور خصائص، نامحصور ہیں کہ حقیقۃً ہر کمال ہر فضل ہر خوبی میں عموماً اطلاقاً انہیں تمام انبیاء ومرسلین وخلق اللہ اجمعین پر تفضیل تام وعام ومطلق ہے کہ جو کسی کو ملا وہ سب انہیں سے ملا اور جو انہیں ملا وہ کسی کو نہ ملا

ع آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

بلکہ انصافاً جو کسی کو ملا آخر کس سے ملا؟ کس کے ہاتھ سے ملا؟ کس کے طفیل میں ملا؟ کس کے پرتو سے ملا؟ اسی اصل ہر فضل ومنبع ہر جود وسِرّ ایجاد وتخم وجود سے ملا بلکہ کمال اس لئے کمال ہوا کہ وہ حضور کی صفت ہے اور حضور کا کمال کسی وصف سے نہیں بلکہ اس وصف کا کمال ہے کہ کامل کی صفت بن کر خود کمال وکامل ومکمل ہوگیا کہ جس میں پایا جائے اس کو کامل بنادے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم۔

تو جس طرح مسلمان پر، اللہ تبارک وتعالیٰ کو احد صمد وحدہ لاشریک لہٗ جاننا فرض اوّل ومدار ایمان ہے یوہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جمیع مخلوقات یہاں تک کہ ملائکہ مقربین وانبیاء مرسلین سے افضل جاننا کہ حضور اپنے رب کے کرم سے اپنے نفس ذات میں کامل واکمل اور اپنے تمام صفات کمالیہ میں تمام عالم سے منفرد وبے مثال ہیں، فرض اجل وجزءِ ایقان ہے۔

خلاصۂ اعتقاد شانِ رسالت میں یہ ہے کہ مرتبۂ وجود میں صرف اللہ عزّ وجل ہے باقی سب ظلال۔ اور مرتبہ ایجاد میں صرف حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں باقی سب عکس و پرتو۔

یک چراغیست درین خانہ کہ از پرتوِ آں
ہر کجا می نگری، انجمنے ساختہ اند

توحیدیں دو ہیں ایک توحید الٰہی کہ اللہ ایک ہے کسی بات میں اس کا کوئی شریک نہیں نہ ذات میں نہ صفات میں۔ نہ افعال میں نہ احکام میں۔ اور دوسری توحید رسول کہ حضور اپنے جمیع صفات کمالیہ میں بے مثل و ممتنع النظیر ہیں۔ محال ہے کہ کوئی حضور کا مثل ہو۔ قصیدۂ بردہ شریف میں فرمایا۔

مُنَزَّہٌ عَنْ شَرِیْكٍ فِیْ مَحَاسِنِہٖ
فَجَوْھَرُ الْحُسْنِ فِیْہِ غَیْرُ مُنْقَسِمٖ

خلاصۂ ایمان، باب رسالت میں یہ ہے جو محقق دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

مگو او را خدا، از بہر حفظ شرع و پاس دیں
دگر ہر وصف کش می خواہی، اندر مدحش اِملا کن

اور ان سے پہلے حضرت امام بوصیری قدس اللہ سرّہ الشریف فرما گئے ؎

دَعْ مَا ادَّعَتْہُ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّھِمٖ
وَاحْکُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِیْہِ وَاحْتَکِمٖ
فَانْسُبْ اِلٰی ذَاتِہٖ مَا شِئْتَ مِنْ شَرَفٍ
وَانْسُبْ اِلٰی قَدْرِہٖ مَا شِئْتَ مِنْ عِظَمٖ
فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ لَیْسَ لَہٗ حَدٌّ
فَیُعْرِبُ عَنْہُ نَاطِقٌ بِفَمٖ

اتنی بات تو چھوڑ دے جو نصرانیوں نے اپنے نبی کے بارے میں ادّعا کیا (یعنی خدا اور خدا کا بیٹا) اسے چھوڑ کر باقی حضور کی مدح میں جو کچھ تیرے جی میں آئے کہہ اور مضبوطی سے حکم

لگا۔ تو ان کی ذات پاک کی طرف جتنا شرف چاہے منسوب کر اور ان کے مرتبۂ کریمہ کی طرف جتنی عظمت چاہے ثابت کر۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل کی کوئی انتہا ہی نہیں کہ بیان کرنے والا کیسا ہی گویا ہو اسے بیان کر سکے۔

بفرض محال اگر عالم ناسوت میں کوئی صورت الوہیت فرض کی جاتی تو وہ نہ ہوتی مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

الوہیت ہی وہ کمال ہے جو زیر قدرت ربانی نہیں۔ باقی تمام کمالات تحت قدرت الٰہی ہیں۔ تو الوہیت کے نیچے جتنے فضائل، جس قدر کمالات، جتنی نعمتیں، جس قدر برکات ہیں، مولیٰ عزوجل نے سب اعلیٰ وجہ کمال پر حضور کو عطا فرمائیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ع ہر نعمتیکہ داشت خدا شد برو تمام

حضور پرنور سید عالم، عالم اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا افضل المرسلین و سید الاوّلین والآخرین ہونا، قطعی ایمانی یقینی اذعانی اجماعی مسئلہ ہے جس میں خلاف نہ کرے گا مگر گمراہ بددین۔ بندہ شیاطین۔ والعیاذ باللہ رب العلمین کلمہ پڑھ کر اس میں شک عجیب ہے۔ آج نہ کھلا تو کل قریب ہے۔ جس دن تمام مخلوق کو جمع فرمائیں گے۔ سارے مجمع کا دولہا، حضور کو بنائیں گے۔ انبیائے جلیل تا حضرت خلیل، سب حضور ہی کے نیازمند ہوں گے۔ موافق و مخالف کی حاجتوں کے ہاتھ انہیں کی جانب بلند ہوں گے انہیں کا کلمہ پڑھا جاتا ہوگا۔ انہیں کی حمد کا ڈنکا بجتا ہوگا۔ جو آج بیاں ہے کل عیاں ہے۔ اس دن جو مومن و مقربین ہیں، نوربار عشرتوں سے شادیاں رچائیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا — اور جو مبطل و منکرین ہیں دلفگار حسرتوں سے ہاتھ چبائیں گے۔ یٰلَیْتَنَاۤ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَ ۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ وَلَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۔

ے
ایکہ در ذات خویش منفردی
بصفات کمال متحدی
بس فرو ماندہ ام بچاہ بدی
یا حبیب الاله خُذ بیدی
مالعجزی سواک مُستَنَدِی

صَلَّی اللّٰہ علی النّبی الاُمّی و آلہٖ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم صلوٰۃً و
سلامًا علیک یا رسُول اللّٰہ

اسمِ پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کسی مسمّٰی کے لئے نام کی ضرورت، عموماً اس لئے پیش آتی ہے کہ دوسری چیزوں سے اسے امتیاز حاصل رہے۔ ولہٰذا یہ ضروری نہیں کہ اس کے نام اور اوصاف میں باہمی کوئی نہ کوئی مناسبت ملحوظ ہی رہے۔

ع بر عکس نہند، نام زنگی، کافور

ہاں شاذو نادر اتفاقی حیثیت سے ایسا تناسب مل بھی جاتا ہے اور ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ کسی انسان کا وہ نام تجویز کیا گیا ہو جو اپنے مُسمّٰی کے صفات و خواص و حالات اور اس کی تمام زندگی کا آئینہ ہو اور اس کے شعبہ ہائے حیات کی تفصیل ہو۔ انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کے اسمائے گرامی ہی کو لیجئے۔ ان میں سے کسی کا نام بھی ایسا نہیں پایا جاتا کہ وہ نام ہی اپنے مسمّٰی کے کمالات نبوت کا شاہد عدل ہو۔ مثلاً۔

آدم: کے معنی ہیں گندم گوں۔ ابوالبشر کا یہ نام ان کے جسمانی رنگ کو ظاہر کرتا ہے

نوح: کے معنی ہیں آرام۔ باپ نے ان کو آرام و راحت کا موجب قرار دیا۔

اسحٰق: کے معنی ضاحک یعنی ہنسنے والا ہے۔ ہشاش و بشاش چہرہ والے تھے۔

یعقوب: پیچھے آنے والا۔ یہ اپنے بھائی عیسو کے ساتھ توام پیدا ہوئے تھے۔

موسیٰ: پانی سے نکالا ہوا۔ جب ان کا صندوق پانی سے نکالا گیا تب یہ نام رکھا گیا۔

یحییٰ: عمر دراز۔ بوڑھے ماں باپ کی بہترین آرزوؤں کا ترجمان ہے۔

عیسٰی: سرخ رنگ۔ چہرۂ گلگوں کی وجہ سے یہ نام تجویز ہوا۔

مذکورہ بالا اسماء کو دیکھئے اور ان کے معانی پر غور کیجئے کہ وہ کسی طرح ان حضرات علیہ کی عظمت روحانی اور شان نبوت کی طرف، اشارہ بھی نہیں کرتے۔

مگر اسم پاک محمد کی شان خاص ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ نام نامی آپ کے دادا عبد المطلب نے رکھا گیا۔ رِجَاءً اَنْ یُّحْمَدَ اس امید و توقع پر کہ مستقبل میں یہ مولود سعید مجموعۂ محامد اور مرجع خلائق بنے۔ یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ نام عام طور سے عرب میں شائع نہ تھا بلکہ اس کا رواج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل بہت کم تھا۔ بعض مورخین نے کل سات آدمی اس نام کے گنائے ہیں۔ اس حالت کو تسلیم کرتے ہوئے دیکھا جائے تو اتفاقی طور سے۔ "نام مبارک" کا حضرت عبد المطلب کے ذہن میں آنا عین منشا خداوندی کے مطابق ہوتا ہے کہ جب اس نام کا محل کامل، دنیا کو اپنے وجود گرامی سے مشرف فرما چکا تو پھر اسم بھی فطری طور سے نام رکھنے والے کے ذہن میں وارد ہوا۔ اور اس خاص نام کے رکھنے کے متعلق کہنا چاہیئے کہ انہیں ایک غیبی تحریک ہوئی۔ اب غور کیا جائے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ اور سیرت طیبہ کا خلاصہ، اس کے سوا کچھ اور نہیں کہ علم و عمل، ظاہر و باطن، خلق و خلق، ہر حیثیت سے آپ مجموعۂ حسنات ہیں۔

ع اے کہ مجموعہ خوبی، بچہ نامت خوانم

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذاتی نام محمد بھی ہے اور احمد بھی۔ مُحَمَّدٌ۔ حَمَّدَ کے صیغہ سے مبالغہ کے لئے ہے یعنی وہ جس کی بار بار مدح و تعریف کی جائے۔ جس کی تعریف کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہو، تعریف کے بعد تعریف، اور توصیف کے بعد توصیف ہوتی رہے۔" اور بلا شک و شبہ ہم کہتے ہیں کہ زمانہ جوں جوں بڑھتا جاتا ہے اور انسان اپنی سعی و کوشش کے مطابق جس درجہ ترقی کرتا جاتا ہے، محض اعتقاداً اور عقیدۃً نہیں بلکہ واقعۃً حضور اقدس سرور عالم، عالم اَعْلَمَ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات سے پردہ اٹھتا جاتا ہے اور کائناتِ انسانی روز بروز حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہوتی جارہی ہے تاآنکہ تمام دنیا میں ایک دین ہو گا دین اسلام اور یہ دنیا کا صرف واحد معجزہ ہے کہ نام نامی اسم گرامی چودہ سو سال پہلے سے اس آنے والی حالت کا پتہ دے رہا ہے۔ مستقبل میں دنیا کی عمر جس قدر دراز ہوگی اسے کمالات نبوت محمدیہ کا اعتراف ناگزیر ہوگا۔ اس حیثیت سے نام مبارک کا ترجمہ یہ ہوا کہ وہ ذات جس کے محامد و محاسن اور اوصاف جلیلہ و صفات جمیلہ کا سلسلہ روز افزوں ہو۔

ھاں ھاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی محمد ہیں ملائکہ مقربین میں بھی محمد ہیں۔ انبیاء و مرسلین میں بھی محمد ہیں۔ آسمان والوں میں بھی محمد ہیں۔ زمین والوں میں بھی محمد ہیں۔

ہاں حضور ہی مقام محمود والے ہیں۔ اور لِوَاءُ الحمد حضور ہی کے عَلَمِ شاہی کا نام ہے اور حضور کی امت کا نام بھی انہیں مناسبات سے حَمَّادُون ہے۔

تو محمد وہ ہیں جن کی مدح و نعت، جملہ اہل الارض والسماء، تمام ساکنان زمین و آسمان نے سب سے بڑھ کر کی ہو اور احمد وہ ہیں۔ جنہوں نے رب السّمٰوات والارض کی حمد و ثنا جملہ اہل السّمٰوات والارض سے بڑھ کر کی ہو۔

وَشَقَّ لَهٗ مِنْ اِسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ

فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّهٰذَا مُحَمَّدٌ

یہ وہ خصوصیت ہے جس سے دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اسمائے مبارکہ ساکت و خاموش ہیں۔

پاک ہے وہ اللہ جس نے اپنے نبی کریم حبیب رؤف و رحیم کا ایسا مبارک نام رکھا اور پاکیزہ ہے وہ نبی جسے اس کے معبود نے ایسی فضیلتوں سے آراستہ کیا۔

(منتخب و ماخوذ)

اب ذرا چشم حق بین سے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مراعاتِ الٰہیہ کے الطاف خفیہ دیکھئے:۔

(۱) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد ماجد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام پاک ہے عبداللہ کہ افضل اسمائے اُمت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "تمہارے ناموں سے سب سے زیادہ پیارے نام اللہ تعالیٰ کو عبداللہ و عبدالرحمٰن ہیں۔

(۲) والدہ ماجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اسم مبارک آمنہ ہے کہ امن و امان سے مشتق اور ایمان سے ہم اشتقاق ہے۔

(۳) جدامجد حضرت عبدالمطلب شَیْبَۃُ الحمد کہ اس پاک ستودہ مصدر سے، الطیب و اطہر مُشتق

محمد و احمد و حامد و محمود صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیدا ہونے کا اشارہ تھا۔

(۴) جدہ ماجدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ۔ اس نام پاک کی خوبی اظہر من الشمس ہے۔

(۵) حضور کے جدّ مادری یعنی نانا وہب۔ جس کے معنی عطار و بخشش۔

(۶) ان کا قبیلہ بنی زہرا۔ جس کا حاصل چمک و تابش۔

(۷) جدہ مادری یعنی نانی صاحبہ بَرّہ یعنی نکوکار۔ کما ذکرہ ابن ہشام فی سیرتہ۔

بھلا یہ تو خاص اصول ہیں۔ دودھ پلانے والیوں کو دیکھئے:۔

(۱) پہلی مرضعہ ثُوَیبَہ۔ کہ ثواب سے ہم اشتقاق اور اس فضل الٰہی سے پوری بہرہ ور۔

(۲) حضرت حلیمہ بنت عبد اللہ بن حارث۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشج عبد القیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تجھ میں دو خصلتیں ہیں خدا اور رسول کو پیاری۔ اَلْحِلْمُ وَ الْاِنَاءَۃُ درنگ وبردباری (اور حلم سے حلیمہ مشتق)

(۳) ان کا قبیلہ بنی سعد۔ کہ سعادت و نیک طالعی ہے۔ (یہ حضرت حلیمہ) شرف اسلام و صحابیت سے مشرف ہوئیں۔

(۴) ان (حضرت حلیمہ) کے شوہر، جن کا شیر، حضور نے نوش فرمایا۔ حارث سعدی یہ بھی شرف اسلام و صحبت سے مشرف ہوئے۔ حدیث میں ہے، سب ناموں میں زیادہ سچے نام حارث وہمام ہیں۔

(۵) حضور کے رضاعی بھائی جو پستاں شریک تھے جن کے لئے حضور سید العادلین صلی اللہ علیہ وسلم پستان چپ چھوڑ دیتے۔ عبد اللہ سعدی۔ یہ بھی مشرف باسلام و صحبت ہوئے۔

(۶) حضور کی رضاعی بڑی بہن کہ حضور کو گود میں کھلاتیں سینے پر لٹا کر، دعائیہ اشعار عرض کرتیں سلاتیں اسی لئے وہ بھی ماں کہلاتیں شیما سعدیہ یعنی نشانی والی علامت والی۔ جو دور سے چمکے۔ یہ بھی مشرف باسلام و صحابیت ہوئیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

(۷) حضرت حلیمہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو گود میں لئے راہ میں جاتی تھیں۔ تین نوجوان کنواری لڑکیوں نے، وہ خدا بھاتی صورت دیکھی۔ جوش محبت سے اپنی پستانیں ذہن اقدس میں رکھیں۔ تینوں کے دودھ اتر آیا۔ تینوں پاکیزہ بیبیوں کا نام عاتکہ تھا۔ عاتکہ کے معنی زنِ

شریفہ رئیسہ کریمہ سراپا عطر آلودہ۔

(۸) تینوں بنی سلیم سے تھیں کہ سلامت سے مشتق اور اسلام سے ہم اشتقاق ہے۔ امام ابوبکر ابن العربی فرماتے ہیں۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنی بیبیوں نے دودھ پلایا سب اسلام لائیں۔ بھلا یہ تو دودھ پلانا تھا کہ اس میں بھی جزئیت ہے اور دیکھئے۔

(۱) مرضعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک برکت اور ام ایمن کنیت۔ کہ یہ بھی یمن وبرکت، وراستی وقوت۔ یہ اجلّہ صحابیات سے ہوئیں رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرماتے "تم میری ماں کے بعد میری ماں ہو۔ راہ ہجرت میں انہیں پیاس لگی۔ آسمان سے نورانی رسی میں ایک ڈول اترا۔ پی کر سیراب ہوئیں۔ پھر کبھی پیاس نہ معلوم ہوئی سخت گرمی میں روزے رکھتیں اور پیاس نہ ہوتی۔

(۲) پیدا ہوتے وقت جنہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاتھوں پر لیا ان کا نام پاک تو دیکھئے۔ شفاء۔ یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ماجدہ وصحابیہ جلیلہ ہیں۔

(۳) اور ایک بی بی کہ وقت ولادت اقدس حاضر تھیں۔ فاطمہ بنت عبداللہ ثَقَفِیَّہ یہ بھی صحابیہ ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

اے چشم انصاف! کیا ہر تعلق، ہر علاقہ میں ان پاک مبارک ناموں کا اجتماع محض بطور جزاف (و اتفاق) تھا۔ کلا واللہ۔ بلکہ عنایت ازلی ہے جان جان کر یہ نام رکھے۔ دیکھ دیکھ کر یہ لوگ چنے۔ پھر محل غور ہے جو اس نور پاک کو، برے نام والوں سے بچائے وہ اسے (اس کے نور پاک کو) برُے کام والوں میں رکھے گا۔ اور برا کام بھی کون سا۔ معاذ اللہ شرک وکفر۔ حاشا ثم حاشا۔ اللہ اللہ دائیاں مسلمان، کھلائیاں مسلمان۔ مگر خاص جن مبارک پیٹوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پاؤں پھیلائے، جن طیّب مطیّب خونوں سے اس نورانی جسم میں ٹکڑے آئے وہ معاذ اللہ چنین وچناں۔ حاش للہ کیونکر گوارا ہو۔

ع مایندۂ عشقیم دگر ہیچ ندانیم

تو ضرور ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ابوین کریمین والد ماجد و

والدہ ماجدہ) اور آبائے کرام طاہرین اور اُمہات کرائم طاہرات۔ سب اہل ایمان و توحید ہوں۔ یہی اعاظم علمائے نامدار کا مذہب مختار ہے۔ (شمول الاسلام ملخصًا)

محمد و احمد ناموں کے فضائل میں چند احادیث

(۱) جس کے لڑکا پیدا ہو اور وہ میری محبت، اور میرے نام پاک سے تبرک کے لیئے اس کا نام محمد رکھے تو وہ اور اس کا لڑکا دونوں بہشت میں جائیں گے۔

(۲) رب عزوجل نے مجھ سے فرمایا مجھے اپنے عزت و جلال کی قسم، جس کا نام تمہارے نام پر ہوگا اسے دوزخ کا عذاب نہ دوں گا۔

(۳) روز قیامت دو شخص حضرت عزت کے حضور کھڑے کئے جائیں گے۔ حکم ہوگا۔ انہیں جنت میں لے جاؤ۔ عرض کریں گے الٰہی ہم کس عمل پر جنت کے قابل ہوئے۔ ہم نے تو کوئی کام جنت کا نہ کیا۔ رب عزوجل فرمائے گا جنت میں جاؤ کہ میں نے حلف فرمایا ہے کہ جس کا نام احمد یا محمد ہو دوزخ میں نہ جائے گا (یعنی جبکہ مومن ہو اور مومن عرف قرآن و حدیث و صحابہ میں اسی کو کہتے ہیں جو سنی صحیح العقیدہ ہو۔ ورنہ بدمذہبوں کے لئے تو حدیثیں یہ ارشاد فرمائی ہیں کہ وہ جہنم کے کتے ہیں ان کا کوئی عمل مقبول نہیں۔ تو محمد بن عبدالوہاب نجدی وغیرہ گمراہوں کے لئے ان حدیثوں میں اصلا بشارت نہیں)

(۴) جس دستر خوان پر بیٹھ کر لوگ کھانا کھائیں اور ان میں کوئی محمد نام کا ہو وہ لوگ ہر روز دوبار، مقدس کئے جائیں۔ حاصل یہ کہ جس گھر میں ان پاک ناموں کا کوئی شخص ہو، دن میں دوبار اس مکان میں رحمت الٰہی کا نزول ہو۔

(۵) جب کوئی قوم مشورے کے لئے جمع ہو اور ان میں کوئی شخص محمد نام ہو اور اسے اپنے مشورہ میں شریک نہ کریں ان کے لئے اس مشورہ میں برکت نہ رکھی جائے۔

(۶) جس کے تین بیٹے ہوں اور وہ ان میں کسی کا نام محمد نہ رکھے ضرور جاہل ہے۔

(۷) جب لڑکے کا نام محمد رکھو تو اس کی عزت کرو اور مجلس میں اس کے لئے جگہ کشادہ کرو اور اسے برائی کی طرف نسبت نہ کرو اس پر برائی کی دعا نہ کرو۔ (احکام شریعت ۱)

خصائص النبی صلی اللہ علیہ وسلم

عقیدہ :۔ اور انبیاء کی بعثت خاص کسی ایک قوم کی طرف ہوئی، نبی جس بستی کیطرف مبعوث ہوتا اس کے آگے تجاوز نہ کرتا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق، انسان و جن بلکہ ملائکہ، حیوانات جمادات، سب کی طرف مبعوث ہوئے۔ جس طرح انسان کے ذمہ حضور کی اطاعت فرض ہے یوہیں ہر مخلوق پر حضور کی فرماں برداری ضروری۔

تشریح :۔ علماء کرام فرماتے ہیں، رسالت والا کا تمام جن و انس کو شامل ہونا اجماعی ہے اور محققین کے نزدیک ملائکہ کو بھی شامل۔ بلکہ تحقیق یہ ہے کہ حجر و شجر، ارض و سما (زمین و آسمان) جبال و بحار (پہاڑ اور سمندر) تمام ماسوی اللہ، آپ کی رسالت کے احاطہ عامہ و دائرہ تامہ میں داخل ہے مسلم شریف کی حدیث شریف کہ اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّۃً (میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا) ہیں لفظ خلق اور وہ بھی کلمہ کافّہ سے مؤکد اور خود قرآن عظیم میں لفظ عالمین اس مطلب پر بہتر دلیل ہے اور طبرانی میں مروی ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "کوئی چیز نہیں جو مجھے رسول اللہ نہ جانتی ہو مگر بے ایمان جن و آدمی"۔ غرض انبیائے سابقین علیہم السلام ایک ایک شہر کے ناظم تھے اور حضور پر نور سید المرسلین صلوٰتُ اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین سلطان ہفت کشور بلکہ بادشاہ زمین و آسمان ہیں۔ اُن کی رسالت نے انس و جن و شرق و غرب کو گھیر لیا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اصل الاصول ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسولوں کے رسول ہیں۔ اور سب انبیاء کے نبی۔ اُمتیوں کو جو نسبت انبیاء و رسل سے ہے وہ نسبت انبیاء و رسل کو اس سید الکل سے ہے۔ تمام انبیاء و مرسلین اور ان کی اُمتیں سب حضور کے امتی۔ اُمتیوں پر فرض کرتے ہیں رسولوں پر ایمان لاؤ اور رسولوں سے عہد و پیمان لیتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے گرویدگی فرماؤ۔ غرض صاف صاف جتا رہے ہیں کہ مقصود اصلی ایک وہی ہیں باقی تم سب تابع و طفیلی۔

ع   مقصود ذات اوست دگر جملگی طفیل

عقیدہ : حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ملائکہ و انس و جن و حور و غلمان و

حیوانات وجمادات، غرض تمام عالم کے لئے رحمت ہیں اور مسلمانوں پر تو نہایت ہی مہربان۔

تشریح: رحمت کے معنی ہیں۔ پیار۔ ترس۔ ہمدردی۔ غم گساری۔ محبت اور خبر گیری کے۔ اور لفظ عالم کا استعمال ساری مخلوق کے لئے ہوتا ہے۔ عالم دو ہیں۔ عالم امر و عالم خلق الالہ الخلق والامر تبارک اللہ رب العلمین۔ عالم امر وہ جو صرف امر کن سے بنا۔ اس کے لئے کوئی مادہ نہیں جیسے ملائکہ وارواح و عرش ولوح وقلم اور جنت و نار وغیرہ۔ اور عالم خلق وہ چیزیں جو مادہ سے پیدا ہوتی ہیں جیسے جمادات نباتات حیوانات۔ زمین و آسمان وغیرہ کہ نطفہ و تخم و عناصر سے بنے۔ غرض لفظ عالم کا استعمال خدا کی ساری مخلوق کے لئے ہوتا ہے یعنی وہ ہر ایک شے، جس میں نمودار ہونے، ظہور پکڑنے اپنی ہستی کو نمایاں کرنے اور اپنے وجود کی نمود رکھنے کی قابلیت ہے وہ لفظ عالم سے موسوم ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

عالمین صیغہ جمع ہے اور عالم امر و عالم خلق دونوں پر اس کا احاطہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خود کو رب العلمین فرمایا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعلمین جس کا صاف صریح مطلب یہ ہے کہ جس طرح پروردگار عالم کی الوہیت عام ہے اور اس کی ربوبیت سے کوئی ایک چیز بھی لاپروا نہیں رہ سکتی اسی طرح کوئی چیز بھی حضور کی رحمت سے خود کو مستغنی و بے نیاز ثابت نہیں کر سکتی۔

شاید کسی بے فکرے کو یہ کہہ دینا آسان ہو کہ اسے سورج کی روشنی اور گرمی کی احتیاج نہیں لیکن صاحب بصیرت اور سلیم الفطرت کے لئے یہ کہنا دشوار اور سخت دشوار ہے کہ اسے فیضان رسالت محمدی اور تعلیمات محمدیہ کی مطلقاً حاجت نہیں۔

دنیا اور دنیا کی قومیں غور کریں کہ نبوت محمدیہ کے بعد کیونکر انہوں نے حضور کی تعلیمات کا اقتباس بالواسطہ یا بلاواسطہ کیا ہے اور کیا کیا بھیس بدل کر اس خرمن حیات سے خوشہ چینی کی ہے۔

اب اندازہ کرو اس مقدس ہستی کا جس کا سب سے پیار ہے۔ جو سب پر ترس کھاتا ہے۔ جو ہر ایک کا ہمدرد و غمگسار ہے۔ جس کی محبت عام ہے اور جس کی رحمتوں کے فیضان سے تمام عالم سیراب ہے۔

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ملک خواہ انس خواہ جن، حتی کہ تمام جمادات تمام نباتات تمام حیوانات حتی کہ انبیاء و رسل کو جو نعمت ملی، حضور ہی کے کرم، حضور ہی کے طفیل، حضور ہی کے واسطے سے ملی۔ جس کو جو ملا یہیں سے ملا۔ جس نے جو پایا یہیں سے پایا۔ تمام ماسوی اللہ میں جس کو جو نعمت ملی یا ملتی ہے یا ملے گی انہیں کے ہاتھوں بٹی، بٹتی ہے اور بٹے گی۔ یہی اللہ کے خلیفہ اعظم ہیں۔ یہی ولی نعمت عالم ہیں۔ وہ خود فرماتے ہیں اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ مُعْطِیْ (دینے والا تو اللہ ہے اور تقسیم کرنے والا میں ہوں) غرض خدائی نعمتوں کی تقسیم انہیں کے مبارک ہاتھوں سے ہوتی ہے اور بارگاہ الٰہی سے جسے جو ملتا ہے انہیں کے واسطے سے ملتا ہے۔

یہی معنیٰ ہیں رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ اور رحمت عالم کے۔

تنبیہ ضروری: مولوی رشید احمد گنگوہی سے سوال ہوا کہ "لفظ رحمۃ للعلمین" مخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر شخص کو کہہ سکتے ہیں" اس کا جواب دیا گیا کہ "لفظ رحمۃ للعلمین صفت خاصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے بلکہ دیگر اولیاء و انبیاء اور علمائے ربانیین بھی موجب رحمت عالم ہوتے ہیں اگرچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب میں اعلیٰ ہیں لہٰذا اگر دوسرے پر اس لفظ کو بتاویل بول دیوے تو جائز ہے" فقط"

مسلمانو! مسلمانوں کے نزدیک رحمۃ للعلمین ہونا قطعاً خاص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے جس میں اور انبیاء بھی شریک نہیں۔ لیکن وہابیہ دیوبندیہ میں اس کی یہ بے قدری ہے کہ دیوبند کا ہر ملا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا شریک ہے۔

مسلمانو! علم حقائق تو اہل حقائق کو دیتے ہیں اور ان کے طفیل میں ان کے غلام اس سے حصہ لیتے ہیں۔ اس کا بیان ہو تو سب پر عیاں ہو کہ اپنے ہر ملا کو اس عظیم خلاصۂ جلیلہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم میں شریک کرنا وہی تفویت الایمان والی بات ہے کہ بادشاہ کا تاج ایک چمار کے سر پر۔ مگر باطن کی پھوٹ جاننے والے، کیا اول دن سے ظاہر کی بھی پھوٹی ہی لائے تھے۔ انہیں دن کی روشنی میں اتنا بھی نہ سوجھا کہ یہ رحمت بذریعۂ رسالت ہے کہ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ ہم نے تمہاری رسالت نہ کی مگر سارے

جہاں کے لئے رحمت تو رحمۃ للعٰلمین نہ ہوگا مگر وہ کہ رسول اِلَی العٰلمین ہو یعنی تمام عالمین کی طرف مبعوث کہ تمام جہان کو اس کی رسالت عام ہو۔ اور وہ نہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ لہٰذا اور انبیاء بھی اس وصف کریم میں حضور کے شریک نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ ابھی اوپر اس کا مجمل بیان گذرا۔ ائمہ کرام نے اس وصف کریم سے حضور کی تمام انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقربین پر تفضیل مطلق اور آپ کی افضلیت مطلقہ ثابت فرمائی ہے۔ مگر وہابیہ کے یہاں تو حضور میں رسالت سے اوپر کچھ نہیں وہ کیونکر اسے حضور کی صفت خاصہ مانیں۔ اور پھر فقط رسولوں ہی کے لئے تعمیم و عموم نہیں بلکہ ہر ملا شریک مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرا دیا یہ شان اقدس میں کتنا بھاری شرک ہے۔ غرض انہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل مٹانے سے کام ہے خواہ یوں کہ سر ہی سے انکار کر دیں یا یوں کہ ان کو گلی گلی متبذل و ذلیل کر کے فضل نہ رکھیں اور پھر اسلام کا دعویٰ باقی۔ وَاللّٰہُ علیم بالظّٰلمین مسلمان یاد رکھیں کہ محال ہے کہ کوئی حضور کا مثل ہو۔ جو کسی صفت خاصہ میں کسی کو حضور کا مثل بتائے گمراہ ہے یا کافر۔ (الاستمداد)

عقیدہ :۔ حضور خاتم النبیین ہیں یعنی اللہ عزوجل نے سلسلۂ نبوت حضور پر ختم کر دیا کہ حضور کے زمانہ میں یا بعد، کوئی نیا نبی نہیں ہو سکتا۔ جو شخص حضور کے زمانے میں یا حضور کے بعد کسی کو نبوت ملنا مانے یا جائز جانے وہ کافر مرتد خارج از اسلام اور اسلامی برادری سے قطعاً باہر ہے۔

تشریح :۔ ہر مسلمان جانتا اور مانتا ہے کہ آیت کریمہ ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین میں خاتم النبیین کے صرف اور صرف یہی معنی ہیں جو اس کے ظاہر سے سمجھ میں آرہے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے پچھلے نبی ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبوت نہیں مل سکتی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وجود باجود پر نبوت کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ اس معنی میں نہ کوئی تاویل ہے نہ تخصیص یہی معنی تمام صحابۂ کرام اور امت مرحومہ کے تمام مفسرین اسلام و محدثین اعلام اور متکلمین عظام و فقہائے کرام۔ غرض تمام امت نے سمجھے اور آج تک

یہی معنی بتلائے سمجھائے مانے جارہے ہیں۔ اور یہی معنی خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے متواتر حدیثوں میں بتائے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پچھلے اور آخری نبی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبوت نہیں مل سکتی تو قطعاً یقیناً یہی معنی آیہ کریمہ میں اس لفظ سے مراد ہیں۔ اس میں کوئی تاویل کوئی تخصیص نہیں۔ حق تعالیٰ کی جانب سے خاتم النبیین کا جو منصب جلیل ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا ہے عقل و نقل دونوں اعتبار سے ایک اور صرف ایک ہی معنی رکھتا ہے اور وہ یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخر انبیاء و رُسل ہیں اور نبوت و رسالت کا سلسلہ آپ پر پہنچ کر ختم ہو گیا۔ اب نہ کسی جدید پیغام کی ضرورت ہے نہ کسی نئے پیغمبر کی۔ رہتی دنیا تک یہی کامل پیغمبر انسانی دنیا کے لئے کافی ہے اور بس۔ اس کے خلاف جو کچھ ہے باطل ہے۔

لیکن یاللعجب! دیوبند کے ایک بھاری بھرکم مُلّا۔ قاسم نانوتوی نے اپنی کتاب تحذیر الناس میں ختم نبوت کی بحث کے دوران، اس لفظ خاتم النبیین کے معنی "سب میں پچھلے نبی" ہونے کو بتایا" یہ جاہلوں کا خیال ہے اہل فہم کا نہیں۔ اسے فضیلت میں کچھ دخل نہیں ایسے ویسوں کے اوصاف کی طرح ہے۔ یہ معنی ہوں تو اللہ فضول گو ہو۔ قرآن بے ربط ہو" وغیرہ وغیرہ تو دیوبندی مُلّا قاسم نانوتوی کے نزدیک تمام امت و صحابہ اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ جاہل و نافہم ہوئے اور اللہ فضول گو اور قرآن بے ربط۔ یہ کفر در کفر صدہا کفر ہے۔ نانوتوی صاحب نے اسے عوام کا خیال بتایا یعنی یہ معنی جاہلوں کا خیال ہیں تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے آج تک کے تمام مسلمانوں کو جاہل ٹھہرایا۔ یہ کفر ہے یا نہیں۔ بلکہ یہ جاہل اور نافہم وغیرہ کے بھاری خطاب صرف صحابہ کرام و جمیع امت ہی کو نہیں خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی ہوئے کہ حضور نے بھی صدہا احادیث میں یہی معنی سمجھے یہی بتائے یہ کفر ہوا یا نہیں۔ کہو ہے اور ضرور ہے بلکہ کفر در کفر ہے۔ پھر بھی مشاہیر دیوبند اس باطل و مردود اور تفسیر بالرائے کی تاویلیں کرتے اور مسلمانوں کو بہکانے سے باز نہیں آتے اور نانوتوی دھرم کو صحیح ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگانے میں مصروف رہتے ہیں توبہ کی توفیق ملے تو کیونکر۔ آنکھوں پر تو بے جا طرفداری کی گھٹا ٹوپ ہے۔ والعیاذ باللہ۔

عقیدہ:۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ عزوجل نے محبوبیت کبریٰ کے مرتبۂ جلیلہ سے سرفراز فرمایا کہ تمام خلق جویائے رضائے مولیٰ ہے اور اللہ عزوجل طالب رضائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

تشریح:۔ قرآن کریم کا ارشاد گرامی ہے وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے) مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ وعدہ کریمہ ان نعمتوں کو بھی شامل ہے جو آپ کو دنیا میں عطا فرمائیں۔ کمال نفس اور علوم اوّلین و آخرین اور ظہور امر اور اعلائے دین اور وہ فتوحات جو عہد مبارک میں ہوئیں اور عہد صحابی میں ہوئیں اور تا قیامت مسلمانوں کو ہوتی رہیں گی۔ اور دعوت کا عام ہونا اور اسلام کا مشارق و مغارب میں پھیل جانا اور آپ کی امت کا بہترین اُمم ہونا۔ اور آپ کے وہ کرامات و کمالات جن کا اللہ ہی عالم ہے۔ یہ سب کچھ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو دنیا میں دیا اور آخرت میں جو کچھ دے گا اس کی عظمت اور عزت و تکریم کا کما حقہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ شفاعتِ عامہ و خاصہ اور مقام محمود وغیرہ جیسی جلیل نعمتیں بھی اسی میں داخل ہیں۔ فصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وصحبہ وبارك وسلم۔

مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دونوں دست مبارک اٹھا کر امت کے حق میں رو کر دعا مانگی اور عرض کیا اَللّٰھُمَّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ اللہ تعالیٰ نے جبریل کو حکم دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں جا کر دریافت کرو رونے کا کیا سبب ہے"؟ باوجودیکہ اللہ تعالیٰ دانا ہے۔ جبریل امین نے حسب حکم حاضر ہو کر دریافت کیا۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں تمام حال بتایا اور غم امت کا اظہار فرمایا۔ جبریل امین نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ تیرے حبیب یہ فرماتے ہیں باوجودیکہ وہ خوب جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جبریل کو حکم دیا کہ جاؤ اور میرے حبیب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) سے کہو کہ ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں عنقریب راضی کریں گے اور آپ کو گراں خاطر نہ ہونے دیں گے"۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت کریمہ ولسوف یعطیك ربك فترضی نازل ہوئی تو اس ارشاد الٰہی پر اس نازنین حق، محبوب اجمل صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ناز اٹھانے والے رب بے نیاز کی بارگاہ میں عرض کیا کہ ایسا ہے تو جب تک ایک امتی بھی دوزخ میں رہے میں راضی نہ ہوں گا۔

آیت کریمہ صاف دلالت کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ وہی کرے گا جس میں رسول راضی ہوں اور احادیث شفاعت سے بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اسی میں ہے کہ سب گناہگاران امت بخش دیئے جائیں۔ تو آیات و احادیث سے قطعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت مقبول ہے اور حسب مرضی مبارک گناہگاران امت بخشے جائیں گے۔ سبحان اللہ کیا رتبہ علیا ہے کہ جس پروردگار کو راضی کرنے کے لیے تمام مقربین تکلیفیں برداشت کرتے اور محنتیں اٹھاتے ہیں وہ اس حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے کے لئے عطائے عام کرتا ہے۔ اور عام اعلان فرماتا ہے کلھم یطلبون رضای وانا اطلب رضاك یا محمد اس کا اندازہ اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح جذبہ دینی کے ماتحت اس کا یقین تھا کہ اب جبکہ امامت بنی اسرائیل سے چھن چکی ہے تو ان کا قبلہ بھی قبلہ امت نہیں رہ سکتا۔ تحویل قبلہ کا حکم اب آکر رہے گا۔ نیز کعبہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا قبلہ تھا اور اہل عرب کو اسلام کی طرف مائل کرنے کا ایک موثر ذریعہ تھا اس لئے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی تمنا تھی کہ کعبہ کو قبلہ بنا دیا جائے۔ اس لئے چشم امید، در رحمت کی طرف اٹھی رہتی تھی اور فرشتہ وحی کے انتظار میں آپ بار بار آسمان کی طرف نظر فرماتے تھے اللہ تعالیٰ کو اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ ادا اتنی پیاری اور ان کی خوشنودی خاطر اس درجہ مطلوب تھی کہ آیت کریمہ قد نری تقلب وجھك الایہ میں اعلان فرما دیا کہ اے محبوب جو قبلہ تمہیں پسند وہی ہمیں پسند۔ اور ہم الٰہی کو آپ کا قبلہ قرار دے دیں گے جسے آپ خود قبلہ

بنانا چاہتے ہیں۔ یہاں براہ راست یہ ارشاد فرمانے کی بجائے کہ ہم کعبہ کی طرف آپ کو پھیر دیں گے ارشاد یہ ہوا کہ ہم اسے آپ کا قبلہ قرار دیں گے جسے آپ خود قبلہ بنانا چاہتے ہیں۔ آیت کریمہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مراتب کی بلندی ورفعت اور درجہ فنا وقبولیت کا کامل ترین ہونا ظاہر ہے۔ کیا ٹھکانا ہے اس بلندی مراتب اور درجات کی رفعت کا کہ ان کا مولیٰ خود ان کی رضا کا طالب ہے۔ اس سے آگے کوئی مرتبہ تصور میں بھی نہیں آسکتا۔ اور یہی مقام ہے محبوبیت کبریٰ کا۔ پھر "قَدْ نَرٰی" بصیغۂ مضارع فرمایا جو حال واستقبال کو شامل ہے۔ صیغۂ ماضی نہ فرمایا جیساکہ ظاہر حال کا تقاضا ہے اس میں اس امر کی جانب اشارہ ہے اور بتانا یہ مقصود ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے رخ نور بار اور چہرہ پرانوار کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ایسی چیز نہیں جسے قصۂ پارینہ یا ماضی کا واقعہ بنا کر بیان کیا جائے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ چشم قدرت اس منظر نورگستر کا اب بھی یوں ہی مشاہدہ فرما رہی ہے۔ فرمایا ہم دیکھ رہے ہیں تیرا بار بار آسمان کی طرف اپنے رُخ جہاں افروز کا اٹھانا۔" سبحان اللہ کیا شان محبوبیت ہے۔

اللھم صل علیٰ سیدنا محمد قدر جاھه وجلاله ونوره وجماله وجوده ونواله وکرمه وافضاله واٰله وبارک وسلم

عقیدہ:۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص سے اسراء ومعراج ہے کہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک، اور وہاں سے ساتوں آسمان اور کرسی وعرش تک، بلکہ بالائے عرش، رات کے ایک خفیف حصہ میں، مع جسم تشریف لے گئے اور وہ قرب خاص حاصل ہوا کہ کسی بشر وملک کو کبھی نہ حاصل ہوا اور نہ ہو۔ جمال الٰہی بچشم سر دیکھا اور کلام الٰہی بلاواسطہ سنا۔ اور تمام ملکوت السمٰوٰت والارض کو بالتفصیل ذرہ ذرہ ملاحظہ فرمایا۔

تشریح:۔ اسراء کے معنی شب میں لے جانے کے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ بے نظیر شرف ومجد اور حیرت زا واقعہ، جس میں خدائے برتر نے، جو ہر کمی ونقص سے پاک اور ہر عجز سے منزہ اور ہر قید وحد بندی سے بالاتر ہے، اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام یعنی خانۂ کعبہ کی مسجد سے، قبلہ اوّل یعنی بیت المقدس کی

مسجد تک، جو شہر مکہ سے بہت دور ہے اور پھر وہاں سے ملاء اعلیٰ تک، جسم عنصری کے ساتھ، اپنی نشانیاں دکھانے کے لئے سیر کرائی، چونکہ شب کے ایک تھوڑے سے حصہ میں آیا تھا اس لئے اسراء کہلاتا ہے۔

معراج:۔ عروج سے مشتق ہے جس کے معنی چڑھنے اور بلند ہونے کے ہیں اور اسی لئے معراج، زینہ کو بھی کہتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چونکہ اس شب میں ملاء اعلیٰ تک عروج فرماکر، ساتوں آسمان، سدرۃ المنتہیٰ اور اس سے بھی بلند ہوکر آیات الٰہیہ کا مشاہدہ فرمایا اور ان واقعات کے ذکر میں زبان وحی ترجمان نے عُرِجَ بِی کا جملہ استعمال فرمایا، اس لئے اس باجبروت اور پر عظمت واقعہ کو معراج سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم ترین معجزہ معراج کو جس مخصوص اسلوب سے بیان کیا گیا ہے اس میں غور کرنے کے بعد عقل سلیم کو بلا چوں وچرا ماننا پڑتا ہے کہ یہ واقعہ جس طرح آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ میں مذکور ہے وہ سچ ہے اس میں شک و شبہہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

معراج سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہ کمال قرب ظاہر ہوتا ہے جو مخلوق الٰہی میں آپ کے سوا کسی کو میسّر نہیں۔ نبوت کے بارھویں سال ۵۲ء ولادت نبوی میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے نوازے گئے۔ مہینے میں اختلاف ہے لیکن علمائے محققین نے ستائیس رجب کو جملہ اقوال پر ترجیح دی ہے۔ یہی مشہور ہے اور ہمیشہ سے عملاً اسی تاریخ پر اتفاق کیا گیا ہے۔ ستائیسویں رجب کی شب کے بعد طالع ہونے والا دن چہار شنبہ تھا۔

مکہ مکرمہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیت المقدس تک (کہ اتنا بڑا صدہا میل کی مسافت کا سفر جو عادۃً کئی کئی ہفتہ میں یا ۴۰ دن کی مدت میں ممکن تھا) ایک ہی رات کے تھوڑے سے وقت میں تشریف لے جانا نص قرآنی سے ثابت ہے۔ اس کا منکر کافر ہے۔ اور آسمانوں کی سیر اور منازل قرب میں پہنچنا، احادیث صحیحہ معتمدہ مشہورہ سے ثابت ہے جو حدِ تواتر کے قریب پہنچ گئی ہیں۔ اس کا منکر گمراہ ہے۔ معراج شریف بحالت بیداری،

جسم وروح دونوں کے ساتھ واقع ہوئی۔ یہی جمہور اہل اسلام کا عقیدہ ہے اور صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کثیر جماعتیں اور حضور کے اَجلّہ اصحاب اسی کے معتقد ہیں نصوص آیات واحادیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ تیرہ دماغان فلسفہ کے ادہام فاسدہ محض باطل ہیں۔ قدرت، الٰہی کے معتقد کے سامنے وہ تمام شبہات محض بے حقیقت ہیں۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی سے بیان کی ابتدا کرنا خود بتا رہا ہے کہ یہ کوئی بہت بڑا، حیرت انگیز خارقِ عادت، عجوبۂ روزگار واقعہ تھا جو اللہ تعالیٰ کی غیر محدود قدرت سے رونما ہوا۔

ظاہر ہے کہ خواب میں کسی شخص کا اس طرح کی چیزیں دیکھ لینا یا کشف کے طور پر دیکھنا یہ اہمیت نہیں رکھتا کہ اسے بیان کرنے کے لئے اس تمہید کی ضرورت ہو کہ تمام کمزوریوں اور نقائص سے پاک اور ہر عیب ونقص سے مُنزّہ ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو راتوں رات یہ سیر کرائی۔ یعنی جس نے اپنے بندے کو یہ خواب دکھایا یا کشف میں یہ سب کچھ دکھایا۔ عقل دشمنی کی بھی کچھ حد ہونی چاہیئے۔

پھر یہ الفاظ بھی کہ "راتوں رات اپنے بندے کو سیر کرائی"، جسمانی سفر پر صراحتہً دلالت کرتے ہیں۔ خواب کے سفر یا کشفی سفر کے لئے یہ الفاظ کسی طرح موزوں نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا ہمارے لئے یہ ماننے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ یہ محض ایک روحانی یا کشفی تجربہ نہ تھا بلکہ ایک جسمانی سفر، اور بحالت بیداری عینی مشاہدہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو کرایا۔

حضرت جبریل علیہ السلام کا براق لے کر حاضر ہونا۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو غایت اکرام واحترام کے ساتھ سوار کر کے لے جانا۔ بیت المقدس میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیگر انبیائے کرام کی امامت فرمانا۔ پھر وہاں سے آسمانوں کی سیر کی طرف متوجہ ہونا۔ جبریل امین کا ہر ہر آسمان کے دروازہ کھلوانا۔ ہر ہر آسمان پر وہاں کے صاحب مقام انبیا علیہم السلام کا شرف زیارت سے مشرف ہونا۔ اور حضور کی تکریم کرنا۔ احترام بجالانا۔ تشریف آوری کی مبارکبادیں دینا۔ حضور کا ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف سیر فرمانا۔ وہاں کے عجائب دیکھنا۔ تمام مقربین کی نہایت منازل سدرۃ المنتہٰی کو پہنچنا جہاں سے آگے

بڑھنے کی کسی ملک مقرب کو بھی مجال نہیں ہے۔ جبریل امین کا وہاں معذرت کرکے وہ جانا۔ پھر مقام قرب خاص میں حضور کا ترقیاں فرمانا۔ اور اس قرب اعلیٰ میں پہنچنا کہ جس کے تصور تک خلق کے اوہام وافکار بھی پرواز سے عاجز ہیں۔ وہاں مورد رحمت وکرم ہونا اور انعامات الٰہیہ اور خصائص نعم (مخصوص ترین نعمتوں) سے سرفراز فرمایا جانا۔ اور ملکوت السمٰوات والارض اور ان سے برتر وافضل علوم پانا۔ اور اس حضوری کے موقع پہ دوسری اہم ہدایات کے علاوہ، امت کے لئے نمازیں فرض ہونا۔ حضور کا شفاعت فرمانا۔ جنت ودوزخ کا مشاہدہ کرایا جانا۔ اس کے بعد آپ کا بیت المقدس کی طرف پلٹنا۔ اور وہاں سے مسجد حرام شریف اور پھر اپنی جگہ واپس تشریف لانا۔ اور اس واقعہ کی خبریں دینا اس پر کفار کا شورشیں مچانا۔ واقعہ معراج کا مذاق اڑانا۔ اور بیت المقدس کی عمارت کا حال اور ملک شام جانے والے قافلوں کی کیفیتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمانا حضور کا سب کچھ بتا دینا۔ اور قافلوں کے جو احوال حضور نے بتائے۔ قافلوں کے آنے پر ان کی تصدیق ہونا۔ یہ تمام باتیں صحاح کی معتبر احادیث سے ثابت ہیں اور بکثرت احادیث ان تمام امور کے بیان اور ان کی تفاصیل سے مملو ہیں۔ علمائے محققین فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سفر مبارک میں دیدار الٰہی سے مشرف فرما گئے اور آپ نے رب عزوجل کو حقیقۃً چشم مبارک سے دیکھا۔ مسلم شریف کی حدیث مرفوع سے بھی یہی ثابت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو بحر الامۃ ہیں وہ بھی اسی پر ہیں۔ مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضور نے فرمایا میں نے اپنے رب کو اپنی آنکھ اور اپنے دل سے دیکھا۔ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قائل ہوں۔ حضور نے اپنے رب کو دیکھا اس کو دیکھا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہی رہے یہاں تک کہ سانس ختم ہو گیا اس سلسلہ میں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیئے کہ انبیائے کرام علیہم السلام میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے ان کے منصب کی مناسبت سے ملکوت سمٰوات وارض کا مشاہدہ کرایا ہے اور مادی حجابات بیچ میں سے ہٹا کر، آنکھوں سے وہ حقیقتیں دکھائی ہیں۔ جن پر ایمان بالغیب لانے کی دعوت دینے پر وہ مامور کئے گئے تھے تاکہ ان کا مقام ایک

فلسفی کے مقام سے بالکل مُمیّز وممتاز ہو جائے کہ وہ جو کچھ کہتا ہے قیاس اور گمان سے کہتا ہے مگر انبیائے کرام جو کچھ کہتے ہیں وہ براہِ راست علم اور مشاہدے کی بنا پر کہتے ہیں اور وہ خلق کے سامنے یہ شہادت دے سکتے ہیں کہ ہم ان باتوں کو جانتے ہیں اور یہ ہماری آنکھوں دیکھی حقیقتیں ہیں۔

عقیدہ قیامت کے دن مرتبہ شفاعتِ کبریٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص سے ہے کہ جب تک حضور، دروازۂ شفاعت نہ کھولیں گے کسی کو مجال شفاعت نہ ہوگی بلکہ حقیقۃً جتنے شفاعت کرنے والے ہیں حضور کے دربار میں شفاعت لائیں گے اور اللہ عزوجل کے دربار میں، صرف حضور ہی شفاعت فرمائیں گے اور یہ شفاعت کبریٰ مومن کافر مطیع عاصی فرمانبردار ونافرمان سب کے لئے ہے کہ وہ انتظار حساب جو سخت جاں گزا ہوگا، اس سے چھٹکارا کفار کو بھی حضور ہی کی بدولت ملے گا۔ جس پر اولین آخرین، موافقین۔ مخالفین مومنین وکافرین سب حضور کی حمد کریں گے۔ اسی کا نام مقام محمود ہے۔ شفاعت کے اور اقسام بھی ہیں مثلاً بہتوں کو بلا حساب، جنت میں داخل فرمائیں گے۔ جن میں ستر ہزار در ستر ہزار یعنی چار ارب نوے کروڑ کی تعداد معلوم ہے۔ اس سے بہت زائد اور ہیں جو اللہ ورسول کے علم میں ہیں بہتیرے وہ ہوں گے جس کا حساب ہو چکا ہے اور مستحق جہنم ہو چکے ہیں۔ ان کو جہنم سے بچائیں گے۔ اور بعضوں کی شفاعت فرماکر جہنم سے نکالیں گے اور بعضوں کے درجات بلند فرمائیں گے اور بعضوں سے تخفیف عذاب فرمائیں گے۔

تشریح: "شفاعت کے معنی ہیں کسی شخص کو اپنے بڑے کے حضور میں اپنے چھوٹے کے لئے سفارش کرنا" شفاعت دھمکی اور دباؤ سے کسی بات کے منوانے کو نہیں کہتے اور نہ شفاعت ڈر کر یا دب کر مانی جاتی ہے۔ اتنی بات تو عام لوگ بھی جانتے ہیں کہ کسی سے ڈر کر یا کسی کے دباؤ میں آکر، بات مان لینا، قبول سفارش نہیں بلکہ نامردی وبزدلی اور مجبوری ونا چاری ہے اور دباؤ سے کام نکالنے کو دھمکی اور دھونس کہتے ہیں نہ کہ شفاعت وسفارش۔

الغرض خاصان خدا کی شفاعت حق ہے۔ اس پر تمام امت مرحومہ کا اجماع ہے اور بکثرت آیاتِ قرآن کریم اس کی شاہد ہے۔ احادیث کریمہ اس باب میں درجہ شہرت بلکہ تواتر معنوی تک

پہنچی ہیں۔ کتب دینیہ اس سے مالامال ہیں۔

خلاصہ: اس عقیدہ کا یہ ہے کہ اللہ واحد قہار جل جلالہٗ خالق و مالک و شہنشاہ حقیقی ہے۔ اس کو کسی سے کسی قسم کا نہ لالچ ہے نہ ڈر۔ وہ تمام عالم سے غنی و بے نیاز ہے اور سب اسی کے محتاج و نیاز مند۔ اسی نے اپنی قدرت کاملہ و حکمت بالغہ سے، اپنے بندوں میں سے اپنے محبوبوں کو چن لیا اور اپنے محبوبوں کا سردار، مدنی تاجدار احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا۔ وہ بکمال بے نیازی، اپنے کرم سے اپنے محبوبان کرام کی نازبرداری فرماتا ہے۔ اس نے اپنے محبوبوں کی عظمت و جلالت اور شان محبوبیت ظاہر فرمانے، ان کی شوکت و وجاہت دکھانے کے لئے ان کو اپنے بندوں کا شفیع بنایا۔ اسی نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کے اولیائے کرام کو یہ مرتبہ دیا کہ اگر وہ اللہ تبارک و تعالیٰ پر کسی بات کی قسم کھا لیں تو رب کریم جَلّ جَلالہٗ ان کی قسم کو سچا کر دے۔ اسی نے ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا خلیفہ اعظم و حبیب اکرم بنایا اور ارشاد فرمایا کہ "اے محبوب تم کو تمہارا رب ضرور اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے"۔

اللہ اکبر! کیا شان محبوبیت ہے۔ قرآن پاک نے کس اہتمام و شکوہ کے ساتھ حضور کی شفاعت کا اثبات فرمایا ہے۔ کریم بندہ نواز نے اپنے حبیب سے کیسے کیسے وعدے فرمائے ہیں۔ اپنی شان کرم سے انہیں راضی رکھنے کا ذمہ لیا ہے اور حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شان ناز سے فرمایا کہ جب یہ کرم ہے تو ہم اپنا ایک امتی بھی دوزخ میں نہ چھوڑیں گے۔

فصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وبارک وکرم۔

شفاعت بہ اجماع امت ثابت ہے بکثرت آیات اور بے شمار احادیث اس میں وارد ہیں۔ اس کا انکار وہی کرے گا جو گمراہ ہے اور قرآن کریم میں جس شفاعت کی نفی کی گئی ہے وہ بتوں اور کافروں کی شفاعت ہے۔

مسئلہ شفاعت تو کافروں اور بت پرستوں میں بھی مسلم تھا۔ اور ان کا گمان تھا کہ بت شفاعت کریں گے اور یہود و نصاریٰ میں بھی تسلیم کیا جاتا تھا جن کا عقیدہ تھا کہ شفیع کو وہ ذاتی اقتدار و اختیار حاصل ہے کہ جسے چاہے اسے عذاب سے چھڑا سکتا ہے وہ جس بات پر اڑ

جائیں وہ خدا سے منوا کر چھوڑتے ہیں اور جو کام چاہیں اپنی مرضی سے لے سکتے ہیں یہاں تک کہ کفر کے مجرم کو بھی نجات دلا سکتے ہیں اور دنیا کی لیسی رشتہ داریوں اور خانگی ذاتی دوستیوں سے وہاں بھی کام چل سکتا ہے بالخصوص عیسائیوں کا یہ عقیدہ تھا اور ہے کہ ابن اللہ (معاذ اللہ) کی حیثیت شافع مطلق کی ہے۔ انسان کے قالب میں انہوں نے اسی لئے تو جنم لیا کہ اپنی جان کا فدیہ سب گناہگاروں کی طرف سے دیکر، اور سب کی طرف سے (معاذ اللہ) اپنے خون کا چڑھاوا چڑھا کر قیامت میں شافع مطلق کی حیثیت سے ظاہر و نمودار ہوں اور ان کی شفاعت سب کے حق میں نجات کا حکم قطعی رکھے گی۔

قرآن کریم نے یہودیوں اور نصرانیوں کے عقیدہ کی اصلاح کی اور کافروں کے عقیدہ کا ابطال فرمایا جو یہ سمجھتے تھے کہ یہ دیوی دیوتا یعنی ان کے من گھڑت، ان کے ہاتھوں تراشے ہوئے یہ بت بھی ان کی شفاعت کریں گے۔

قرآن کریم نے ان کے ردّ و ابطال کے لئے کلام کے مختلف اسلوب اختیار فرمائے اور پھر شفاعت کبریٰ کا اثبات فرمایا۔ اور اس اثبات کو دو اصول پر منحصر رکھا۔

(۱) اِلَّا بِاِذْنِہٖ یعنی ہر شخص کو بارگاہ ذوالجلال میں لب کشائی اور شفاعت کی طاقت نہ ہوگی اللہ کے حضور ماذونین کے سوا کوئی شفاعت نہیں کر سکتا شفاعت صرف وہی کرے گا جسے پروردگار عالم نے اذن دیا۔

(۲) وَقَالَ صَوَابًا جس نے ٹھیک بات کہی یعنی شفاعت صرف اسی کی ہوگی جس نے دنیا میں لا الٰہ الا اللہ کہا اور اس پر ثابت قدم رہا تو کفار کے لئے شفاعت نہیں۔ یونہی شفاعت اسی کی مقبول ہوگی جو ٹھیک ٹھیک بات کہے یعنی شفیع نہایت صادق، راست باز اور پوری پوری بات کہنے والا ہو۔

اور یہ نہیں مگر محبوب و مقبول بندگان خدا۔ انبیاء و مرسلین اور ملائکہ مقربین جن کو ان کے رب نے اجازت فرمائی اور قیامت میں عطا فرمائے گا۔ اور یہ بندگان خدا، بارگاہ الٰہی میں قرب و منزلت رکھنے کے باوجود شفاعت صرف اسی کی کریں گے جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو یعنی مومن موحد کے لئے۔ تو بتوں سے شفاعت کی امید رکھنا باطل محض ہے کہ

انہیں نہ بارگاہِ حق میں قرب حاصل نہ کفار شفاعت کے اہل قرآن کریم نے بتایا کہ یہ کفار و مشرکین جن لوگوں کو، اللہ عزوجل کے سوا پوجتے ہیں ان میں کوئی شفاعت کا مالک نہیں کیونکہ شفاعت مقربین کی ہو سکتی ہے نہ کہ مَغضُوبِینَ کی کہ یہ تو خود عذابِ الٰہی میں گرفتار ہوں گے۔

الغرض قرآنِ کریم میں جس شفاعت کی نفی کی گئی ہے وہ بتوں اور کافروں کی شفاعت ہے تو جو آیتیں بتوں اور کافروں کے حق میں نازل ہوئی ہیں، انبیاء و اولیا کو ان کا مصداق ٹھہرانا، اور اللہ تعالیٰ نے جو احکام کافروں اور بتوں پر صادر فرمائے ہیں وہ اس کے محبوبوں اور مقبول بندوں پر لگا دینا اور یہ کہہ دینا کہ کوئی اس کا وکیل و سفارشی نہیں جیسا کہ وہابیہ کا مذہب ہے، قرآن و حدیث کی صریح مخالفت بلکہ خدا و رسول پر بہتان اٹھانا اور نئی شریعت گڑھنا ہے۔ قرآن کریم میں جا بجا بتوں اور کافروں کی شفاعت کے انکار کے ساتھ، مومنین و محبین کی شفاعت کا اثبات کیا گیا ہے اور مقبولانِ بارگاہ کا استثنار فرمایا گیا ہے۔

فائدہ :۔ امام الوہابیہ مولوی اسماعیل دہلوی نے تقویت الایمان میں لکھا اور چھاپا کہ "پیغمبر نے سب کو اپنی بیٹی تک کو کھول کر سنا دیا کہ اللہ کا معاملہ میرے اختیار سے باہر ہے وہاں میں کسی کی حمایت نہیں کر سکتا۔ میں آپ ہی تو ڈرتا ہوں دوسرے کو کیا بچا سکوں۔

مسلمانو! کیا تمہارا بھی یہی اعتقاد ہے کہ حضور قیامت میں اپنی صاحبزادی کو بھی نہیں بچا سکتے وہ آپ ہی تو ڈر رہے ہیں اور کو کیا بچا سکیں"۔ کہو ہرگز نہیں۔ امام الوہابیہ نے یہاں دل کی کھول دی شفاعت کی پوری آخری بول دی۔ جب صاحبزادی تک کے کام نہ آئیں گے تو دوسرے کا کیا منہ ہے کہ ان سے کچھ امید رکھے۔ واقعی جب "ناکارے لوگ" کہہ دیا پھر کام آنا کیا معنی۔

مسلمانو! یہ اس کا اللہ و رسول پر افترا ہے کہ حضور نے فرمایا کہ میں آپ کو ڈرتا ہوں۔ دوسرے کو کیا بچا سکوں اور اللہ نے اس فرمانے کا حضور کو حکم دیا۔ ہرگز نہ آیت میں ہے نہ حضور نے فرمایا۔ وہ عظیم الشان حدیثیں ہر مسلمان کے گوش زد ہیں کہ سب انبیاء نَفْسِیْ نَفْسِیْ فرمائیں گے اور حضور اَنَا لَہَا۔ میں ہوں شفاعت کے لئے صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیہم وسلم۔

عقیدہ ہر قسم کی شفاعت حضور کے لئے ثابت ہے۔ شفاعت بِالوَجَاہَۃ شفاعت

بالمحبۃ اور شفاعت بالاذن۔ ان میں سے کسی کا انکار وہی کرے گا جو گمراہ ہے۔

تشریح:۔ تقویت الایمان میں ہے "امیر کی وجاہت کے سبب اس کی شفارش قبول کی اس قسم کی سفارش اللہ کی جناب میں ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتی جو کسی نبی کو اس قسم کا شفیع سمجھے وہ اصل مشرک ہے۔"

اسی میں ہے "محبت کے سبب سفارش قبول کر لی۔ اس قسم کی شفاعت بھی اس دربار میں کسی طرح ممکن نہیں۔ جو کسی کو اس قسم کا شفیع سمجھے ویسا ہی مشرک ہے۔"

مسلمانو! کیا تم اپنے نبی کو اللہ کے یہاں اتنا وجاہت والا نہیں جانتے کہ ان کی وجاہت وجہ قبول شفاعت ہو سکے۔ کیا تمہارے نبی اللہ کے محبوب نہیں۔ کیا ان کی محبوبیت وجہ قبول شفاعت نہیں۔

کہو اور ضرور کہو کہ ہم مسلمانوں کے ایمان میں انبیاء و حضور سید الانبیاء علیہ وعلیہم افضل الصلوٰۃ والثناء ضرور شفیع ہیں اور ضرور بارگاہ الٰہی میں ان کے لئے عظیم وجاہت ہے اور ضرور ان کی وجاہت کے سبب ان کی سفارش قبول ہے۔ جو وہاں وجاہت نہیں رکھتا اس کا کیا منہ کہ کسی کی سفارش کر سکے۔ ان کی وجاہت کا انکار کفر اور اس کے سبب ان کی شفاعت کا قبول نہ ماننا ضرور ضلال۔ باقی دھوکہ دینے کو وجاہت کے معنی میں "دباؤ" کی پُخ لگائی کہ "امیر سے دبکر سفارش مان لیتا ہے"، محض عیاری ہے۔ وجاہت کے معنی میں لغۃً عرفاً شرعاً کہیں اس کا پتہ نہیں۔ اللہ عزوجل عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتا ہے وَجِیۡهًا فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ۔ دنیا و آخرت دونوں میں وجاہت والا۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرماتا ہے وَکَانَ عِنۡدَ اللّٰہِ وَجِیۡهًا اللہ کے یہاں وجاہت والا ہے۔ بیضاوی ومدارک التنزیل وغیرھا میں ہے اَلۡوَجَاهَۃُ فِی الدُّنۡیَا اَلنُّبُوَّۃُ وَفِی الۡاٰخِرَۃِ الشَّفَاعَۃُ دنیا میں وجاہت یہ کہ نبی ہیں اور آخرت میں وجاہت یہ کہ شفاعت کریں گے مگر امام الوہابیہ تو ان کو "ناکارے لوگ"، چوہڑے چمار سے بھی ذلیل۔ ذرہ ناچیز سے کمتر کہتا ہے۔ یہ ان کے لئے وجاہت کیونکر مانے۔

یوہیں مسلمانوں کے ایمان میں انبیاء و حضور سید الانبیاء علیہ وعلیہم افضل الصلوٰۃ والثناء ضرور محبوب ہیں ان کے غلام تک محبوب ہیں قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ۔

اے محبوب تم فرما دو کہ اگر خدا سے محبت رکھتے ہو تو میرے غلام ہو جاؤ اللہ کے محبوب ہو جاؤ گے۔" اور حضور ان کی محبوبیت کے سبب ان کی سفارش قبول ہے۔ حدیث کا ارشاد دیکھئے کہ جب حضور شفاعت کا سجدہ کریں گے ارشاد ہو گا یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَكَ وَقُلْ تُطَاعْ۔ اے محمد اپنا سر اٹھاؤ اور جو کہنا ہو کہو کہ تمہاری اطاعت کی جائے گی۔

آنکھوں کے اندھے، اطاعت کے لفظ کو دیکھیں۔ یہ کمال محبوبیت کے سبب قبول شفاعت کا قبول نہ ماننا ضلال۔ باقی دھوکہ دینے کو لاچاری کی قید بڑھائی کہ "محبت سے لاچار ہو کر تقصیر معاف کر دے" وہی بے ایمانی ہے۔

اسی تفویۃ الایمان میں ہے "جس کو چاہے گا اپنے حکم سے شفیع بنا دے گا" مسلمانو! اہل حق کے ایمان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کے لئے متعین ہیں۔ انہیں کو چاہا اور انہیں کو چاہے گا اور سب نَفْسِی نَفْسِی کہیں گے اور یہ اُمَّتِی اُمَّتِی۔ بے ان کے کوئی یہ دروازہ نہیں کھول سکتا۔ بلکہ اوروں کی شفاعت حضور کے سامنے ہے اور بارگاہ عزت میں حضور شفیع۔ اَنَا صاحب شفاعتہم ولا فخر۔ دہلوی نے جو مسلمانوں کا جی رکھنے دھوکا دینے کو جھوٹے نام شفاعت کا اقرار کیا، اس میں بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کوئی خصوصیت نہ رکھی۔ حضور کا نام مبارک تک نہ لیا بلکہ "جس کو چاہے گا بنا دے گا" یہ ان متواتر حدیثوں کی تکذیب ہے جن میں بالخصوص حضور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کا شفاعت کے لئے متعین ہونا مذکور ہے۔ از انجملہ بخاری و مسلم کی یہ حدیث کہ "مجھے پانچ چیزیں عطا ہوئیں کہ مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہ ملیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ مجھے شفاعت کا منصب عطا ہوا صلی اللہ علیہ وسلم۔ غرض مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے شفاعت بالاذن کا ماننا ظاہر کیا شفاعۃ بالوجاہۃ و بالمحبۃ اس کے مقابل نہیں بلکہ وہی شفاعت بالاذن ہے مگر اس نے اس کے وہ معنی گڑھے کہ شفاعت کا خالی لفظ رہ گیا۔ حقیقت اڑ گئی تاکہ انکار تو منہ بھر کر ہو اور جاہلوں کے چھلنے کو ہو جائے کہ ہم شفاعت کے منکر نہیں۔

عقیدہ :- منصب شفاعت حضور کو دیا جا چکا۔ حضور فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم کہ اُعْطِیْتُ الشَّفَاعَۃَ "مجھے شفاعت کا منصب عطا کیا گیا" اور ان کا رب فرماتا ہے

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ مغفرت چاہو اپنے خاصوں کے گناہ اور عام مومنین و مومنات کے گناہوں کی۔" شفاعت اور کس کا نام ہے۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا شَفَاعَةَ حَبِيْبِكَ الْكَرِيْمِ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ
اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝

عقیدہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وبارک وسلم کی محبت، مدار ایمان، بلکہ ایمان اسی محبت کا نام ہے۔ جب تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت ماں باپ اولاد اور تمام جہاں سے زیادہ نہ ہو آدمی مسلمان نہیں ہو سکتا۔

تشریح، قرآن کریم کا ارشاد گرامی ہے قل ان کان آباءکم وابناءکم الآیۃ "تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہاری پسند کا مکان۔ یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو۔ یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جسے دنیا جہاں میں کوئی معزز کوئی عزیز، کوئی مال کوئی چیز، اللہ ورسول سے زیادہ پیارا ہو وہ بارگاہ الٰہی سے مردود ہے۔ اللہ اسے اپنی طرف راہ نہ دے گا۔ اسے عذاب الٰہی کے انتظار میں رہنا چاہیئے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ ماں باپ کی محبت اپنی اولاد سے، اولاد کی محبت اپنے ماں باپ سے۔ بھائی بہنوں کی باہمی محبت، میاں بیوی کے درمیان گہرا تعلق، خویش واقارب سے قلبی رابطہ۔ تجارت اور مال واسباب سے علاقہ قلبی، یہ سب وہ چیزیں ہیں جن کے ساتھ محبت ہونا، انسانی فطرت میں داخل ہے اور اسلام چونکہ دین فطرت ہے اسلئے وہ انسان کے فطری تقاضوں پر ایسی بندشیں نہیں لگاتا کہ اس کی زندگی اجیرن بن جائے اس لئے یہ حکم نہیں دیا کہ ان چیزوں کی طرف کوئی مسلمان توجہ ہی نہ دے اور ان سے بالکلیہ قطع تعلق رکھے۔

اسلام کے نزدیک ماں باپ اولاد بھائی بہن اور مال ومتاع اور کسب وتجارت کی محبت بجائے خود ممنوع نہیں صرف اس کی وہ صورت ممنوع ہے جب وہ خدا ورسول کی محبت اور احکام شریعت کی تعمیل میں سدِ راہ بننے لگے یعنی اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا

کہ مسلمان ان چیزوں کی محبت میں کھو جائے اور خدا اور رسول کو بھول جائے
اسلام کہتا ہے کہ اگر کہیں ایسی صورت رونما ہو جائے کہ ان چیزوں سے رابطہ و علاقہ، خدا اور رسول کی محبت پر غالب آنے لگے تو ان تمام علاقوں کو پھلانگتے ہوئے آگے بڑھ جاؤ اور خدا اور رسول کی محبت کو اپنے سینہ سے لگاؤ کہ یہی ایمان ہے۔ خدا اور رسول کے لئے عزیز و اقارب چھوٹتے ہیں تو چھوڑ دو۔ املاک و اموال تلف ہوتے ہیں تو ہونے دو راحت و آسائش ختم ہوتی ہے تو ہونے دو۔ ایمان ہے تو یہ سب کچھ حاصل ہو جائے گا اور یہ سب کچھ ہو اور ایمان نہ رہے تو دنیا و آخرت دونوں میں خسران ہی خسران ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں صاف صاف ارشاد فرمایا گیا کہ تم میں سے کوئی شخص ہرگز مسلمان نہیں ہو سکتا، جب تک میں اسے اس کے ماں باپ اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہوں۔
اس حدیث نے یہ بات صاف فرمادی کہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو عزیز رکھے ہرگز مسلمان نہیں۔ غرض اللہ و رسول کی محبت۔ ان تمام انواع محبت پر غالب تر ہے تب تو سب کچھ ٹھیک ہے لیکن اگر خدانخواستہ، اللہ و رسول کی محبت سے ان اشخاص یا ان اشیاء کی محبت بڑھ گئی تو پھر عتاب الٰہی سے آدمی کو کوئی چیز بچا نہیں سکتی۔ دنیا میں ذلت و خواری ہے اور آخرت میں بھی روسیاہی اسے عذاب الٰہی کے انتظار میں رہنا چاہیئے۔
عقیدہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت، عین طاعت الٰہی ہے، طاعتِ الٰہی بے طاعت حضور ناممکن ہے۔ یہاں تک کہ آدمی اگر فرض نماز میں ہو اور حضور اسے یاد فرمائیں فوراً جواب دے اور حاضر خدمت ہو۔ اور یہ شخص کتنی ہی دیر تک حضور سے کلام کرے بدستور نماز میں ہے۔ اس سے نماز میں کوئی خلل نہیں آتا۔
تشریح:۔ ارشاد خداوندی ہے وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا الآیۃ یعنی نہیں پہنچتا کسی مسلمان مرد، نہ کسی مسلمان عورت کو کہ جب حکم کریں اللہ و رسول کسی بات کا، کہ انہیں کچھ اختیار رہے اپنی جانوں کا اور جو حکم نہ مانے، اللہ و رسول کا تو وہ صریح گمراہی میں بہکا۔
ائمہ مفسرین فرماتے ہیں حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل طلوع آفتاب

آفتاب زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مول لے کر آزاد فرمایا اور متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) بنایا تھا۔ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح کا پیغام دیا۔ اوّل تو راضی ہوئیں اس گمان سے کہ حضور اپنے لئے خواستگاری فرماتے ہیں۔ جب معلوم ہوا کہ زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے طلب ہے، انکار کیا اور عرض کر بھیجا کہ یا رسول اللہ میں حضور کی پھوپھی کی بیٹی ہوں، ایسے شخص کے ساتھ اپنا نکاح پسند نہیں کرتی، اور ان کے بھائی عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسی بنا پر انکار کیا اس پر یہ آیۂ کریمہ اُتری اسے سن کر دونوں بہن بھائی رضی اللہ تعالیٰ عنہما تائب ہوئے اور نکاح ہو گیا۔

ظاہر ہے کہ کسی عورت پر اللہ عزوجل کی طرف سے فرض نہیں کہ فلاں سے نکاح پر خواہی نخواہی راضی ہو جائے خصوصاً جبکہ وہ اس کا کفو نہ ہو۔ خصوصاً جبکہ عورت کی شرافتِ خاندانی کواکب ثریا سے بھی بلند و بالاتر ہو۔ باینہمہ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیا ہوا پیغام نہ ماننے پر، ربّ العزت جلّ جلالہٗ نے بعینہٖ وہی الفاظ ارشاد فرمائے جو کسی فرض الٰہی کے ترک پر فرمائے جاتے۔ اور رسول کے نام پاک کے ساتھ اپنا نام اقدس بھی شامل فرمایا۔

یعنی رسول جو بات تمہیں فرمائیں وہ اگر ہمارا فرض نہ تھی تو اب ان کے فرمانے سے فرض قطعی ہو گئی۔ مسلمانوں کو اس کے نہ ماننے کا اصلا اختیار نہ رہا۔ جو نہ مانے گا صریح گمراہ ہو جائے گا، دیکھو رسول کے حکم دینے سے کام فرض ہو جاتا ہے اگرچہ فی نفسہٖ خدا کا فرض نہ تھا ایک مباح و جائز امر تھا۔

ائمہ محققین تصریح فرماتے ہیں کہ احکام شریعت حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سپرد ہیں۔ جو بات چاہیں واجب کر دیں جو چاہیں ناجائز فرما دیں۔ جس چیز یا جس شخص کو جس حکم سے چاہیں مستثنیٰ فرما دیں۔ لہٰذا قدیم سے عرف علمائے کرام میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو شارع کہتے ہیں کہ شریعت اسلامی حضور کی مقرر کی ہوئی ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وبارک وشرّف وکرّم۔

بخاری شریف میں ہے سعید بن معلیٰ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نماز پڑھ رہا تھا کہ مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یاد فرمایا۔ میں نے جواب نہ دیا۔ (جب نماز سے فارغ ہوا تو حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا (اب فارغ ہوکر حاضر بارگاہ ہوں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ الآیۃ اللہ و رسول کے پاس حاضر ہو جاؤ جب رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے گی۔"

ایسا ہی دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت ابی بن کعب نماز پڑھتے تھے۔ حضور نے انہیں پکارا۔ انہوں نے جلدی نماز تمام کرکے سلام عرض کیا۔ حضور نے فرمایا "تمہیں جواب دینے سے کیا چیز مانع ہوئی؟" عرض کیا، حضور میں نماز میں تھا۔ حضور نے فرمایا کیا تم نے قرآن کریم میں یہ نہیں پایا کہ اللہ و رسول کے بلانے پر حاضر ہو"، عرض کیا۔ بے شک۔ "آئندہ ایسا نہ ہوگا۔"

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی آدمی نماز پڑھ رہا ہو اور حضور اسے بلائیں تو اسے بلا تاخیر حاضر خدمت ہو جانا چاہیے اس کی نماز نہیں ٹوٹے گی۔ اِجَابَةُ الرَّسُولِ لَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ (مظہری) اور یہ بھی ثابت ہوا کہ رسول اللہ کا بلانا بھی، اللہ ہی کا بلانا ہے۔ جلّ وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابدا

عقیدہ: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم یعنی اعتقاد عظمت جزو ایمان و رکن ایمان ہے اور فعل تعظیم بعد ایمان ہر فرض سے مقدم ہے۔

تشریح: رب عزوجل فرماتا ہے إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ ۚ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا ۝ اے نبی بے شک ہم نے بھیجا تمہیں گواہ اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔ تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح شام اللہ کی پاکی بولو۔

مسلمانو! دیکھو۔ دین اسلام بھیجنے، قرآن مجید اتارنے کا مقصود ہی تمہارا مولیٰ تبارک وتعالیٰ تین باتیں بتاتا ہے۔

اوّل: یہ کہ لوگ اللہ و رسول پر ایمان لائیں۔

دوئم یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کریں۔
سوئم یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں رہیں۔
مسلمانو! ان تینوں جلیل باتوں کی جمیل ترتیب تو دیکھو۔ سب میں پہلے ایمان کو فرمایا اور سب میں پیچھے اپنی عبادت کو۔ اور بیچ میں اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کو۔ اس لئے کہ بغیر ایمان، تعظیم بکار آمد نہیں۔ بہتیرے نصاریٰ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم اور حضور پر سے، دفع اعتراضات کافران لیئم میں تصنیفیں کر چکے لکھ دے چکے مگر جبکہ ایمان نہ لائے کچھ مفید نہیں کہ یہ ظاہری تعظیم ہوئی۔ دل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت ہوتی تو ضرور ایمان لاتے۔
پھر جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی تعظیم نہ ہو عمر بھر عبادت الٰہی میں گزارے سب بیکار و مردود ہے۔ بہتیرے جوگی اور راہب، ترک دنیا کر کے اپنے طور پر ذکر و عبادت الٰہی میں عمر کاٹ دیتے ہیں بلکہ ان میں بہت وہ ہیں کہ لاالہ الا اللہ کا ذکر سیکھتے اور ضربیں لگاتے ہیں۔ مگر ازاں جا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم نہیں۔ کیا فائدہ۔ اصلاً قابل قبول بارگاہ الٰہی نہیں۔ اللہ عز وجل ایسوں ہی کو فرماتا ہے وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰہُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا۔ جو کچھ اعمال انہوں نے کئے ہم نے سب برباد کر دیئے۔ ایسوں ہی کو فرماتا ہے عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ تَصْلٰی نَارًا حَامِیَةً ۔ عمل کریں مشقتیں بھریں اور بدلہ کیا ہوگا۔ یہ کہ بھڑکتی آگ میں داخل ہوں گے۔ والعیاذ باللہ تو ضرور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم مدار ایمان ہے۔ مدار نجات ہے اور مدار قبول اعمال ہے۔ بلکہ ایمان کی تو یہ ہے کہ ایمان صرف حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و محبت و عظمت کا نام ہے تو جس کے دل میں تعظیم و محبت و عظمت زائد، اسی قدر اس کا ایمان اکمل۔ اور جس قدر کم، اتنا ہی ایمان ناقص۔ اور جس کے دل میں بالکل نہیں وہ مطلقاً کافر ہے۔
اہل ادب و ایمان کے نزدیک، تعظیم و محبت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اصل کار، واہم فرائض اور جملہ اعمال حسنہ کی مقبولیت کی مناط ہے۔ اسلام کے فرائض میں سب سے اہم ارکان اسلام ہیں۔ اور ارکان اربعہ میں، نماز سب سے اہم و اقدم۔ اور تعظیم و محبت حضور پر نور صلی اللہ

علیہ وسلم قطعاً نماز سے اہم و اعظم ہے۔

اس کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے کہ غزوہ خیبر سے واپسی میں، منزل صہبا پر، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر پڑھ کر، سیدنا امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے زانوئے مبارک پر سر اقدس رکھ کر آرام فرمایا۔ مولیٰ مشکل کشا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنیٰ نے ابھی نماز نہ پڑھی تھی۔ آنکھ سے دیکھ رہے تھے کہ وقت جا رہا ہے۔ جب وقت اور تنگ ہونے پر آیا مضطرب ہوئے کہ اگر اٹھتا ہوں یا زانو سرکاتا ہوں تو محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب راحت میں خلل آتا ہے۔ معہذا کیا معلوم کہ حضور کو خواب میں کیا وحی ہو رہی ہو۔ اور اگر بیٹھا رہتا ہوں تو نماز جاتی ہے۔ آخر وہی تعظیم و محبت کا پہلو غالب آیا اور اسد اللہ الغالب نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جگا دینے پر نماز جانے کو گوارا کیا۔ زانو نہ ہٹایا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ اب کہ وقت مغرب ہوا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم حق بیں کھلی۔ مولیٰ علی کو مضطرب پایا سبب دریافت کیا۔ عرض کی یارسول اللہ میں نے عصر کی نماز نہ پڑھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دست مشکل کشائی بلند فرمائے۔ اور اپنے رب عزوجل سے عرض کی۔ الٰہی علی تیرے رسول کے کام میں تھا۔ اور آفتاب کو حکم دیا کہ پلٹ آئے۔ فوراً ڈوبا ہوا آفتاب۔ افق غربی سے حکم کا باندھا ہوا کھینچا چلا آیا۔ وقت عصر ہو گیا۔ امیر المؤمنین نے نماز عصر ادا فرمائی پھر ڈوب گیا۔ امام اجل ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ ائمہ نے اس حدیث کی تصحیح فرمائی۔

اس سے ثابت ہوا کہ افضل العبادت نماز، اور وہ بھی صلوٰۃ وسطیٰ نماز عصر، مولیٰ علی نے حضور کی نیند پر قربان کر دی کہ عبادتیں بھی ہمیں حضور ہی کے صدقہ میں ملیں اور حضور ہی کی عظمتوں کے طفیل قبول ہوں گی۔

اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جان کا رکھنا، سب سے زیادہ اہم فرض ہے اگر دشمنوں کے ہجوم میں، نماز پڑھنے میں، معاذ اللہ، جان کی ہلاکت کا یقین ہو اس وقت ترک نماز کی اجازت ہو گی۔ لیکن امام الصدیقین، اکمل الاولیاء العارفین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و محبت کو، حفظ جان پر مقدم رکھا۔

سفر ہجرت میں جب آفتاب رسالت و ماہتاب صدیقیت صلی اللہ علیہ وسلم، برج ثور، بیت الشرف قمر میں، اجتماع نیترین کی طرح غار ثور میں جلوہ فرما ہوئے۔ صدیق اکبر نے نے اپنے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ حضور باہر توقف فرمائیں پہلے میں اندر جا کر غار کو صاف کر دوں کہ شاید کوئی چیز ہو۔

غار چند ہزار سال کا تھا۔ بہت سوراخ تھے۔ صدیق اکبر نے سنگریزوں سے، پھر کپڑے پھاڑ پھاڑ ان سے بند کیے۔ ایک سوراخ رہ گیا۔ اس میں پاؤں کا انگوٹھا رکھا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بلایا۔ حضور اندر تشریف لے گئے اور ان کے زانو پر سر انور رکھ کر آرام فرمایا۔ اس غار میں ایک سانپ، مدت سے بہ تمنائے دیدار، فائض الانوار حضور پر نور سید الابرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رہتا تھا کہ اس نے قرون سابقہ میں، علمائے امم سابقہ کو باہم ذکر کرتے سنا تھا کہ حضور اقدس نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ کو ہجرت اور غار ثور میں اقامت فرمائیں گے۔ سانپ نے اپنا سر، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انگوٹھے پر رگڑا۔ انہوں نے جانا کہ سانپ ہے مگر اس خیال سے کہ جان جائے مگر محبوب کی نیند میں خلل نہ آئے پاؤں نہ ہٹایا یہاں تک کہ اس نے کاٹا۔ صدیق اکبر نے بکمال ادب، جنبش نہ کی مگر شدت، ضبط کے باعث آنسو، نکل کر، رخسارۂ محبوب رب العلمین پر پڑے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چشم جانفزا کھلتی حال پوچھا۔ عرض کیا لُدِغتُ بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ یَا رَسُوْلَ اللہِ۔ یا رسول اللہ میرے ماں باپ، حضور پر قربان مجھے سانپ نے کاٹ لیا ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لعاب دہن اقدس لگا دیا فوراً آرام ہو گیا۔ ہر سال وہ زہر عود کرتا۔ بارہ سال بعد اسی سے شہادت پائی۔ (افادات رضویہ)

امام اہلسنت اعلیحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے کیا خوب فرمایا:-

مولیٰ علی نے واری تری نیند پر نماز
اور وہ بھی عصر، سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے

صدیق بلکہ غار میں جاں اپنی دے چکے
اور حفظ جاں تو جان، فروض غرر کی ہے

تو نے انہیں نماز، انہیں پھیر دی حیات
پر وہ تو کر چکے تھے جو کرنی بشر کی ہے

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض، فروع ہیں
اصل الاصول بندگی، اس تاجور کی ہے

یہی وہ تعظیم و محبت ہے جس نے صدیق اکبر کو، انبیاء و مرسلین کے بعد تمام عالم تمام خلق اللہ، تمام اولیاء، تمام عرفاء سے افضل واکرم واکمل واعظم بنا دیا۔ یہی وہ سر ہے جس کی نسبت حدیث میں آیا کہ ابوبکر کو کثرت صوم وصلوٰۃ کی وجہ سے تم پر فضیلت نہ ہوئی بلکہ اس کے سر کے سبب جو اس کے دل میں راسخ ومتمکن ہے۔ یہی وہ راز ہے جس کے باعث ارشاد ہوا "اگر ابوبکر کا ایمان میری تمام اُمت کے ایمان کے ساتھ وزن کیا جائے تو ابوبکر کا ایمان غالب آئے۔"

فائدہ:۔ امام الوہابیہ نے اپنی کتاب تقویت الایمان میں لکھا "جیسا ہر قوم کا چودھری اور گاؤں کا زمیندار، اسی طرح ہمارے پیغمبر سارے جہان کے سردار ہیں۔"

مسلمانو! بادشاہ تو بادشاہ۔ ایک کلکٹر کے لئے یہی بات کہی جائے تو اس کی توہین ہے مگر وہابیہ کے ایمان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بس یہ قدر ہے۔

اسی میں لکھا اور لکھ کر چھاپا "ان کو اللہ نے بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے ہم چھوٹے پھر اسی میں لکھا "سو بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجیے۔"

مسلمانو! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی بڑی توہین ہے۔ باپ کے برابر بھی نہ رکھا۔ اس پر دعوے ہیں کہ ہم چنین وچناں ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان وہابیہ کے ہر کید ومکر سے ہر سنی مسلمان کو اپنی پناہ میں رکھے۔ اور لطف یہ کہ اسماعیل دہلوی نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا بھائی کہا۔ اس کی حمایت میں گنگوہی صاحب نے اپنے فتاوی حصہ میں لکھتے ہیں "خود آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ مجھ کو بھائی کہو" اب تمام وہابیہ اور ان کے اعوان وانصار جلد بتائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہاں فرمایا ہے کہ مجھ کو بھائی کہو۔ ورنہ اقرار کریں کہ گنگوہی صاحب نے جھوٹی حدیث دل سے گڑھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت افتراء کیا اور اپنے منہ آپ ہی لعنت پائی۔ اور حدیث گڑھ کر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء کر کے، حضور کے مقابلہ میں اس کی حمایت

کر کے، خود ہی فیصلہ کریں کہ یہاں پہنچے۔

عقیدہ ۵: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توقیر جس طرح اس وقت تھی کہ حضور انور اس عالم میں ظاہری نگاہوں کے سامنے تشریف فرما تھے اب بھی اسی طرح فرض اعظم ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پاک آئے تو بکمال خشوع و خضوع وانکسار بادب سنے۔ اور نام پاک سنتے ہی درود شریف پڑھنا واجب ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَآلِہِ الْکِرَامِ

وَاَصْحَابِہِ الْعِظَامِ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

عقیدہ ۶: محبت اس عالی جناب صلی اللہ علیہ وسلم کی عین ایمان، بلکہ ایمان کی تو یہ ہے کہ ایمان کی بھی جان ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اَلَا لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا مَحَبَّۃَ لَہٗ یعنی جس کے دل میں محبت نہیں ایمان نہیں۔ اور فرمایا جاتا ہے لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ یعنی تم میں سے کوئی مسلمان نہیں ہوتا جب تک میں اسے اس کے ماں باپ، اولاد، اور سب آدمیوں سے زیادہ عزیز نہ ہوں اور قاعدہ کی بات ہے جو جسے زیادہ عزیز رکھتا ہے اسی کا ذکر اس کا وظیفہ ہو جاتا ہے۔ مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ۔

تشریح: آفتاب نیم روز کی طرح روشن کہ آدمی ہمہ تن۔ اپنے محبوب کے فضائل و کمالات اور محامد و محاسن کے ذکر اور اس کے پھیلانے میں مشغول رہتا ہے اور جو بات اس کی خوبی و تعریف کی سنتا ہے کیسی خوشی و طیب خاطر سے اظہار کرتا ہے۔ سچی فضیلتوں کا میٹنا اور شام و سحر نفی اوصاف کی فکر میں رہنا، جیسا کہ وہابیہ کا عام وتیرہ ہے، کام دشمن کا ہے نہ کہ دوست کا پھر محبوب بھی کیسا، جانِ ایمان و کانِ احسان جس کے جمال جہاں آرا کا نظیر کہیں نہ ملے گا۔ اور خامۂ قدرت نے اس کی تصویر بنا کر ہاتھ کھینچ لیا کہ پھر کبھی ایسا نہ لکھے گا۔ کیسا محبوب جسے اس کے مالک نے تمام جہان کے لئے رحمت بھیجا۔ کیسا محبوب۔ جس نے اپنے تن پر ایک عالم کا بار اٹھا لیا۔ کیسا محبوب جس نے تمہارے غم میں، دن کا کھانا، رات کا سونا ترک کر دیا۔ تم رات دن اس کی نافرمانیوں میں منہمک اور لہو و لعب میں مشغول ہو، اور وہ تمہاری

بخشش کے لئے شب و روز گریاں و ملول ہے۔

صبح قریب ہے۔ ٹھنڈی نسیموں کا پنکھا چل رہا ہے۔ ہر ایک کا جی، اس وقت آرام کی طرف جھکتا ہے۔ بادشاہ اپنے گرم بستروں، نرم تکیوں میں مست خواب ناز ہے۔ اور جو محتاج بے نوا ہے اس کے بھی پاؤں، دوگز کی کملی میں دراز ہے۔ ایسے سہانے وقت میں، وہ معصوم بے گناہ۔ پاک دامن، عصمت پناہ، اپنی راحت و آسائش کو چھوڑ، خواب و آرام سے منہ موڑ، جبین نیاز، آستانۂ عزت پر رکھے کہ الٰہی میری اُمت سیہ کار ہے درگذر فرما۔ اور انہیں آتش دوزخ سے بچا۔

روایات صحیحہ سے ثابت کہ جب وہ جان رحمت و کان رافت پیدا ہوا، دربارِ الٰہی میں سجدہ کیا اور رَبِّ هَبْ لِیْ اُمَّتِیْ فرمایا۔ اور جب قبر شریف میں اتارا تو لب جاں بخش کو جنبش تھی بعض صحابہ نے کان لگا کر سنا تو آہستہ آہستہ اُمّتی اُمّتی فرما رہے تھے۔

بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں جب انتقال کروں گا تو صور پھونکنے کے وقت تک قبر میں امتی امتی پکاروں گا۔" کان بجنے کا یہی سبب ہے کہ اکثر اوقات، بلکہ ہر آن، وہ آواز جاں گداز، اس معصوم عاصی نواز کی بلند ہے جو گاہے ہم جیسے کسی غافل و مدہوش کے گوش تک پہنچتی ہے اور روح اس کا ادراک کرتی ہے۔ اسی سبب سے اس وقت درود شریف پڑھنا مستحب ہوا۔ کہ جو محبوب ہر آن ہماری یاد میں ہے کچھ دیر ہم حرماں نصیب بھی اس کی یاد میں صرف کریں۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی نَبِیِّكَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمٖ

غرض ایسے غم خوار کی مدح و ستائش میں منہمک رہنا اور ان کی یاد، ان کے ذکر، اُن کے فضائل کے چرچوں سے آنکھوں کی روشنی اور دل کو ٹھنڈک پہنچانا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کی علامتوں سے ایک بڑی علامت ہے۔ (نفی الفی وغیرہ)

چند علاماتِ محبتِ رسول

اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی علامت یہ بھی ہے کہ درود شریف کی کثرت کرے۔ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے۔ کھڑے ہوکر، بیٹھ کر، تنہائی میں، مجمع میں، آہستہ یا آواز سے۔ جیسے اور جہاں میسر ہو درود شریف کی قرأت میں مشغول رہے کہ بہترین وظیفہ اور قرب الٰہی کا اعلیٰ ذریعہ ہے۔ درود شریف کے لئے رب عزوجل کا حکم مطلق ہے۔ کسی زمان، کسی مکان، کسی وقت اور کسی حالت کا، اس میں استثنار نہیں کہ فلاں وقت، فلاں جگہ، فلاں حالت میں نہ پڑھو تو ہر وہ محل، ہر وہ موقع اور ہر وہ حال، کہ شرعاً ذکر و اذکار کی ممانعت وارد نہ ہو جب بھی درود شریف پڑھا جائے گا۔ اسی حکم الٰہی کی تعمیل میں ہوگا۔ اسی لئے ہر بار درود شریف پڑھنے میں ادائے فرض کا ثواب ملتا ہے کہ وہ سب اسی فرض مطلق کے تحت میں داخل ہے جس کا قرآن کریم حکم دیتا اور ایمان والوں کو ترغیب دلاتا ہے تو جتنا بھی پڑھیں گے فرض ہی میں شامل ہوگا۔ ادائے فرض ہی کا ثواب پائے گا۔ نظیر اس کی تلاوت قرآن کریم ہے کہ ویسے تو فرض، نماز میں ایک ہی آیت کا پڑھنا ہے اور اگر ایک رکعت میں سارا قرآن عظیم تلاوت کر لیا تو سب فرض ہی میں داخل ہوگا اور فرض ہی کا ثواب ملے گا۔ وہابیہ کہ مسلمانوں کو اس سے خصوصاً قبل اذان پڑھنے سے روکتے اور اس کا پڑھنا بدعت و شرک بتاتے ہیں ان کی نہ سنے کہ ان کا تو کام ہی قدم قدم پر شان رسالت کی توہین و تنقیص ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

تنبیہ ضروری:۔ نام اقدس لکھے تو درود شریف ضرور لکھے کہ بعض علماء کے نزدیک اس وقت درود شریف لکھنا واجب ہے۔ خواہ صلی اللہ علیہ وسلم یا علیہ الصلوٰۃ والسلام یا کوئی اور صیغہ، درود شریف۔

اکثر لوگ آج کل "صلی اللہ علیہ وسلم" کے بدلے صلعم۔ "علیہ السلام" کی بجائے۔ عم یا ص۔ عم لکھ دیتے ہیں یہ ناجائز و سخت حرام ہے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے جس نے ایسا لکھا اس کے ہاتھ قلم کر دیئے گئے کہ ایسے مقدس نام کے لیے ذرا سے وقت

ذرا سے کاغذ، اور ذرا سی سیاہی میں اتنا بخل۔

یونہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جگہ رض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جگہ رح۔ لکھتے ہیں یہ بھی نہ چاہئے جن لوگوں کے نام محمد۔ احمد۔ علی۔ حسن۔ حسین وغیرہ ہوتے ہیں ان ناموں پر ص۔ ع بناتے ہیں یہ بھی ممنوع ہے کہ اس جگہ تو یہ شخص مراد ہے اس پر درود شریف یا دوسرے الفاظ کے اشاروں کی کیا مطلب۔

محبت کی یہ بھی علامت ہے کہ آل و اصحاب، مہاجرین و انصار، ازواج مطہرات بنات طاہرات اور جمیع متعلقین و متوسلین سے محبت رکھے اور ان سب کے دشمنوں، بدگویوں، ان کی بارگاہ میں گستاخوں سے عداوت رکھے اگرچہ وہ اپنا باپ یا بیٹا یا بھائی یا کنبہ کے کیوں نہ ہوں۔

تشریح: قرآن کریم کا ارشاد گرامی ہے لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ الآیہ۔

یعنی تو نہ پائے گا انہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ اور قیامت پر کہ ان کے دلوں میں ایسوں کی محبت آنے پائے جنہوں نے خدا اور رسول سے مخالفت کی۔ چاہے وہ ان کے باپ بیٹے بھائی یا عزیز ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش کر دیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی اور انہیں باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔ ہمیشہ رہیں گے ان میں اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ یہی لوگ اللہ والے ہیں۔ سنتا ہے اللہ والے ہی مراد کو پہنچے۔"

اس آیۂ کریمہ نے صاف فرما دیا کہ جو اللہ یا رسول کی جناب میں گستاخی کرے، مسلمان اس سے دوستی نہ کرے گا۔ جس کا صریح مفاد ہوا کہ جو ایسوں سے دوستی کرے وہ مسلمان نہ ہوگا۔ پھر اس حکم کا قطعاً عام ہونا بالتصریح ارشاد فرمایا کہ باپ بیٹے بھائی عزیز سب کو گنایا۔ یعنی کوئی کیسا ہی تمہارے زعم میں معظم یا کیسا ہی تمہیں بالطبع محبوب ہو" ایمان ہے تو گستاخی کے بعد اس سے محبت نہیں رکھ سکتے اس کی وقعت نہیں مان سکتے ورنہ مسلمان نہ رہوگے۔

مسلمانو! خدالگتی کہنا اور ایمان کے دل پر ہاتھ رکھ کر، انصاف کی نگاہوں سے دیکھ کر فیصلہ کرنا کہ اگر کچھ لوگ تمہارے کسی معظم دینی و دنیاوی کو برا بھلا کہنا ان کی شان میں گستاخیاں کرنا، ان کی خوبیوں پر خاک اڑانا، ان پر جا و بے جا تنقید اور ان کی توہین و تنقیص کو اپنا شعار بنالیں۔ ان پر تہمتیں تراشنا، ان پر لعن طعن کرنا اپنا پیشہ اور اپنا رات دن کا وطیرہ ٹھہرالیں تو کیا انہیں دیکھ کر اور ان کی سن کر، تمہارے دماغ نہ کھول جائیں گے اور کیا تمہاری آنکھوں میں خون نہ اتر آئے گا۔ بالفرض اگر تمہارا ان پر قابو نہ چلے تم ان کے خلاف کچھ نہ کرسکو تو اتنا تو بالیقین ہے کہ تم ان کی طرف نگاہ اٹھانا بھی گوارا نہ کروگے اور تنکا توڑ ان سے علیحدہ ہو جاؤ گے۔

لِلّٰہ انصاف! محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم، ان کی ازواج مطہرات ان کے اہل بیت، ان کے اصحاب، ان کے دین کے اولیاء، ان کی شریعت کے علماء خلفائے راشدین، بالخصوص صدیق اکبر و فاروق اعظم، ان کی اولاد امجاد خصوصًا شہزادۂ گلگوں قبا، امام حسین شہید کربلا، رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عزتیں عظمتیں وجاہتیں رفعتیں زائد، یا تمہارے آباء و اجداد وغیرہم کی عزتیں؟ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زائد یا تمہاری ماں؟

اللہ اللہ وہ صدیقہ بنت الصدیق ام المومنین، جن کا محبوبۂ سید المرسلین محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ ابیہا وعلیہا وسلم ہونا، آفتاب نیم روز سے روشن تر۔ وہ صدیقہ جن کی تصویر، بہشتی حریر میں، روح القدس خدمت اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر لائیں۔ وہ ام المومنین کہ جبریل امین باآں فضل مبین انہیں سلام کریں اور ان کے شانۂ عزت میں بے اذن لئے حاضر نہ ہو سکیں۔ وہ صدیقہ کہ اللہ عزوجل وحی نہ بھیجے ان کے سوا، ازواج مطہرات میں سے کسی اور کے لحاف میں۔ وہ ام المومنین کہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی سفر میں ان کے تشریف لے جائیں، ان کی یاد میں واعروساہ فرمائیں۔ وہ صدیقہ کہ یوسف صدیق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی براءت کی شہادت، اہل زلیخا سے ایک بچہ ادا کرے۔ بتول مریم کا تبریہ روح اللہ وکلمۃ اللہ فرمائے۔ مگر ان کی براءت و

طہارت اور پاکدامنی کی گواہی میں قرآن کی آیتیں نزول فرمائیں۔ وہ ام المومنین کہ محبوب رب العلمین صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پانی پینے میں دیکھتے رہیں کہ کوزے میں کس جگہ، لب مبارک رکھ کر پانی پیا ہے۔ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ان کے لبہائے مبارک خداپسند، وہیں رکھ کر پانی نوش فرمائیں۔ اور گمراہ فرقے خذلہم اللہ تعالیٰ ان پر طعنہ زن ہوں اور پھر بھی مسلمان کہلانے، کلمہ پڑھنے والے ان سے دوستی رچائیں لا واللہ ہر گز نہیں۔

الغرض قادیانی ہوئے رافضی ہوئے وہابی ہوئے چکڑالوی ہوئے نیچری ہوئے اور ایسے ہی اور ہوئے ان کے اقوال واحوال اور عقائد واعمال ان کی کتابوں سے ظاہر ہیں انہیں اٹھا کر دیکھ لو۔ تمہارا دین، تمہارا ایمان، آپ ہی بتادے گا کہ جن کے یہ عقیدے یہ اقوال ہیں وہ اللہ ورسول کے دشمن ہیں یا دوست۔ اور ان کے دلوں میں اسلام کا مغز ہے یا پوست۔ اور جو انصاف نہ کرے اس کا حساب، اللہ واحد قہار کے یہاں ہے اور جو اللہ ورسول کی سچی محبت سامنے رکھ کر جانچے تو بحمدہٖ تعالیٰ حق، آفتاب سے زیادہ عیاں ہے۔

علماء فرماتے ہیں جس طرح دوست تین ہیں۔ ایک تو تیرا دوست، دوسرے تیرے دوست کا دوست، تیسرے تیرے دشمن کا دشمن۔ یونہیں تیرے دشمن بھی تین ہیں۔ ایک تو آپ تیرا دشمن دوسرے تیرے دوست کا دشمن۔ تیسرے تیرے دشمن کا دوست۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قسم اول کے دشمن تو کھلے کفار نابکار ہیں اور قسم دوم کے دشمن یہی رافضی ناصبی خارجی وہابی وغیرہ ہیں کہ محبوبان خدا وائمہ ہدیٰ کے اعداء ہیں اور قسم سوم کے دشمن وہ گمراہ فرقے ہیں جو ان سے اتحاد و وداد مناتے اور ان سے دوستی ومحبت کو اخوت اسلامی کا نام دے کر، اسلام کا فرض اعظم ٹھہراتے ہیں۔

ع ببیں کہ از کہ بریدی وبا کہ پیوستی

اللہ تعالیٰ سب دشمنوں کے شر سے بچائے اور مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی محبت اور ان کے سب دشمنوں سے کامل عداوت عطا فرمائے اور اسی حب وبغض پر کہ اسے محبوب ومقبول ہے دنیا سے اٹھائے آمین بجاہ النبی الکریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔

(افادات رضویہ)

نیز علامت محبت یہ بھی ہے کہ شان اقدس میں جو الفاظ استعمال کئے جائیں ادب میں ڈوبے ہوئے ہوں۔ کوئی ایسا لفظ جس میں سوء ادبی یعنی کم تعظیمی کی بو بھی ہو کبھی زبان پر نہ لائے۔

شفا شریف امام قاضی عیاض میں ہے کہ ایک جوان نیک مشہور سے کسی نے کہا چپ رہ کہ تو امی (ناخواندہ ناواقف) ہے اس کی زبان سے نکلا کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی نہ تھے۔ فَکَفَّرَہُ النَّاسُ اس پر علماء نے اسے کافر کہا۔ وہ ڈرا اور پشیمان ہوا۔ امام ابوالحسن قابسی نے فرمایا "کافر کہنا تو ٹھیک نہیں۔ ہاں یہ اس کی غلطی اس کا قصور ہے (کہ اپنے امی ہونے کو حضور کے امی ہونے پر قیاس کر بیٹھا) کَوْنُ النَّبِیِّ اُمِّیًّا اٰیَۃٌ لَہٗ وَکَوْنُ ھٰذَا اُمِّیًّا نَقِیْصَۃٌ فِیْہِ وَجَھَالَۃٌ۔ امی ہونا حضور کے لئے معجزہ ہے اور اس کا امی وناخواندہ ہونا اس میں عیب وجہالت ہے سزا کا مستحق تھا اب کہ نادم ہوا چھوڑ دیا جائے۔

قرآن کریم کا ارشاد گرامی ہے یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔

"اے ایمان والو رَاعِنَا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں۔ اور پہلے ہی سے بغور سنو۔ اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے"

شانِ نزول اس آیۂ کریمہ کا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابۂ کرام کو کچھ تعلیم وتلقین فرماتے یا تبلیغ کرتے ہوئے اور لوگ کوئی بات سن نہ پاتے تو وہ قدرۃً دوبارہ آپ کو اپنی جانب متوجہ کرنا چاہتے اور عرض کرتے رَاعِنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ۔ اس کے معنی یہ تھے کہ یارسول اللہ ہمارے حال کی رعایت فرمائیے یعنی کلام اقدس کو اچھی طرح سمجھ لینے کا موقع دیجئے"، لیکن یہود کی عبرانی زبان میں یہی لفظ ایسے معنی میں مستعمل ہوتا تھا جس میں گستاخی اور بے ادبی پائی جاتی تھی۔ یہود نے ایسے موقع کے لئے ازراہِ شرارت رَاعِنَا استعمال کرنا شروع کیا تھا اس کے اصل معنی تو صرف اس قدر ہیں کہ "ہماری رعایت کیجئے"، لیکن "رَاعِنَا" کی عین کو ذرا کھینچ کر پڑھنے سے اس کے معنی میں ایک گستاخانہ مفہوم پیدا ہو جاتا تھا۔ عام مسلمان یہود کی اس شرارت سے غافل، بے خبر، خالی الذہن خود بھی بعض اوقات یہ لفظ بولتے

لگتے۔ حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہود کی اس اصطلاح سے واقف تھے۔ آپ نے ایک روز یہ کلمہ ان کی زبان سے سن کر فرمایا "اے دشمنانِ خدا تم پر اللہ کی لعنت۔ اگر میں نے اب کسی کی زبان سے یہ کلمہ سنا تو اس کی گردن مار دوں گا" یہود نے کہا۔ ہم پر تو آپ برہم ہوتے ہیں مسلمان بھی تو یہی کہتے ہیں۔" اس پر آپ رنجیدہ ہو کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہی تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں راعنا کہنے کی ممانعت فرمادی گئی اور اس معنی کا دوسرا لفظ اُنْظُرْنَا کہنے کا حکم ہوا۔ اس کے معنی ہیں ہم پر نگاہِ التفات فرمائیے۔ ہم پر نظر کیجیے"، اور پہلوئے ذم سے خالی ہے۔ آیت کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ مرتبۂ رسالت کا ادب، صرف معنوی ہی حیثیت سے نہیں، لفظی حیثیت، سے بھی ضروری ہے۔ اور انبیائے کرام کی تعظیم و توقیر اور ان کی جناب میں کلماتِ ادب، عرض کرنا فرض ہے اور جن الفاظ سے احتمال بھی اہانت کا نکلتا ہے ان سے احتیاط لازم ہے اور جس کلمہ میں ترکِ ادب کا شائبہ بھی ہو وہ زبان پر لانا ممنوع ہے۔ بلکہ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے یہاں تو ایسے الفاظ پر حد واجب ہو جاتی ہے۔ صحابۂ کرام ظاہر ہے کہ سوءِ ادب کے قصد و ارادہ سے یقیناً قطعاً بالکل بری تھے ممانعت جو کی گئی وہ یہود جیسے گستاخوں کی نیت پر حکم کر کے کی گئی۔ اور آیۂ کریمہ کے ان الفاظ میں کہ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اس کی طرف اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی جناب میں بے ادبی کفر ہے۔

پھر وَاسْمَعُوْا کا حکم دے کر یہ بھی تنبیہہ فرمادی کہ جب میرا رسول تمہیں کچھ سنا رہا ہو تو ہر بات ہمہ تن گوش ہو کر ان کے ارشادات ادب و تعظیم کے ساتھ سنو تاکہ یہ عرض کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے کہ حضور توجہ فرمائیں۔ کیونکہ یہ بھی شانِ دربارِ نبوت کے مناسب نہیں کہ ایک ایک بات تم بار بار پوچھتے رہو۔ یہ کمالِ ادب اور انتہائے تعظیم ہے جس کی تعلیم عرش و فرش کے مالک، نے غلامانِ مصطفےٰ علیہ السلام کو دی۔ اب جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف بڑے بھائی کی سی حیثیت دیتے ہیں یا اپنا جیسا بشر ثابت کرنے میں اپنی ساری قابلیتیں صرف کر دیتے ہیں وہ وہ اپنے انجام پر خود ہی غور کر لیں۔ شعر

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

عقیدہ: محبت کی یہ نشانی بھی ہے کہ حضور اقدس نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال واحوال وافعال علمار کرام اور قابل اعتماد سنی مسلمانوں سے دریافت کرے اور چھوٹے سے چھوٹے معاملہ میں بھی ان کی پیروی کرے۔

تشریح: اسی قبیل سے ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل و محاسن اور محامدہ کمالات کے بیان کرنے، سننے اور سنانے کے لئے محافل میلاد مبارک کا انعقاد جو سینکڑوں سال سے تمام اسلامی ممالک میں علمار فضلاء صلحاء اور عوام وخواص اہلسنت میں مروج ومعمول ہے۔

مجلس میلاد آخر وہی شے ہے جس کا حکم رب العزت دے رہا ہے کہ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ مجلس مبارک کی حقیقت، مجمع مسلمین کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری فضائل جلیلہ وکمالات جمیلہ کا ذکر سنانا ہے۔ طعام وشیرینی کی تقسیم اس کا جز حقیقت نہیں۔ نہ ان میں کچھ جرم۔ اوّل دعوت الی الخیر ہے اور وہ بے شک خیر۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللهِ اس سے زیادہ کس کی بات اچھی جو اللہ کی طرف بلائے۔ اور ثانی یعنی اطعام طعام یا تقسیم شیرینی، بر وصلہ و احسان وصدقہ ہے اور سب شرعاً محمود۔ ان مجالس کے لئے سنی مسلمان ہی نہیں ملائکہ بھی تداعی کرتے اور جہاں مجلس شریف ہوتے دیکھی ایک دوسرے کو بلاتے ہیں کہ آؤ یہاں تمہارا مطلوب ہے۔ پھر وہاں سے آسمان تک چھا جاتے ہیں تم دنیا کی مٹھائی بانٹتے ہو ادھر سے رحمت کی شیرنی تقسیم ہوتی ہے وہ بھی ایسی عام کہ ناستحق کو بھی حصہ دیتے ہیں هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ ان لوگوں کے پاس بیٹھنے والا بھی بدبخت نہیں رہتا۔

یہ مجلس آج سے نہیں آدم علیہ السلام نے خود کی اور کرتے رہے اور ان کی اولاد میں برابر ہوتی رہی۔ جب زمانہ وصال شریف کا قریب آیا شیث علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ارشاد فرمایا "اے فرزند میرے بعد تو خلیفہ ہوگا۔ عِمادُ تقویٰ وعُروۃُ وُثقیٰ کو نہ چھوڑنا عروۃ وثقیٰ محمد ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ جب اللہ کو یاد کرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ضرور کرنا کہ میں نے فرشتوں کو دیکھا ہے ہر وقت ہر گھڑی ان کی یاد میں مشغول ہیں۔

غرض میلاد شریف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال وافعال واحوال سننے اور سنانے کا اعلیٰ ذریعہ اور بہترین وسیلہ ہے۔

اور قرأت میلاد شریف میں ذکر ولادت شریف کے وقت جو قیام کیا جاتا ہے وہ بھی بے شک مستحب ومستحسن ومندوب ہے جس کے فاعل کو ثواب کثیر وفضل کبیر حاصل ہوگا کہ وہ تعظیم ہے ان نبی کریم صاحب خلق عظیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی جن کی برکت سے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں ظلمات کفر سے، نور ایمان کی طرف لایا اور ان کے سبب ہمیں دوزخ جہل سے بچا کر، بہشت معرفت ویقین میں داخل فرمایا۔ فصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وحزبہ وبارک وسلّم۔ (افادات رضویہ)

نیز علامت محبت یہ بھی ہے کہ حضور کو پکارے تو نام پاک کے ساتھ ندا نہ کرے۔ یعنی عام آدمیوں کو جس طرح ان کا نام لے کر پکارا جاتا ہے اور کسی خاص ادب واحترام کا اہتمام نہیں کیا جاتا اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا نہ کی جائے۔ اس باب میں ان کا انتہائی ادب واحترام ملحوظ رکھنا چاہیئے کیونکہ ذرا سی بے ادبی بھی مواخذۂ اُخروی سے نہ بچ سکے گی۔

تشریح: قرآن کریم کا ارشاد گرامی ہے۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا الآیۃ

مُفسّرین کرام فرماتے ہیں دُعَاءَ الرَّسُوْل میں مصدر کی اضافت فاعل کی طرف مانی جائے تو اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ رسول کا بلانا، عام لوگوں کا بلانا نہیں کہ جسے بلایا جائے جی چاہے آئے اور جی نہ چاہے نہ آئے بلکہ رسول کا بلانا ایک حاکمانہ حیثیت رکھتا ہے تو تو جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پکاریں اس پر اجابت وتعمیل واجب ہو جاتی ہے اور ادب سے حاضر ہونا لازم ہو جاتا ہے۔ یوہیں مجلس نبوی میں اور قریب حاضر ہونے کے لئے اجازت طلب کرے اور واپسی کا ارادہ ہو تو اجازت سے ہی واپس ہو۔ اور دُعَاءَ الرَّسُوْل میں مصدر کی اضافت مفعول کی جانب مانی جائے تو اس اعتبار سے معنی یہ ہوں گے کہ "اے لوگو رسول اللہ کو اس طرح نہ پکارو جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکار لیا کرتے ہو مثلاً ان کا نام لے کر محمد یا محمد کہہ کر۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کرو تو ادب وتکریم اور توقیر وتعظیم کے ساتھ

آپ کے معظم القاب سے، نرم آواز اور متواضعانہ و منکسرانہ لہجہ میں یا نبی اللہ یا رسول اللہ یا حبیب اللہ کہہ کر"

تو رب عزوجل نے اس امت مرحومہ پر اس نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا نام پاک لے کر خطاب کرنا ہی حرام ٹھہرایا۔ ابو نعیم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں راوی کہ پہلے حضور کو یا محمد یا ابا القاسم کہا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی تعظیم کو اس سے نہی فرمائی جب سے صحابۂ کرام یا نبی اللہ یا رسول اللہ کہتے۔ اور واقعی محلِ انصاف ہے جسے اس کا مالک و مولیٰ تبارک و تعالیٰ نام لے کر نہ پکارے غلام کی کیا مجال کہ راہِ ادب سے تجاوز کرے۔ بلکہ محققین نے فرمایا اگر یہ لفظ کسی دعا میں وارد ہو جو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی جیسے دعائے یا محمد انی توجہت بک الی ربی تاہم اس کی جگہ یا رسول اللہ یا نبی اللہ کہنا چاہیئے حالانکہ الفاظ دعا میں حتی الوسع تغیر نہیں کی جاتی۔ (تجلی الیقین وغیرہ)

نیز علاماتِ محبت سے یہ بھی ہے کہ اگر مدینہ طیبہ کی حاضری نصیب ہو تو روضۂ شریف کے سامنے چار ہاتھ کے فاصلے سے دست بستہ جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے کھڑا ہو کر، سر جھکائے ہوئے صلاۃ و سلام عرض کرے اور جہاں تک ممکن ہو اور زبان یاری دے اور ملال و کسل نہ ہو، صلوٰۃ و سلام کی کثرت کرے بہت قریب نہ جائے۔ یہ ان کی رحمت کیا کم ہے کہ تم کو اپنے حضور بلایا اپنے مواجہۂ اقدس میں (روبرو) جگہ بخشی۔ ان کی نگاہِ کریم اگرچہ ہر جگہ تمہاری طرف تھی اب خصوصیت اور اس درجہ قرب کے ساتھ ہے۔ وللہ الحمد۔

اور خبردار خبردار جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو کہ خلاف ادب ہے اور نہ ادھر ادھر دیکھو۔ حیف کہ ان کی نظر کرم تم پر ہو اور تمہارا دھیان کہیں اور۔ اور خبردار خبردار آواز کبھی بلند نہ کرنا کہ عمر بھر کا سارا کیا دھرا اکارت جائے۔

تشریح: مولائے کریم ارشاد فرماتا ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ الآیۃ

یعنی اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو نبی کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت

نہ ہو جائیں۔

اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اجلال واکرام اور ادب واحترام تعلیم فرمایا گیا۔
فقہائے کرام نے آیۂ کریمہ کے ذیل میں بیان فرمایا کہ

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اپنی آواز پست رکھیں۔ آپ کے حضور زور سے گفتگو نہ کی جائے۔ نہ اپنی بات کو اس طرح بالا کیا جائے جس سے ارشاد والا کی تردید نکلتی ہو۔ (۲) دُرشت، لڑائی جھگڑا اور ہر قسم کی بے ادبی آپ کے مواجہہ میں ناجائز وحرام ہے (۳) زیادہ بک بک آپ کی موجودگی میں ممنوع ہے (۴) آپ کے حضور میں گستاخ، بیباک بن جانا یا خائف وبادب نہ رہنا، ناجائز ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ہر وہ قول وعمل جس کا وجود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ادب وتعظیم وتوصیف وتکریم کے برخلاف ہو یا آپ کے لئے طبعًا ناگواری وانقباض کا باعث بن سکتا ہو اور اس سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ایذاء وسوء ادبی کا پہلو نکلتا ہے تمام اعمال کے اکارت جانے کا باعث ہے اس لئے قاعدہ یہی ہے کہ عملاً ہر حال میں آداب مجلس نبوی ملحوظ رکھیں۔

یہ وہ آداب ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں بیٹھنے والوں اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والوں کو سکھائے گئے ان کا منشا یہ تھا کہ حضور کے ساتھ ملاقات اور بات چیت میں اہل ایمان، آپ کا انتہائی احترام ملحوظ رکھیں۔ کسی شخص کی آواز آپ کی آواز سے بلند تر نہ ہو۔ آپ سے خطاب کرتے ہوئے لوگ یہ بھول نہ جائیں کہ وہ کسی عام آدمی یا اپنے برابر والے سے نہیں، بلکہ اللہ کے رسول محبوب رب العلمین سے مخاطب ہیں۔ اس لئے عام آدمیوں کے ساتھ گفتگو اور آپ کے حضور گفتگو میں نمایاں فرق ہونا چاہیئے۔

یہ آداب اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک مجلس کے لئے سکھائے گئے تھے اور ان کے مخاطب وہ لوگ تھے جو زمانہ اقدس میں موجود تھے لیکن بعد کے لوگوں کو بھی ایسے تمام مواقع پر یہی اداب ملحوظ رکھنے چاہیئں۔ جب آپ کا ذکر ہو رہا ہو یا آپ کا کوئی حکم سنایا جائے یا آپ کی احادیث بیان کی جائیں تو ادب واحترام میں خلل انداز کوئی قول کوئی فعل کوئی حرکت حاضرین سے سرزد نہ ہونی چاہیئے۔

نیز علامت محبت سے یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد امجاد سادات کرام کے ساتھ نیک سلوک کریں۔ اپنے خاص مالوں سے بطور ہدیہ ان حضرات علیہم کی خدمت کریں اور اس خدمت کو اپنی سعادت سمجھیں وہ وقت، یاد کریں جب، ان حضرات کے جد اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ظاہری آنکھوں کو بھی کوئی ملجا و ماویٰ نہ ملے گا۔ کیا پسند نہیں آتا کہ وہ مال جو انہیں کے صدقے میں، انہیں کی سرکار سے عطا ہوا ہے اور جسے چھوڑ کر پھر ویسے ہی خالی ہاتھ، زیر زمین جانے والے ہیں، ان کی خوشنودی کے لئے ان کے پاک مبارک بیٹوں پر، اس کا ایک حصہ صرف کر دیں کہ اس سخت حاجت کے دن، اس جواد کریم رؤف ورحیم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے بھاری انعاموں، عظیم اکراموں سے مشرف ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "جو میری اہلبیت میں سے کسی کے ساتھ سلوک کرے گا میں روز قیامت اس کا صلہ عطا فرماؤں گا۔"

اللہ اکبر اللہ اکبر۔ قیامت کا دن وہ سخت ضرورت، "سخت حاجت کا دن" ہم جیسے محتاج اور صلہ عطا فرمانے والے کون، مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سا صاحب التاج۔ خدا جانے کیا کچھ دیں اور اور کیسا کچھ نہال فرما دیں۔ ایک نگاہ لطف ان کی، جملہ مہمات، دو جہاں کو بس ہے (فتاوی رضویہ)

مسئلہ ضروریہ:۔ زکوٰۃ سادات کرام اور تمام بنی ہاشم پر، حرام قطعی ہے جس کی حرمت پر ائمہ مذاہب کا اجماع قائم ہے۔ نہ انہیں لینا جائز نہ دینا جائز۔ نہ ان کے دیئے زکوٰۃ ادا ہو۔ تو اس میں گناہ کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ زکوٰۃ مال کا میل ہے۔ ان پاک لطیف ستھرے اہلبیت کی شان اس سے بہت ارفع واعلیٰ ہے کہ ایسی چیزوں سے آلودگی کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاوی رضویہ)

نیز علامت محبت یہ بھی ہے کہ جس چیز کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ علاقہ ہو۔ حضور کی طرف منسوب ہو۔ حضور نے اسے چھوا ہو یا حضور کے نام سے پہچانی جاتی ہو ان سب کی تعظیم کی جائے۔

تشریح:۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے آثار مبارکہ و تبرکات شریفہ کی تعظیم دین مسلمان کا فرض عظیم ہے۔ تابوت سکینہ جس کا ذکر قرآن عظیم میں ہے جس کی برکت سے بنی اسرائیل ہمیشہ کافروں پر فتح پاتے۔ اس میں کیا تھا؟ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ۔ موسیٰ

وہارون علیہم الصلوٰۃ والسلام کے چھوڑے ہوئے تبرکات سے کچھ بقیہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کا عصا اوران کی نعل مبارک اور ہارون علیہ السلام کا عمامہ وغیرہا۔ ولہذا تواتر سے ثابت کہ جس چیز کو کسی طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی علاقہ بدن اقدس سے چھونے کا ہوتا ہے صحابہ وتابعین وائمہ دین ہمیشہ اس کی تعظیم وحرمت اوراس سے طلب برکت فرماتے آئے۔ اور دین حق کے معظم اماموں نے تصریح فرمائی کہ اس کے لئے کسی سند کی بھی حاجت نہیں بلکہ جو چیز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پاک سے مشہور ہو اس کی تعظیم شعائر دین سے ہے۔ یہاں تک کہ برابر ائمہ دین وعلمائے معتمدین نعل اقدس کی شبیہ ومثال یعنی نقشہ مبارکہ کی تعظیم فرماتے رہے اوراس سے صدہا عجیب مددیں پائیں اور اس کے باب میں مستقل کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جب نقشہ کی یہ برکت ہے تو خود نعل اقدس کی عظمت وبرکت کو خیال کیجئے۔ پھر ردائے اقدس وعمامہ مبارکہ پر نظر کیجئے۔ پھر ان تمام آثار وتبرکات شریفہ سے ہزاروں درجے اعظم واعلیٰ واکرم واولیٰ، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ناخن پاک کا تراشہ ہے کہ یہ سب ملبوسات تھے اور وہ جزو بدن والا ہے۔ اوراس سے اجل واعظم وارفع واکرم حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ریش مبارک کا موئے مطہر ہے۔ مسلمان کا ایمان گواہ ہے کہ ہفت آسمان وزمین ہرگز اس ایک موئے مبارک کی عظمت کو نہیں پہنچتے۔

یونہیں روضۂ منورہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نقل صحیح بلا شبہہ معظمات دینیہ سے ہے۔ اس کی تعظیم وتکریم بروجہ شرعی، ہر مسلمان صحیح الایمان کا مقتضائے ایمان ہے

ع اے گل بتو خرسندم تو بوئے کسے داری

اور جب حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آثار شریفہ کی برکت وحرمت مُسلّم اور ہر ظاہر کہ اولیاء وعلماء حضور کے درثا ہیں تو ان کے آثار میں برکت کیوں نہ ہوگی۔ برکت آثار بزرگان دین سے انکار، آفتاب روشن کا انکار ہے۔ اور یہ کہنا کہ آج کل اکثر لوگ مصنوعی تبرکات لئے پھرتے ہیں بلا ثبوت شرعی ناجائز وگناہ وحرام ہے کہ اس کا منشا صرف بدگمانی ہے اور بدگمانی سے بڑھ کر کوئی جھوٹ نہیں۔ (شفاء الوالہ)

نیز محبت کی علامت یہ بھی ہے کہ جب مؤذن اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہے

تو سننے والا درود شریف پڑھے اور مستحب ہے کہ انگوٹھوں کو بوسہ دے کر آنکھوں سے لگالے اور کہے قُرَّۃُ عَیْنِیْ بِكَ یَا حَبِیْبِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ۔

تشریح :۔ حضور پر نور یوم النشور، صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک اذان میں سنتے وقت انگوٹھے یا انگشتان شہادت چوم کر آنکھوں سے لگانا قطعًا جائز ہے جس کے جواز پر دلائل کثیرہ قائم ہیں۔ اگر کوئی خاص دلیل نہ ہوتی تو ممانعت پر شرع سے دلیل نہ ہونا، جواز کے لئے کافی دلیل تھا۔ جو ناجائز بتائے ثبوت دینا اس کا ذمہ ہے پھر یہاں تو حدیث و فقہ و ارشاد علماء اور قدیم سے سلف صلحاء کا عمل سب کچھ موجود ہے۔ کتب فقہ میں اس فعل کے مستحب و مستحسن ہونے کی صاف تصریح آئی۔ مولانا علی قاری نے ارشاد فرمایا کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی اس فعل کا ثبوت عمل کو بس ہے۔ دیلمی نے مسند الفردوس میں حدیث سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ جب اس جناب نے موذن کو اشھد ان محمدا رسول اللہ کہتے سنا یہ دعا پڑھی اور دونوں کلمے کی انگلیوں کے پورے، جانب زیرین سے چوم کر آنکھوں سے لگائے اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو ایسا کرے جیسا میرے پیارے نے کیا اس پر میری شفاعت حلال ہو جائے۔ اور دوسری روایت میں ہے اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں۔ (منیر العینین)

عقیدہ :۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کسی قول و فعل و عمل و حالت کو جو بہ نظر حقارت دیکھے کافر ہے۔ اور اسی قبیل سے ہے حضور کو اپنا جیسا بشر کہنا۔

تشریح :۔ علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب منسوب کسی چیز کی توہین کرے یا عیب لگائے مثلاً آپ کے موئے مبارک کو تحقیر سے یاد کرے یا آپ کے لباس مبارک کو گندہ اور میلا بتائے یا حضور کے ناخن بڑے بڑے کہے یہ کفر ہے بلکہ اگر کسی کے اس کہنے پر کہ حضور کو کدو پسند تھا کوئی یہ کہے کہ مجھے پسند نہیں تو بعض علماء کے نزدیک کافر ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر اس حیثیت سے اسے ناپسند ہے کہ حضور کو پسند تھا تو وہ کافر ہے۔ یونہی کسی نے کہا کہ "حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کھانا تناول

فرمانے کے بعد، تین بار انگشت ہائے مبارک چاٹ لیا کرتے تھے" اس پر کسی نے کہا یہ ادب کے خلاف ہے تو یہ کہنا علماء کے نزدیک کفر ہے۔ یونہیں ان کی جناب پاک میں ایسے الفاظ استعمال کرنا جو دوسروں کی نگاہ میں آپ کی سبکی کے موجب ہوں یا ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وقعت کم ہو یا ان کے باعث حضور کی عزت وتوقیر کی امتیازی شان میں فرق آئے مثلاً انہیں عرب کے ریگستان کا ایک گڈریا کہنا، جیسا کہ مغرب زدہ طبقہ بیباکی سے کہہ دیا کرتا ہے یہ بھی کفر ہے۔ یونہیں ایک گمراہ فرقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین وتحقیر کے لئے آپ کو "خدا کا ایلچی" کہتا ہے یہ سب گمراہیاں اور کفر وضلالت کی باتیں ہیں۔ اللہ پناہ میں رکھے۔ (شفا شریف وغیرہ)

رہا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مقام بشریت تو اس سے کس مسلمان کو انکار ہو سکتا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ آپ بشر ہیں مگر عالم علوی سے لاکھوں درجہ اشرف۔ اور جسم انسانی رکھتے مگر ارواح ملائکہ سے لا انتہا الطف۔ وہ خود ارشاد فرماتے ہیں لَسْتُ كَمِثْلِكُمْ میں تمہاری طرح نہیں ہوں اور ایک روایت میں ہے لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ میں تمہاری ہیئت پر نہیں ہوں اور ایک روایت ہے اَيُّكُمْ مِثْلِي تم میں کون مجھ جیسا ہے۔ تو وہ خاک بسر، سر بسر بد نصیب ہے جو سید عالم وسرور اکرم کو اپنا جیسا بشر سمجھتا ہے۔ کیا وہ وجود جس کا بول وبراز پاک، جس کے لعاب سے تشنہ لب سیراب، جس کا غسالہ، عشاق کے لئے رشک آب حیات وہ اسی قابل ہے کہ وہابیت کا پروردہ اپنی ناپاک جان کو ان کے مقابل لائے اور ان سے مماثلت کے گیت گائے۔ نہیں اور یقیناً نہیں۔

(افادات رضویہ)

اور ظاہری اور جسمانی مماثلت ہی پر نگاہ ہے تو فرعون وشداد اور نمرود اور نہ سہی تو یزید پلید کی مماثلت سے کیوں انحراف ہے آخر یہ بھی اس زمرہ میں آتے ہیں یا نہیں۔

اور خلاصہ تحقیق اس باب میں یہ ہے کہ درجات عقل مختلف ہیں اور انسانی مزاج بھی متفاوت۔ بعض ایسے بد دماغ ہوتے ہیں کہ واضح سے واضح تر حقیقت کو قبول کرنا ان کے لئے دشوار سے دشوار تر ہوتا ہے بلکہ اس سے بھاگنے اور نفرت کو اپنا مقصود بناتے ہیں ان کے برعکس بعض عقلیں ایسی اندھی اوندھی ہوتی ہیں کہ ہر صاحب کمال کے سامنے سربسجود ہو کر اسے اپنا معبود بنا لیتی ہیں۔ دربارۂ نبوت بھی یہ اصول کارفرما رہا کہ کفار ومشرکین کے معاندین

نے اس حقیقت کو تسلیم ہی نہ کیا جبکہ بعض پیروان مذہب نے انبیاء و مرسلین کو افرادِ انسانی سے جدا ایک حقیقت مان کر انہیں خدا یا خدا کا بیٹا بنا لیا۔ جبکہ ہر نبی و رسول نے دعوت توحید دی تو برملا اس کا اظہار بھی فرمایا کہ ہر کمال و خوبی کے باوجود وہ خدا کے بندے ہیں۔ مخلوق ہیں اور خدائے بے نیاز کے محتاج تو وہ ذات اقدس جو جمال و جلال الٰہی کا مظہر اتم بن کر دنیا میں جلوہ گر ہوئی بعید نہ تھا کہ ان کے متعلق بھی لوگ غلط فہمیوں کا شکار ہو کر انہیں خدا یا خدا کا بیٹا بنا بیٹھیں اس لئے قرآن کریم نے انہیں تعلیم دی کہ قل انما انا بشر مثلکم الآیۃ علمائے کرام نے تحریر فرمایا ہے یہ اعلان، اظہار تواضع کے لئے ہے تاکہ وہ فتنہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ لیکن ساتھ ہی ایک اور کلمہ بھی ارشاد فرما دیا کہ یُوحیٰ اِلَیَّ تاکہ اندھی اوندھی عقل والے ان کے کمالات ہی کا انکار نہ کر بیٹھیں کہ یہ ایمان کے منافی ہے تو ظاہری صورت بشری کے اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم جیسے ہیں کہ آپ پر بشری اعراض و امراض طاری ہوتے ہیں۔ اور صورت خاصہ میں کوئی بھی آپ کا مثل نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسن و صورت میں بھی سب سے اعلیٰ و بالا کیا اور حقیقت و روح و باطن کے اعتبار سے تو تمام انبیاء، اوصاف بشر سے اعلیٰ ہیں جیسا کہ شفاء قاضی عیاض میں ہے اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام و ظواہر تو حد بشریت پر چھوڑے گئے اور ان کے ارواح و بواطن، بشریت سے بالا اور ملاء اعلیٰ سے متعلق ہیں۔ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سورۃ والضحیٰ کی تفسیر میں فرمایا "کہ آپ کی بشریت کا وجود اصلاً نہ رہے اور غلبۂ انوار حق آپ پر علی الدوام حاصل ہو۔"

بہر حال آپ کی ذات و کمالات میں آپ، کا کوئی بھی مثل نہیں۔ اس آیت کریمہ میں آپ کو اپنی ظاہری صورت بشریہ کے بیان کا اظہار تواضع کے لئے حکم فرمایا گیا۔ یہی فرمایا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے (خازن) خلاصۂ کلام یہ کہ کسی کو یہ جائز نہیں کہ حضور کو اپنے مثل بشر کہے کیونکہ جو کلمات اصحاب عزت و عظمت، بہ طریق تواضع فرماتے ہیں ان کا کہنا دوسروں کے لئے روا نہیں ہوتا۔ دوم یہ کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے فضائل جلیلہ و مراتب رفیعہ عطا فرمائے ہوں اس کے ان فضائل و مراتب کا ذکر چھوڑ کر ایسے وصف عام سے ذکر کرنا جو ہر کہ و مہ میں پایا جائے ان کے کلمات نہ ماننے کا مشعر ہے۔ سوم یہ کہ قرآن مجید میں جا بجا کفار کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ

وہ انبیاء کو اپنے مثل بشر کہتے تھے اور اسی سے گمراہی میں مبتلا ہوئے۔ پھر اس کے بعد آیت یُوحیٰ اِلیَّ میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مخصوص بالعلم اور مکرم عنداللہ ہونے کا بیان ہے (تو کیا یہ نابینا ہیں کہ انہیں نظر نہیں آتا مگر کور باطنی کا کیا علاج)

(تفسیر خزائن العرفان وغیرہ)

عقیدہ:۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اللہ عزوجل کے نائب مطلق ہیں۔ تمام جہان حضور کے تحت تصرف کر دیا گیا۔ جو چاہیں کریں جسے جو چاہیں دیں جس سے جو چاہیں واپس لیں۔ تمام جہاں میں ان کے حکم کا کوئی پھیرنے والا نہیں۔ تمام جہاں ان کا محکوم ہے اور وہ اپنے رب کے سوا کسی کے محکوم نہیں تمام آدمیوں کے مالک ہیں جو انہیں اپنا مالک نہ جانے حلاوتِ سنت سے محروم ہے۔ تمام زمین ان کی ملک ہے اور تمام جنت ان کی جاگیر۔ ملکوت السمٰوات والارض علماء فرماتے ہیں کہ حضور کی خصوصیات سے یہ امر کہ آپ دوسروں کے ملک میں بلا اذن چاہیں تصرف فرمائیں۔

تشریح:۔ طبرانی معجم کبیر میں بسند حسن سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آفتاب کو حکم دیا کہ کچھ دیر چلنے سے باز رہ۔ وہ فوراً ٹھہر گیا۔ علمائے کرام فرماتے ہیں اس حدیث حسن کا واقعہ، اس حدیث صحیح کے واقعہ عظیمہ سے جدا ہے جس میں ڈوبا ہوا سورج حضور کے لئے پلٹا ہے یہاں تک کہ مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے نماز عصر کی خدمتگزاری محبوب باری صلی اللہ علیہ وسلم میں قضا ہوئی تھی ادا فرمائی۔ امام اجل طحاوی وغیرہ اکابر نے اس حدیث کی تصحیح کی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اسے خلافت رب العزت کہتے ہیں کہ ملکوت السموات والارض میں ان کا حکم جاری ہے۔ تمام مخلوقات الٰہی کو ان کے لئے حکم اطاعت و فرمانبرداری ہے وہ خدا کے ہیں اور جو کچھ خدا کا ہے سب ان کا ہے۔ وہ محبوب اجل واکرم و خلیفۃ اللہ الاعظم صلی اللہ علیہ وسلم جب دودھ پیتے تھے گہوارے میں چاند ان کی غلامی بجا لاتا۔ جدھر اشارہ فرماتے اسی طرف جھک جاتا (بیہقی) جب دودھ پیتوں کی یہ حکومت قاہرہ ہے تو اب کہ خلافۃ اللہ الکبریٰ کا ظہور، عین شباب پر ہے آفتاب کی کیا جان کہ ان کے حکم سے سرابیٔ کرے۔ آفتاب و

ماہتاب در کنار، واللہ العظیم ملائکہ مدبرات الامر کہ تمام نظم و نسق عالم جن کے ہاتھوں پر ہے وہ بھی محمد رسول اللہ خلیفۃ اللہ الاعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرہ حکم سے باہر نہیں نکل سکتے کہ وہ تمام مخلوق الٰہی تمام اہل عالم کی طرف رسول بھیجے گئے اور اہل عالم میں جمیع ملائکہ داخل ہیں۔

سیدنا سلیمان علیہ السلام کی نماز عصر گھوڑوں کے ملاحظہ میں قضا ہوئی تو آپ نے ملائکہ موکلین شمس کو حکم دیا کہ ڈوبا ہوا سورج واپس لاؤ وہ حسب الحکم واپس لائے یہاں تک کہ مغرب ہو کر، پھر عصر کا وقت ہو گیا اور سیدنا سلیمان علیہ السلام نے نماز ادا فرمائی۔ (معالم التنزیل)

سیدنا سلیمان علیہ السلام نوابان بارگاہ رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ سے ایک جلیل القدر نائب ہیں۔ پھر حضور کا حکم تو حضور کا حکم ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اور ان کا حکم کا کوئی پھیرنے والا نہیں اور کیونکر کوئی ان کا حکم پھیر سکتا ہے کہ حکم الٰہی کسی کے پھیرے نہیں پھرتا اور یہ جو کچھ چاہتے ہیں خدا وہی چاہتا ہے کہ یہ وہی چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہے۔

(۲) سیدی امام اجل محمد بوصیری قدس سرہ، اپنے قصیدہ بردہ شریف میں، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے ہیں:۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا　　　وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمُ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

یارسول اللہ! دنیا و آخرت دونوں، حضور کے خوان جود و کرم سے ایک حصہ ہیں۔ اور لوح و قلم کے تمام علوم جن میں ما کان و ما یکون (جو کچھ ہوا اور جو کچھ قیام قیامت تک ہونے والا ہے) ذرہ ذرہ بالتفصیل مندرج ہے حضور کے علوم سے ایک پارہ ہیں۔

اور حضرت شیخ محقق، شیخ شیوخ علماء الہند مولانا عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ القوی کے قصیدہ نعتیہ میں کہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا ہے۔ ایک شعر یوں ہے:۔

اگر خیریت دنیا و عقبیٰ آرزو داری
بدرگاہش بیا و ہر چہ میخواہی، تمنا کن

ہاں ہاں اس مالک الملک شہنشاہ قدیر جل جلالہ نے اپنے نائب اکبر خلیفہ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو خزانوں کی کنجیاں، زمین کی کنجیاں، نفع کی کنجیاں، جنت کی کنجیاں، نار کی کنجیاں ہر شے کی کنجیاں عطا فرما کر، تمام جہان حضور کے تحت تصرف کر دیا کہ جو چاہیں کریں جسے جو

چاہیں دیں اور جس سے جو چاہیں واپس لیں۔ شعر

منکر اپنا اور حامی ڈھونڈ لیں آپ ہی ہم پر تو رحمت کیجئے

فائدہ:۔ الحمدللہ یہ عقیدے ہیں ائمہ دین کے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کی جناب عالم مآب میں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل نے حضور کو مختار کل بنایا اور آپ کو عام قدرت بخشی ہے کہ خدا کے خزانوں سے جو کچھ چاہیں عطا فرما دیں۔ حضور ہر قسم کی حاجت روا فرما سکتے ہیں۔ دنیا و آخرت کی سب مرادیں حضور کے اختیار میں ہیں۔ برخلاف اس سرکش طاغی کے جو ایمان کی آنکھ پر، کفران کی ٹھیکری رکھ کر کہتا ہے کہ جس چیز کا نام محمد یا علی ہے وہ کس چیز کا مختار نہیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ (الامن والعلیٰ)

مسلمانو! ایک دنیا کے حاکم کا نائب کہیں کا گورنر وصوبیدار، اس کی طرف سے قانونی طور پر سیاہ وسپید کا مالک ہوتا ہے۔ ہر پست و بلند پر اس کا اختیار رہتا ہے۔ مگر وہ محبوب محشر آرا، وہ عرش اعظم کی آنکھ کا تارا، وہ دونوں جہاں کے سردار، وہ عرب وعجم کا مختار، جس کے باعث خلق نے خلعت وجود پایا۔ جس کے لئے قدرت نے کارخانۂ عالم بنایا۔ جو تمام عالم کے لئے رحمت خدا بن کر آیا، معاذاللہ اس کی اللہ کے یہاں یہ بے قدری کہ وہ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا تو اللہ کا نائب مطلق، خداوند قدوس کا خلیفۂ اعظم کیا کسی پتھر کا نائب ہے وَمَا قدروا اللّٰہ حق قدرہٖ بے دولتوں نے اللہ ہی کی قدر نہ جانی لا واللہ، اللہ کا نائب اللہ کی طرف سے، اللہ کے ملک میں پورے تصرف کا اختیار رکھتا ہے جبھی تو اللہ کا نائب کہلاتا ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وبارک وسلم۔

(تجلی الیقین)

عقیدہ:۔ احکام تشریعیہ حضور کے قبضہ میں کر دئیے گئے ہیں کہ جس پر جو چاہیں حرام فرما دیں اور جس کے لئے جو چاہیں حلال کر دیں اور جو فرض چاہیں معاف فرما دیں۔

تشریح:۔ امام احمد قسطلانی، مواہب لدنیہ شریف میں فرماتے ہیں مِن خَصَائصہٖ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّہٗ کَانَ یَخُصُّ مَن شَاءَ بِمَا شَاءَ مِنَ الْاَحْکَامِ۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص کریمہ سے ہے کہ حضور، شریعت کے عام احکام سے جسے چاہتے، جس حکم سے چاہتے مستثنیٰ فرما دیتے۔ علامہ زرقانی نے شرح میں فرمایا (من الاحکام) وغیرہا کچھ احکام ہی کی خصوصیت نہیں

حضور جس چیز سے چاہیں، جسے چاہیں خاص فرمادیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ امام جلیل جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ شریف میں ایک باب وضع فرمایا۔ باب اِخْتِصَاصِہٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَنَّہٗ یَخُصُّ مَنْ شَاءَ بِمَا شَاءَ مِنَ الْاَحْکَامِ ۔ باب اس بیان کا کہ خاص نبی ہی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ منصب حاصل ہے کہ جسے چاہیں جس حکم سے چاہیں خاص فرمادیں۔ امام قسطلانی نے اس کی نظیر میں پانچ واقعے ذکر کئے اور امام سیوطی نے دس۔ پانچ وہ اور پانچ اور۔ (الامن والعلی)

امام اہلسنت اعلحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے فرمایا "فقیر نے ان زیادات سے تین واقعے ترک کردیئے اور پندرہ اور بڑھائے اور ان کی احادیث بتوفیق اللہ تعالیٰ جمع کیں کہ جملہ بائیس واقعے ہوئے وللہ الحمد۔

پھر ان کی تفصیل اور ہر واقعے پر سے دلیل بیان فرمائی۔ جن کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

(۱) ابوبردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے شش ماہہ بکری کی قربانی جائز فرمادی (بخاری مسلم)

(۲) ایک بار عقبہ بن عامر کو اس کی اجازت عطا کی۔ (بخاری مسلم)

(۳) ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایک جگہ نوحہ کرنے کی رخصت بخش دی (مسلم)

(۴) ایک بار خولہ بنت حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کی اجازت فرمادی۔ (ابن مردویہ)

(۵) یوں ہی اسماء بنت یزید انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایک دفعہ کی پروانگی عطا کی (ترمذی)

(۶) اسماء بنت عمیس کو عدت وفات کا سوگ معاف اور ان کو اس حکم عام سے مستثنیٰ فرمادیا کہ عورت کو شوہر کی موت پر چار مہینے دس دن سوگ واجب ہے (طبقات ابن سعد)

(۷) ایک صاحب کو مہر کی جگہ صرف سورت قرآن سکھانا کافی کردیا (ابن السکن)

(۸) حضرت خزیمہ بن ثابت کی گواہی کو شہادت کی نصاب کامل کردیا اور ارشاد فرمایا کہ خزیمہ جس کسی کے نفع خواہ ضرر کی گواہی دیں ایک انہیں کی شہادت بس ہے (مصنف ابن ابی شیبہ۔ تاریخ بخاری) اس سے ثابت ہے کہ حضور نے قرآن عظیم کے حکم عام وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْکُمْ (اور اپنے میں سے دو ثقہ کو گواہ کرلو) سے خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مستثنیٰ فرمادیا۔

(۹) ایک صاحب کے لئے روزہ کا کفارہ خود ہی کھالینا جائز فرمادیا اور ان سے فرمایا جا اپنے گھر والوں کو کھلادے۔ تجھے کفارے سے کفایت کرے گا اور تیرے بعد اور کسی کو کافی نہ ہوگا

مسلمانو! گناہ کا ایسا کفارہ کسی نے بھی سنا ہوگا کہ دو من خرمے سرکار سے عطا ہوتے ہیں کہ آپ کھالو کفارہ ہوگیا۔ واللہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ رحمت ہے کہ سزا کو انعام سے بدل رہے ہیں۔ ہاں ہاں یہ بارگاہ بیکس پناہ اُولٰئِكَ الَّذِينَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنَاتٍ کی خلافت کبریٰ ہے ان کی ایک نگاہ کرم، کبائر کو حسنات کر دیتی ہے جب تو ارحم الراحمین جل جلالہ نے گنہگاروں خطا واروں تباہ کاروں کو ان کا دروازہ بتایا کہ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ الآیۃ گنہگار تیرے دربار میں حاضر ہوکر معافی چاہیں اور تو شفاعت فرمائے تو خدا کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔ والحمد للہ رب العلمین

(۱۰) ایک صاحب کو جوانی میں ایک بی بی کا دودھ پینے کی اجازت دی اور اس سے حرمت رضاعت ثابت فرما دی (مسلم نسائی ابن ماجہ وغیرھا)

جوان آدمی کو اول تو عورت کا دودھ پینا ہی کب حلال ہے اور پئے تو اس سے پسر رضاعی نہیں ہو سکتا مگر حضور نے ان حکموں سے سالم کو مستثنیٰ فرما دیا یہ سالم ابو حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے اس وقت مرد جوان تھے اور جنگ بدر میں شریک ہو چکے تھے۔

صحیح مسلم و سنن نسائی و ابن ماجہ و مسند امام احمد میں زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔ ابو حذیفہ کی بی بی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) نے عرض کی یا رسول اللہ سالم (غلام آزاد کردہ ابو حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما) میرے سامنے آتا جاتا ہے اور وہ جوان ہے۔ ابو حذیفہ کو یہ ناگوار ہے۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَرْضِعِيْهِ حَتّٰى يَدْخُلَ عَلَيْكِ۔ تم اسے دودھ پلا دو کہ بے پردہ تمہارے پاس آنا جائز ہو جائے ام المومنین ام سلمہ وغیرہ باقی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے فرمایا "مَا نَرٰى هٰذِهٖ اِلَّا رُخْصَةً اَرْخَصَهَا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لِسَالِمٍ خَاصَّةً ہمارا یہی اعتقاد ہے کہ یہ رخصت حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے خاص سالم کے لئے فرما دی تھی۔"

(آج اگر کوئی ایسا کرے تو اس سے حرمت رضاعت ہرگز ثابت نہ ہوگی)

(۱۱) حضرت عبد الرحمٰن بن عوف و زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بدن میں خشک خارش

تھی۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ریشمی کپڑے پہننے کی اجازت دے دی (صحاح ستہ)

(۱۲) امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ الکریم کو بحالت جنابت، مسجد اقدس میں رہنا مباح فرمادیا (ترمذی)

(۱۳) ازواج مطہرات وحضرت بتول زہرا کو بحالت عارضہ ماہانہ، مسجد مبارک میں آنا جائز فرمادیا (طبرانی بیہقی)

(۱۴) براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سونے کی انگوٹھی پہننی جائز فرمادی (بخاری مسلم)

(۱۵) سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سونے کے کنگن حضور کی اجازت سے پہنلائے گئے۔ دلائل النبوۃ بیہقی میں مروی کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا "وہ وقت تیرا کیسا وقت ہوگا جب تجھے کسریٰ بادشاہ ایران کے کنگن پہنائے جائیں گے"، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ بھی ہے جو ظہور میں آیا اور حضور کی جانب سے سونے کے کنگن پہننے کی رخصت بھی۔

(۱۶) امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو اپنا نام وکنیت جمع کرنے کی اجازت دی اور فرمایا عنقریب میرے بعد تمہارے ایک لڑکا ہوگا۔ میں نے اسے اپنے نام وکنیت دونوں عطا فرمادیے اور اس کے بعد، میرے کسی اور امتی کو حلال نہیں۔

(طبقات بن سعد۔ ابوداؤد۔ ترمذی)

(۱۷) امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، بے حاضریٔ جہاد، سہم غنیمت کا مستحق فرمادیا اور انہیں ان کا حصہ دیا۔ حالانکہ جو حاضر جہاد نہ ہو غنیمت میں اس کا حصہ نہیں۔ (بخاری وترمذی وغیرہما)

(۱۸) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا صوبیدار (گورنر) بناکر بھیجا تو ان کے لئے رعایا سے تحائف لینا حلال فرمادیا۔ حالانکہ عاملوں کو رعایا سے ہدیہ لینا حرام ہے۔

(۱۹) ایک صاحب کے لئے بیع میں خیار غبن مقرر فرمادیا یعنی اگر وہ بیع میں دھوکا کھاجائیں اور زیادہ قیمت دے کر مال خرید لائیں پھر بھی انہیں اختیار تھا کہ وہ تین دن تک، بیع رد کر دیں جبکہ امام ابوحنیفہ وامام شافعی اور روایت اصح میں امام مالک وغیرھم ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک غبن، باعث خیار نہیں۔ کتنا ہی غبن کھائے بیع کو رد نہیں کر سکتا۔ حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم سے خاص انہیں کو نوازا۔ (بخاری ومسلم)

(۲۰) ام المومنین صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عصر کے بعد دو رکعت نفل جائز فرما دیئے (بخاری مسلم) علمار فرماتے ہیں یہ ام المومنین کی خصوصیت تھی۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے جائز فرما دیا تھا۔

(۲۱) ایک بی بی (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کی چچازاد بہن صباعہ بنت زبیر بن عبد المطلب) رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو احرام میں شرط لگا لینا جائز فرما دیا۔ (بخاری مسلم وغیرھما) ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں یہ ایک خاص اجازت تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عطا فرمائی ورنہ نیت میں ایسی شرط اصلا مقبول ومعتبر نہیں۔

(۲۲) ایک شخص سے اس شرط پر اسلام قبول فرمالیا کہ وہ دو نماز سے زائد نہ پڑھے گا (امام احمد)

ان احادیث کریمہ کے علاوہ

اور بھی احادیث ہیں جن سے ظاہر کہ احکام، سپرد اختیار حضور سید الانام ہیں۔ مثلاً ارشاد فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ "اگر مشقت امت کا خیال نہ ہوتا تو میں ان پر فرض فرما دیتا کہ ہر نماز کے وقت مسواک کیا کریں (بخاری مسلم وغیرھما)

علمار فرماتے ہیں یہ حدیث متواتر ہے اور احمد ونسائی نے یوں روایت کی کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "امت پر دشواری کا لحاظ نہ ہو تو میں ان پر فرض کر دوں کہ ہر نماز کے وقت وضو کریں اور ہر وضو کے ساتھ مسواک کریں۔" ان ارشادات کریمہ کے قطعاً یہی معنی ہیں کہ میں چاہتا تو اپنی امت پر ہر نماز کے لئے تازہ وضو اور ہر وضو کے وقت مسواک کرنا فرض فرما دیتا۔ مگر ان کی مشقت کے لحاظ سے میں نے فرض نہ کئے۔ اختیار احکام کے اور کیا معنی ہیں

یوہیں احادیث صحیحہ میں وارد کہ اگر ناتوانوں اور بیماروں کا لحاظ نہ ہوتا تو میں فرض کر دیتا کہ عشا کی نماز آدھی رات تک موخر کر دیں۔ (ترمذی نسائی ابن ماجہ وغیرھم)

قصیدہ بردہ شریف میں ہے:-

نَبِیُّنَا الْاٰمِرُ النَّاھِیْ فَلَا اَحَدٌ
اَبَرَّ فِیْ قَوْلِ لَا مِنْهُ وَلَا نَعَمِ

ہمارے نبی صاحب امر و نہی ہیں تو ان سے زیادہ "ہاں" اور "نہ" کے فرمانے میں کوئی سچا نہیں۔ (الامن والعلیٰ)

عقیدہ:۔ سب سے پہلے مرتبۂ نبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا۔ روز میثاق تمام انبیاء سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور حضور کی نصرت کرنے کا عہد لیا گیا اور اسی شرط پر یہ منصب اعظم ان کو دیا گیا۔ حضور نبی الانبیاء ہیں اور تمام انبیاء حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے امتی۔ سب نے اپنے اپنے عہد کریم میں حضور کی نیابت میں کام کیا۔

تشریح:۔ اللہ عزوجل قرآن عظیم میں ارشاد فرماتا ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ الآیۃ

"اور یاد کر اے محبوب جب خدا نے عہد لیا پیغمبروں سے کہ جو میں تمہیں کتاب و حکمت دوں۔ پھر تمہارے پاس آئے رسول، تصدیق فرماتا اس کی جو تمہارے ساتھ ہے، تو تم ضروری اس پر ایمان لانا اور بہت ضرور اس کی مدد کرنا۔" پھر فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا؟ سب انبیاء نے عرض کی کہ ہم ایمان لائے۔ فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں۔ اب جو اس کے بعد پھرے گا تو وہی لوگ بے حکم ہیں:۔

امام اجل ابو جعفر طبری وغیرہ محدثین اس آیت کی تفسیر میں حضرت مولی المسلمین امیر المومنین جناب مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے راوی کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے لے کر آخر تک جتنے انبیاء بھیجے سب سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں عہد لیا کہ اگر یہ اس نبی کی زندگی میں مبعوث ہوں تو وہ ان پر ایمان لائے اور ان کی مدد کرے اور اپنی امت سے اس مضمون کا عہد لے۔"

اسی پیمان الٰہی کا سبب ہے کہ حدیث میں آیا۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے آج اگر موسیٰ دنیا میں ہوتے تو میری پیروی کے سوا ان کو گنجائش نہ ہوتی۔ (احمد دارمی بیہقی) اس وقت توراۃ شریف کا ذکر تھا لہٰذا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام لیا ورنہ انہی کی تخصیص نہیں سب انبیاء کے لئے یہی حکم ہے۔

اور یہی باعث ہے کہ جب آخر الزمان میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرمائیں گے

یا آنکہ بدستور منصب رفیع نبوت، ورسالت پر ہوں گے۔ حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امتی بن کر رہیں گے۔ حضور ہی کی شریعت پر عمل کریں گے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک امتی ونائب یعنی امام مہدی کے پیچھے نماز پڑھیں گے (بخاری ومسلم)، تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت زمانۂ سیدنا ابوالبشر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے، روز قیامت تک جمیع خلق اللہ کو عام شامل ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وَکُنْتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ (یعنی میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم روح وجسم کے درمیان تھے) اپنے معنیٰ حقیقی پر ہے۔ اگر ہمارے حضور حضرت آدم ونوح و ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہم وسلم کے زمانہ میں ظہور فرماتے ان پر فرض ہوتا کہ حضور پر ایمان لاتے اور حضور کے مددگار ہوتے۔ اسی کا اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد لیا تھا۔ اور حضور کے نبی الانبیاء ہونے ہی کا باعث ہے کہ شب اسریٰ تمام انبیاء ومرسلین نے حضور کی اقتداء کی اور اس کا پورا ظہور، روز نشور ہوگا جب حضور کے زیر لواء آدم ومن سواہ، کافۂ رسل وانبیاء ہوں گے صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ و علیہم اجمعین۔ (تجلی الیقین)

عقیدہ:۔ اللہ عزوجل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات کا مظہر بنایا اور حضور کے نور سے تمام عالم کو منور فرمایا۔ بایں معنی حضور ہر جگہ تشریف فرما ہیں ؎

کَالشَّمْسِ فِیْ وَسْطِ السَّمَاءِ وَنُوْرُھَا
یُغْشِی الْبِلَادَ مَشَارِقًا وَمَغَارِبَا

مگر کور باطن کا کیا علاج ؎

گر نہ بیند بروز، شپّرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

تشریح:۔ اللہ عزوجل نور ہے چونکہ محققین کے نزدیک نور وہ کہ خود ظاہر ہو اور دوسروں کا مظہر (ظاہر کرنے والا) بایں معنی اللہ عزوجل نور حقیقی ہے بلکہ حقیقۃً وہی نور ہے اور آیۂ کریمہ اللہ نور السموٰت والارض بلا تکلف وبلا تاویل اپنے معنی حقیقی پر ہے چونکہ اللہ خود بھی ظاہر ہے اور آسمان وزمین اور باقی مخلوق کا ظاہر کرنے والا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک اسی نور کی تابش ہے۔ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلا شبہہ اللہ عزوجل کے نور ذاتی سے پیدا ہیں۔ حدیث شریف میں

میں ارشاد ہوا "اے جابر بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا کیا۔ (عبدالرزاق ونحوہ عند البیہقی)

ہاں عین ذات الہی سے پیدا ہونے کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ، ذات الہی، ذات رسالت کے لئے مادہ ہے جیسے انسان مٹی سے پیدا ہوا۔ یا عیاذاً باللہ ذات الہی کا کوئی حصہ یا کل، ذات نبی ہو گیا۔ اللہ عزوجل حصے اور ٹکڑے اور کسی کے ساتھ متحد ہو جانے یا کسی شے میں حلول فرمانے سے پاک اور منزّہ ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کسی شے کو جزءِ ذات الہی، خواہ کسی مخلوق کو نفسِ ذات الہی ماننا کفر ہے۔ اس تخلیق کے اصل معنی تو اللہ و رسول جانیں جلّ وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ عالم میں تو کوئی ذات رسول کو پہچانتا نہیں حدیث میں ہے۔ "یَا اَبَا بَکْرٍ لَمْ یَعْرِفْنِیْ حَقِیْقَۃً غَیْرُ رَبِّیْ۔ اے ابوبکر جیسا میں حقیقت میں ہوں میرے رب کے سوا کسی نے نہ جانا۔ ذات الہی سے اس کے پیدا ہونے کی حقیقت کسے مفہوم ہو۔ مگر اس میں فہم ظاہر بین کا جتنا حصہ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت حق عزّ جلالہٗ نے تمام جہاں کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے، حضور کے صدقے، حضور کے طفیل میں پیدا فرمایا۔ حضور نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الدُّنْیَا۔ بخلاف ہمارے حضور عین النور صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ وہ کسی کے طفیل میں نہیں ہیں۔ آپ رب کے سوا کسی کے واسطے نہیں تو وہ ذات الہی سے بلاواسطہ پیدا ہیں۔

اور وہ جو حدیث میں ارشاد ہوا کہ پھر اس نور کے چار حصے کئے تین سے قلم و لوح و عرش بنائے چوتھے کے پھر چار حصے کئے الی آخرہ اسے یوں سمجھ لیجئے کہ وہ اس نور کی شعاعوں کا انقسام ہے۔ جیسے ہزار ہا آئینوں میں آفتاب کا نور چمکے تو وہ ہزار حصوں پر منقسم نظر آئے گا حالانکہ آفتاب نہ منقسم ہوا نہ اس کا کوئی حصہ آئینوں میں آیا۔ (صلوٰت الصفا)

مسئلہ ضروریہ: انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے جو لغزشیں واقع ہوئی ہیں اور جن کا پتہ آیات کریمہ و احادیث نبویہ سے چلتا ہے۔ ان کا ذکر تلاوت قرآن اور قرأت حدیث کے سوا، حرام اور سخت حرام ہے۔ اللہ عزوجل ان کا مالک و مولیٰ ہے اور وہ اس کے محبوب اور پیارے بندے۔ مولا کو شایاں ہے کہ اپنے محبوب بندوں کو جس محل پر، جس عبارت سے اور جس طرح چاہے تعبیر فرمائے۔ دوسرا کہے تو اس کی زبان گدی کے پیچھے سے کھینچی جائے۔

وہ اس کے پیارے بندے ہیں اور راضی برضائے الٰہی، تو اپنے رب کے لئے جس قدر چاہیں۔ تواضع فرمائیں کہ اس میں ان کی عزت ہے اور اس سے ان کے مراتب رفیعہ میں اور اضافہ ہوتا ہے اور دوسروں کو ان سرکاروں میں لب کشائی کی کیا مجال۔ دوسرا ان کلمات کو سند نہیں بنا سکتا۔ اور خود ان کا اطلاق کرے گا تو مردود بارگاہ ہوگا۔

بلا تشبیہ یوں خیال کرو کہ کسی باپ نے اپنے بیٹے کو کسی غلطی پر تنبیہ کرنے کے لئے ادب دینے احتیاط سکھانے کو نالائق احمق وغیرہ کہہ دیا تو باپ کو اس کا اختیار تھا۔ اب کوئی دوسرا ان الفاظ کو سند بنا کر یہی الفاظ کہہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اور اگر کہے گا تو سخت گستاخ و مردود مانا جائے گا۔

جب یہاں یہ حالت ہے تو اللہ عزوجل کی ریس کرکے اور خطاب رب کو سند بنا کر انبیاء علیہم السلام کی ارفع واعلیٰ شانوں میں ایسے الفاظ بکنے والا کیونکر بارگاہ الٰہی سے مردود اور سخت عذاب جہنم کا مستحق نہ ہوگا۔ ایسی جگہ سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ کے محبوبوں کا محسن ادب عطا فرمائے۔ آمین (فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

پھر ان کے یہ افعال جن کو زلت ولغزش سے تعبیر کیا جائے ہزارہا حکم و مصالح پر مبنی، ہزارہا فوائد وبرکات کی مثمر اور بے شمار حسنات وخیرات پر منتج ہوتی ہیں۔ سیدنا آدم علیہ السلام کی ایک لغزش ہی کو دیکھئے۔ اگر وہ نہ ہوتی جنت سے نہ اترتے دنیا آباد نہ ہوتی نہ انبیاء مرسلین تشریف لاتے نہ بندوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے آسمانی کتابیں اور صحیفے نازل ہوتے۔ نہ مشرکین ومنکرین سے جہاد ہوتے۔ لاکھوں کروڑوں حسنات وبرکات اور باعث ثواب امور وخیرات کے دروازے بند رہتے اور ہم ان سعادتوں سے محروم۔ ان سب کا فتح باب، اسی ایک لغزش ابو البشر آدم علیہ السلام کا نتیجہ مبارکہ اور ثمرہ طیبہ ہے۔

بالجملہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی لغزش، من وتو کس شمار میں ہیں۔ صدیقین کی حسنات سے افضل واعلیٰ ہے کہ

حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّاٰتُ الْمُقَرَّبِیْنَ۔ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سیدنا ومولانا محمد والہ واصحابہ واصہارہ وانصارہ واتباعہ۔ قدر نعمہ وافضالہ وجُودِہٖ ونَوالِہٖ وجاھِہٖ وجلالہ وحسنہ وجمالہ وعزہ وکمالہ۔ امین

آسمانی کتابیں اور صحیفے

عقیدہ ا۔ اللہ تعالیٰ نے عالم انسانی کی ابتدائے پیدائش سے، نبیوں اور رسولوں کے مبعوث فرمانے کا سلسلہ جاری فرمایا اور ان پر وہ دستور العمل، فرامین یا آسمانی کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے جن کو اس نے ان امتوں کی ہدایت کے لئے کافی و وافی سمجھا جن کی طرف ان نبیوں کو بھیجا۔ نبوت کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے ہے اور اس کی انتہا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی۔

عقیدہ ۲۔ سنت الٰہی اس طرح جاری ہے کہ خداوند عالم اپنی مخلوق سے دوبدو گفتگو نہیں کرتا۔ لیکن مخلوق کی ہدایت اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک احکام الٰہی ان تک کسی ذریعہ سے نہ پہنچ جائیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں پر وحی نازل فرمائی اور ان کے ذریعہ سے اپنے بندوں کو نیک و بد سے آگاہ کر دیا اصطلاح شریعت میں وحی کے معنی ہیں، وہ کلام الٰہی جو پیغمبروں پر مخلوق کی ہدایت و رہنمائی کے لئے نازل ہوا۔

عقیدہ ۔ انبیائے کرام علیہم السلام پر وحی کے چار طریقے ہیں۔

(۱) کسی غیبی آواز کا سنائی دینا یوں کہ بندہ ایک آواز سنے مگر بولنے والا اسے نظر نہ آئے۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا کہ طور کے دامن میں ایک درخت سے یکایک انہیں آواز آنا شروع ہوئی مگر بولنے والا پردۂ عظمت کے اُدھر اور ان کی نگاہوں اوجھل تھا۔

(۲) کسی بات کا خود بخود، دل میں پیدا ہو جانا، بیداری میں یا خواب میں۔ اس صورت میں وحی کا وصول، بلا آواز اور بلا واسطہ سمع ہے۔

(۳) سچے خوابوں کا دیکھنا۔ چنانچہ نبی کو خواب میں جو چیز بتائی جاتی ہے وہ بھی وحی ہے۔ اس کے جھوٹے ہونے کا احتمال نہیں۔ جیسے حضرت ابراہیم اور حضرت یوسف علیہما السلام کو دکھایا گیا اور حدیث شریف میں حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آنے کی ابتداء ہی سچے خوابوں سے ہوئی تھی۔

(۴) کسی فرشتہ کا انسانی شکل میں آنا اور پیغام الٰہی سنانا۔ اس طریقہ وحی میں رسول کی طرف، فرشتہ کی

وساطت ہے یعنی فرشتہ واسطہ ہوتا ہے۔

عقیدہ:۔ بہت سے نبیوں پر اللہ تعالیٰ نے صحیفے اور آسمانی کتابیں اتاریں جن کی صحیح تعداد اللہ جانے اور اس کا رسول جَلَّ وَعَلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم البتہ ان میں سے چار کتابیں بہت مشہور ہیں۔ زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر۔ توریت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر۔ انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر۔

قرآن عظیم کہ سب سے افضل کتاب ہے سب سے افضل رسول حضور پر نور احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کلام الٰہی میں بعض کا بعض سے افضل ہونا، اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے لئے اس میں ثواب زائد ہے۔ ورنہ اللہ ایک۔ اس کا کلام ایک اس میں افضل ومفضول کی گنجائش نہیں۔ یوں ہی کچھ صحیفے حضرت آدم علیہ السلام پر اتارے گئے۔ کچھ آپ کے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام پر۔ کچھ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر۔ کچھ حضرت ادریس علیہ السلام پر اور کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتارے گئے۔

مخلوق کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی چھوٹی چھوٹی کتابیں یا ورق جو قرآن شریف سے پہلے اتارے گئے انہیں صحیفے کہتے ہیں۔ ان صحیفوں میں جزا وسزا کا مضمون، اچھی اچھی مفید نصیحتیں اور کارآمد باتیں ہوتی تھیں۔

عقیدہ:۔ سب آسمانی کتابیں اور صحیفے حق ہیں اور سب کلام اللہ ہیں۔ ان میں جو کچھ ارشاد ہوا سب پر ایمان ضروری ہے مگر یہ بات البتہ ہوئی کہ اگلی کتابوں کی حفاظت، اللہ تعالیٰ نے امتوں کے سپرد کی تھی ان سے ان کی حفاظت نہ ہو سکی اور کلام الٰہی جیسا اترا تھا ان کے ہاتھوں میں ویسا باقی نہ رہا۔ بلکہ ان کے میں شریروں اور ناخدا ترسوں نے تو یہ کیا کہ محض دنیاوی مفاد کی خاطر، ان میں تحریفیں کر دیں یعنی اپنی خواہش سے گھٹا بڑھا دیا۔ یوہیں انبیائے کرام پر جو نوشتے یا صحیفے نازل ہوئے وہ جیسے کہ نازل ہوئے تھے آج دنیا میں کہیں موجود نہیں ہیں اور موجودہ بائبل کے ابتدائی پانچ صحیفے، انہیں تحریف شدہ صحیفوں کی یادگاریں ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئے تھے۔

لہٰذا جب کوئی بات ان کتابوں یا صحیفوں کی ہمارے سامنے پیش ہو تو اگر وہ ہماری کتاب کے مطابق ہے ہم اس کی تصدیق کریں گے اور مخالف ہے تو یقین جانیں گے کہ یہ ان کی تحریفات سے ہے اور اگر موافقت مخالفت کچھ معلوم نہ ہو تو تم اس بات کی نہ تصدیق کریں نہ تکذیب بلکہ یوں کہیں۔

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَ مَلٰئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ہمارا ایمان ہے۔

اور وید جسے ہندو آسمانی کتاب کہتے ہیں پرانے زمانے کے شاعروں کی نظموں کا مجموعہ ہے۔ کلام الٰہی ہرگز نہیں۔

عقیدہ:۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جتنے انبیاء مبعوث ہوئے۔ ان کی رسالت، خاص قوم اور ایک وقت معین کے لئے محدود تھی اس لئے وہ فرادین جو پیغمبروں کے ذریعہ سے ان کی اقوام کو بھیجے گئے ان میں اصلاح کی قوت ایک معین زمانے اور ایک خاص قوم کے لئے تھی۔ لہٰذا اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ فرض کر لیا جائے کہ ان آسمانی کتابوں اور صحیفوں کا وجود، اس وقت بھی بعینہٖ موجود ہے تو بھی وہ تمام خلقت انسانی کے لئے کامل دستور العمل نہ سمجھے جائیں گے۔ ایسا کامل دستور العمل جو زندگی کے مختلف شعبوں اور ترقی انسان کے متفرق مدارج طے کرنے میں کامل رہنمائی کرتا ہے وہ صرف ایک ہی صحیفۂ آسمانی ہے۔ جس کا نام قرآن مجید ہے۔ قرآن کریم میں وہ سب کچھ ہے جس کی حاجت بنی آدم کو ہوتی ہے۔

عقیدہ:۔ قرآن مجید پیغام الٰہی ہے جو خدا کی طرف سے، تئیس سال کے عرصہ میں بتدریج، لفظ معین اور معنیٰ خاص کے ساتھ، بذریعہ جبریل علیہ السلام رسول اکرم عالم اعلم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ نہ تو محض الفاظ کو قرآن کہیں گے اور نہ محض معنی ہی کا نام قرآن ہے۔ اگر آیات قرآنی کی ترتیب بدل دی جائے تو ایسی صورت میں بھی اس پر قرآن کا اطلاق نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ یوں کہیں گے کہ الفاظ قرآنی ہیں جو متغیر (اول بدل) کر دیئے گئے ہیں۔

عقیدہ:۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چونکہ خاتم النبیین ہیں اس لئے آپ کی کتاب بھی تمام کتابوں کی خاتم ہے کہ اب کوئی اور کتاب، کہیں، کسی پر قیامت تک نازل نہ ہوگی۔

عقیدہ:۔ چونکہ یہ دین ہمیشہ رہنے والا ہے لہٰذا قرآن عظیم کی حفاظت، اللہ عزوجل نے اپنے ذمۂ کرم پر رکھی ہے اور اس کی محافظت کا خود فرمالیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ بے شک ہم نے قرآن اتارا اور بے شک ہم اس کے ضرور نگہبان ہیں؛ لہٰذا اس میں کسی حرف، یا نقطہ کی کمی بیشی محال ہے اگرچہ تمام دنیا اس کے بدلنے پر جمع ہو جائے۔

تو جو یہ کہے کہ اس میں کے کچھ پارے یا سورتیں یا آیتیں بلکہ ایک حرف بھی کسی نے کم کر دیا یا بڑھا دیا۔ یا بدل دیا قطعاً کافر ہے۔ کہ اس نے اس آیت کا انکار کیا جو ہم نے ابھی لکھی۔

تشریح:- آیہ کریمہ میں تین مرتبہ ضمیر متکلم کا بیک وقت تکرار (انا۔ نحن۔ نزلنا) جس تاکید بالائے تاکید پر دلالت کرتا ہے وہ اہل علم سے مخفی نہیں اور ضمیریں بھی جمع متکلم کی وارد ہوئیں جو نازل کرنے والے کی عظمت وکبریائی کا اظہار کر رہی ہیں۔ یعنی ہم جو سارے جہانوں کے خالق و مالک ہیں۔ ہم جن کی فرمانروائی کا ڈنکا۔ زمین و فلک و فرش و عرش پر بج رہا ہے بے شک ہم نے اسے اتارا ہے اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں کہ تحریف و تبدیل و زیادتی و کمی سے اس کی حفاظت فرماتے ہیں۔ تمام جن و انس اور ساری خلق کے مقدور میں نہیں ہے کہ اس میں ایک حرف کی کمی بیشی کرے یا تغیر و تبدیل کر سکے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اس لئے یہ خصوصیت صرف قرآن شریف ہی کی ہے دوسری کسی کتاب کو یہ بات میسر نہ آئی کہ اس میں تحریف و تبدیل یا تغیر نہ ہو سکے۔

قرآن مجید فرقان حمید کی یہ حفاظت کئی طرح پر ہے۔

(۱) قرآن مجید کو معجزہ بنایا کہ بشر کا کلام اس میں مل ہی نہ سکے۔

(۲) قرآن کریم کو معارضے اور مقابلے سے محفوظ کیا کہ کوئی اس کی مثل کلام بنانے پر قادر نہ ہو اور قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت اور حسن نظم و ترتیب ہمیشہ لاجواب رہے۔

(۳) ساری خلق کو اس کے نیست و نابود اور معدوم کر دینے سے عاجز کر دیا کہ کفار و معاندین، باوجود کمال عداوت کے، اس کتاب مقدس کو معدوم کر دینے سے عاجز ہیں۔ آج بھی لاکھوں انسان اپنے سینوں میں اسے محفوظ کئے ہوئے ہیں۔ بفرض محال اگر سارے لکھے ہوئے قرآنی نسخے نایاب ہو جائیں تو پھر بھی قرآن کریم جوں کا توں محفوظ رہے گا۔ نہ کسی کے مٹائے مٹ سکے گا۔ نہ کسی کے دبائے دب سکے گا اور نہ کسی کے طعنوں اور ناحق اعتراضوں سے اس کی قدر گھٹ سکے گی۔ اور نہ کسی کے روکے اس کی دعوت رُک سکے گی اور نہ قیامت تک، مخالفین کے شدید ہجوم کے باوجود اس کے کسی لفظ کسی حرف میں کمی ہوگی۔

غرض یہ دعوی کہ یہ کتاب لفظ بہ لفظ کلام الٰہی ہے آج روئے زمین پر کسی بھی دوسری کتاب کا نہیں یہاں تک کہ تورات و انجیل کا بھی نہیں۔ دنیا کے کتب خانے کسی دوسری ایسی کتاب کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں جو چودہ سو سال سے اپنے الفاظ، حروف، نقوش اور حرکات و سکنات، سب کے لحاظ سے

اپنی اصل حالت میں موجود ہو۔ اور نہ اسلام کا کوئی بدترین بدخواہ یہ ثابت کر سکا اور نہ ثابت کر سکے گا کہ قرآن کریم میں کوئی تحریف کوئی تلبیس کوئی تغیر کوئی تبدیل پائی گئی ہے یا پائی جاتی ہے۔

پھر سب جانتے ہیں کہ اسلام میں پانچ نمازیں فرض ہیں جن میں سے تین میں قرآن مجید باآواز بلند پڑھا جاتا ہے۔ اور چونکہ ہر شخص مختار و مجاز ہے کہ جہاں سے وہ چاہے اور جتنا چاہے قرأت کرے اس لئے دنیا پر پھیلے ہوئے کروڑوں انسان صدہا مقامات پر مختلف پاروں اور سورتوں سے قرآن حمید کی قرأت روزانہ کیا کرتے ہیں۔ ایک پڑھتا ہے اور اس کی اقتدا میں نماز ادا کرنے والے بیسیوں بلکہ سینکڑوں مقتدی سنا کرتے ہیں۔ اقتدا کرنے والوں میں بہت تعداد ان لوگوں کی ہوتی ہے جن کو خود بھی وہ آیات جو امام پڑھ رہا ہے یاد ہوتی ہیں۔

یہ طریقہ عہد نبوی سے جاری تھا اور ہر شہر ہر قصبہ ہر قریہ میں برابر اسی پر عمل درآمد رہا اور اب بھی ہے لہٰذا کسی کے بھی احاطۂ اقتدار سے یہ بات باہر ہے کہ وہ سب کی زبانوں سب کے دماغوں سب کے سینوں اور سب کی کتابوں پر قبضہ کر کے ایک بھی لفظ کی کمی بیشی کر سکے۔ اور یہ بھی ایک زبردست خصوصیت، حفاظت کتاب حمید کی ہے کہ مشرق سے لے کر مغرب تک، عرب سے لے کر عجم تک، شمال سے لے کر جنوب تک، تمام دنیا ایک ہی ترتیب ایک ہی تدوین سے قرآن کریم کی قرأت کر رہی ہے۔ اور وہ بھی یوں کہ اگر کسی قاری، کسی امام، کسی تلاوت کرنے والے سے سہواً یا خطاءً کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو سننے والا اسے فوراً ٹوکتا اور صحیح پڑھنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ تحریف و تغییر درکنار، ایک آیت کیا، ایک لفظ کی بھی تقدیم و تاخیر گوارا نہیں کی جاتی۔

عقیدہ ۵:۔ اگلی کتابیں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کو زبانی یاد ہوتیں۔ قرآن عظیم کا معجزہ ہے کہ مسلمانوں کا بچہ بچہ یاد کر لیتا ہے۔

تشریح:۔ قرآن کریم کا ارشاد گرامی ہے۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِىْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ

"بلکہ وہ روشن آیتیں ہیں۔ ان کے سینوں میں جن کو علم دیا گیا۔"

یعنی اس کتاب کے وجوہ اعجاز اتنے کھلے ہوئے اور اتنے متعدد ہیں کہ یہ ایک کتاب بجائے خود بہت سے نشانوں کے قائم مقام ہے اور بطور نشان واضح کے سینہ بہ سینہ محفوظ چلی آتی ہے ہر

امکان تحریف سے ماورا اور ظاہر الاعجاز۔ اور یہ دونوں باتیں قرآن پاک کے ساتھ خاص ہیں۔ قرآن کے علاوہ اور کوئی کتاب ایسی نہیں جو معجزہ ہو اور نہ ایسی کہ ہر زمانہ میں سینوں میں محفوظ رہی ہو۔ ساری کتاب کو حفظ کر لینا ایک اچھوتا خیال ہے کیونکہ قرآن مجید سے پیشتر دنیا میں کوئی کتاب حفظ نہ کی گئی اس لئے اس خیال کا پیدا ہونا ہی اس کے الہامی ہونے کی دلیل ہے۔ اس پیشگوئی کے مطابق ہر ملک ہر صوبہ ہر ضلع ہر شہر میں حفاظ قرآن کریم کی کافی تعداد پائی جاتی ہے جو اس صحت و اتفاق اور یقین و انق کے ساتھ تلاوت قرآن پاک کرتے ہیں کہ ان کی قرأت سے مطبوعہ کتابت کی تصحیح کی جاتی ہے۔ مگر ان حفاظ کو مطبوعہ یا قلمی کتاب سے صحت کرنے کی کبھی ضرورت نہیں پڑتی۔ اگر کسی حافظ کو اپنے پڑھنے میں کہیں شبہہ پڑے گا تو وہ اس کی صحت کا مدار دوسرے حافظ ہی پر رکھے گا۔ یہ ایک ایسی زبردست پیشگوئی ہے کہ تمام دنیا اس کی نظیر لانے سے عاجز ہے۔ حفاظت قرآن کا یہ ایک ایسا انتظام ہے جو بالکل لاثانی ہے اور محض منجانب اللہ ہے۔ اور عظیم معجزہ بھی کہ اس کا زیر و زبر اور حرف حرف توالی و تواتر کے ساتھ، سینوں میں ایسا محفوظ ہے کہ دنیا کے ایک گوشے میں ایک ایک حرف پورے یقین کے ساتھ اسی طرح پایا جاتا ہے جیسا کہ دنیا کے دوسرے دور دراز گوشوں میں۔ لہٰذا حفاظت الٰہی کا اس طرح کارفرما ہونا قرآن عظیم کے معجزہ ہونے پر ایک قطعی دلیل ہے۔

عقیدہ : قرآن مجید، کتاب اللہ ہونے پر اپنی آپ دلیل ہے کہ خود اعلان کے ساتھ کہہ رہا ہے وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا الآیۃ" اگر تم کو اس کتاب میں جو ہم نے اپنے سب سے خاص بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر اتاری کوئی شک ہو تو اس کی مثل کوئی چھوٹی سی سورت کہہ لاؤ اور اللہ کے سوا اپنے سب حمائیتیوں کو بلا لو۔ اگر تم سچے ہو۔ تو اگر ایسا نہ کر سکو اور ہم کہہ دیتے ہیں کہ ہرگز ایسا نہ کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

تشریح : قرآن کریم کا سیدھا سادہ دعویٰ یہ ہے کہ وہ کسی انسان کا نہیں، خدائے قدوس و قادر مطلق کا کلام ہے اور اپنے اس دعوے پر دلیل اس نے کیسی قطعی، اور عوام و خواص دونوں کی سمجھ میں آجانے والی یہ پیش کر دی ہے کہ اگر کوئی اسے امکان بشری کے اندر سمجھتا ہے اور واقعی منکرین کا یہی خیال ہے کہ قرآن ایک انسانی دماغ کی پیداوار ہے تو یہ بھی تو آخر انسان ہیں اور بڑے روشن خیال، عالی دماغ، صاحب زبان قسم کے انسان۔ یہ خود اس کا ادنیٰ اور ہلکا سا نمونہ ہی اپنی متحدہ کوششوں سے کیوں نہیں پیش

کر دکھاتے اور سب مل ملا کر، سر جوڑ کر، کیوں نہیں ایسی کوئی کتاب تیار کر دیتے جو اپنی فصاحت وبلاغت۔ مغز و معنویت اور زبان وانشاء میں غرض کسی حیثیت سے ہی اس کی ہم سطح اور ہم پلہ ہو۔

ظاہر ہے کہ اگر یہ تمہارے خیال میں کلام الٰہی نہیں تو یقیناً ایک انسان کی تصنیف ہوگی اور جب ایک انسان ایسی تصنیف پر قادر ہے تو دوسرا بھی ہو سکتا ہے چہ جائیکہ لائق و فائق انسانوں کا ایک پورا مجمع کا مجمع۔

خطاب یہاں یاایہا الناس کے تحت میں ساری دنیا سے ہو رہا ہے صرف قریش یا اہل عرب سے نہیں اور قرآن کریم کے اس چیلنج کو چودہ سو سال گذر چکے ہیں اور دنیا کے کتب خانے، اس کتاب سازی کے عہد میں بھی، پورا قرآن کیا معنی، اس کی دس آیتوں، تین آیتوں بلکہ ایک مختصر سورت کی مثل سے بھی یکسر خالی ہیں۔ اللہ اکبر! کس زور کی تحدی ہے اور وہ بھی ایک النبی الامی کی زبان حق ترجمان سے۔ اپنی عقل و حکمت، اپنے علوم وفنون پر ناز رکھنے والوں کو کیسا کیسا جوش اس وقت بھی آیا ہوگا، جبکہ اس کا مثل نہ لانے پر منکرین اور ان کے معبودوں کو دوزخ کا ایندھن بتایا جا رہا تھا اور آج بھی آ رہا ہے۔ لیکن قرآنی تحدی (چیلنج) جہاں تھا وہیں رہا۔ اور وہیں ہے۔ کتنے نئے نئے مسلک روز پیدا ہو رہے ہیں کیسی کیسی "ازم" ہر روز اٹھ رہی ہیں اور دنیا کو راہ نجات دکھلانے میں ناکام ہو رہی ہیں۔ یہ سب گویا قرآنی تحدی کے کے جوابات ہی ہیں۔ ہر جواب ناکام اور شرمناک حد تک ناکام۔

اسلام کے دشمنوں کے لئے یہ کتنا آسان طریقہ تھا کہ تین آیت کی ایک سورت بنا کر قرآن کے اس چیلنج کا جواب دیتے اور اس طرح قرآن نبوت اور اسلام کی صداقت وعظمت کو یک دم ختم کر کے بیک کرشمہ، سرکار کا منظر دکھاتے۔ لیکن چودہ صدیاں گذر چکی ہیں اور شرق وغرب کے بدخواہ، اپنی بے چین خواہشوں، لگاتار کوششوں اور جاں گسل کاوشوں کے باوجود، اس چیلنج کا جواب آج تک نہ دے سکے اور قرآنی پیشگوئی ہے کہ قیامت تک نہ دے سکیں گے۔ تو اب کسی انصاف پسند ذی ہوش کیلئے یہ ماننے میں انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ (۱) قرآن اللہ کا کلام ہے (۲) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول برحق ہیں (۳) اور اسلام کامل و مکمل دین اور جامع ترین دستور العمل ہے۔ حمد اس کی ذات پاک کو جس نے مسلمان کیا اور ہم غلاموں کا ہاتھ، محمد رسول اللہ کے مبارک ہاتھوں میں دیا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن کریم جن مضامین عالیہ پر متضمن ہے اور جو اس کی خصوصیات خاصہ ہیں یہ وہ بصائر بھی ہیں جو دیدۂ کوتاہ بیں کے حجاب اٹھا دیتی اور آنکھوں کو روشن کر دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عرب کے وہ بھیانک صحرا و وادی جن کو آنکھ بھر کر دیکھنا ناگوار تھا اب صحیفۂ فطرت کے طالبان علم کیلئے ورق دانش بن گئے اور ہر ایک چیز سے خلاق مطلق کی قدرت خالقیت، اور اس کے معبود برحق ہونے کے جلوے فراوانی وکثرت سے نظر آنے لگے۔ والحمد للہ رب العلمین۔

کاش آنکھوں والے آنکھیں کھولیں اور سننے والے اس کی آواز پر کان لگائیں۔ صاحب دل، دلوں کے غلاف اتار اتار کر اور بصیرت سے قفل کھول کھول کر کام لیں کہ حسن قرآن کی عالم افروزی اور ملکوت نوازی ان پر روشن ہو جائے۔

عقیدہ: قرآن کریم کی سات قرأتیں سب سے زیادہ مشہور اور متواتر ہیں۔ ان میں معاذ اللہ کہیں اختلاف معنی نہیں۔ وہ سب حق ہیں اور اس میں امت کے لئے آسانی یہ ہے کہ جو قرأت آسان ہو وہ پڑھے۔ اور حکم یہ ہے کہ جس ملک میں جو قرأت رائج ہے عوام کے سامنے وہی پڑھی جائے جیسے ہمارے ملک میں قرأت عاصم بروایت حفص۔ کہ لوگ ناواقفی سے انکار کریں گے اور وہ معاذ اللہ کلمۂ کفر ہوگا۔

تشریح: عرب کے مختلف قبائل حروف کی ادائیگی میں مختلف طریقے رکھتے تھے۔ مثلاً بعض قبائل حارحطی (ح) کو عین (ع) سے ادا کرتے تھے یعنی حتّٰی کو عتّٰی کہتے تھے۔ کوئی الف کو یٰ سے ادا کرتا تھا یعنی آمیر کو یمیر کہتا تھا۔ بعض علامت مضارع کو ہر حال میں پیش سے ادا کرتے تھے۔ بعض اسم معرفہ کے خاصہ۔ الف لام کو الف میم کی صورت میں ادا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ ایک صاحب نے جن کا تعلق غالباً قبیلۂ حمیر یا نضر بن علی سے تھا، خدمت اقدس میں کچھ عرض کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کی لغت میں انہیں جواب دیا اور فرمایا لَیْسَ مِنَ امْبِرِّ امْصِیَامُ فِی امْسَفَرِ۔ یعنی لَیْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّیَامِ فِی السَّفَرِ تو اس لغت میں حرف تعریف لام کی جگہ میم مستعمل تھا۔ ما مشبہ بہ لیس کی خبر کو کوئی منصوب کرتا۔ کوئی مرفوع۔ اِنَّ وَاَنَّ وغیرہما کے اسم کو کوئی نصب دیتا کوئی رفع پر رکھتا۔ بعض قبائل ہر جگہ (ب) کو (م) بولتے (م) کو (ب) غرض اسی قسم کے بہت سے تفاوت لہجہ اور طرز ادا میں تھے قرآن عظیم خاص لغت قریش پر اترا تھا کہ صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم قریشی تھے۔

پھر اسلام جب عرب سے عجم میں پہنچا اور عجمیوں پر اس کا زور ڈالا گیا کہ حروف کو ان کے

مخارج سے ادا کریں تاکہ حروف میں امتیاز رہے اور معنوں میں کوئی تغیر و تبدل واقع نہ ہو۔ اس وقت اہل عرب کے مختلف قبائل کو بھی اس پر مجبور کیا گیا کہ قبیلۂ قریش کی قرأت اختیار کریں اور ہر حرف کو اسی طرح ادا کریں جیسا کہ قریش ادا کرتے ہیں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریشی تھے۔ اور آپ نے جس حرف کو جس طریقے پر عادۃً اور روزمرہ میں استعمال کیا ہے۔ وہی اس کا صحیح تلفظ ہے۔

ایک حدیث شریف میں وارد ہے کہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک شافی و وافی ہے۔" حدیث شریف کی تشریح میں بہت سے اقوال منقول ہیں انہیں میں ایک تشریح یہ بھی ہے کہ اس سے مراد، حرفوں کا مختلف آوازوں کے ساتھ ادا کرنا ہے جو قبائل عرب میں رائج ہے۔

حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اسلام دور دراز ممالک تک پہنچ چکا تھا جس میں عجم کا بہت بڑا حصہ شامل تھا اور ان کے لئے قرآن مجید کا پڑھنا اس طرح کہ تمام حروف ایک دوسرے سے ممتاز رہیں، سخت دشوار تھا۔ اس لئے ان کو معلم کی بھی ضرورت تھی اور قرآنِ مکتوب کی بھی۔ جو کتابی شکل میں ان کے ہاتھوں اور ان کی نظروں کے سامنے ہو۔ اس لئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس نسخہ کی متعدد نقلیں نہایت احتیاط سے کرائیں جو ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے پاس امانۃً رکھا گیا تھا۔ اور ہر جگہ متعدد معلموں اور استادوں کو، متعدد نسخوں کے ساتھ (جو قطعًا یقینًا نقل مطابق اصل کے مصداق تھے) روانہ کیا تاکہ پڑھنے والوں کے سامنے کتاب الٰہی قرآن مجید بھی ہو اور اس کا صحت سے پڑھنے اور پڑھانے والا بھی موجود ہو۔ اس طرح اس نسخہ کی جو عہد ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں لکھا گیا تھا تمام ملک میں اشاعت ہوئی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ جامع القرآن اور مروّج القرآن کہلائے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم قرآن کریم کی موجودہ جمع و ترتیب پر کچھ اجمالی تفصیل کرتے چلیں تاکہ بعض گمراہ فرقوں کے واہی تباہی خیالات کا قلع قمع ہو جائے۔

قرآن کریم کا جامع

یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن عظیم کا جامع حقیقی اللہ عزّ و جل ہے قَالَ جَلَّ وَعَلیٰ اِنَّ عَلَیۡنَا۔

جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ "بے شک ہمارے ذمہ ہے۔ قرآن کا جمع کرنا اور پڑھنا"

پھر جامع، اللہ عزوجل کے مظہر اوّل واتم واکمل حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوئے آیات قرآنیہ اسی ترتیب جمیل پر کہ مسلمانوں کے ہاتھوں، مسلمانوں کے سینوں میں ہے، لوح محفوظ کی ترتیب کے مطابق جبریل علیہ السلام کی تبلیغ اور صاحب تنزیل صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے موافق، زمانہ اقدس میں اپنی اپنی سورتوں میں جمع ہوئیں۔ قرآن عظیم ۲۳ برس میں، بندوں کی حاجتوں اور مصلحتوں کے ماتحت متفرق آیتیں ہو کر اترا کسی سورت کی کچھ آیتیں اتریں۔ پھر دوسری سورت کی آیتیں آتیں۔ پھر پہلی صورت کی نازل ہوتیں۔ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار ارشاد فرماتے کہ یہ آیات فلاں سورت کی ہیں فلاں آیت کے بعد، فلاں کے پہلے رکھی جائیں۔ اسی طرح قرآنی سورتیں منتظم ہوتیں۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم، پھر حضور سے سن کر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسی ترتیب پر اسے نمازوں تلاوتوں میں پڑھتے۔

پھر قرآن عظیم صرف ایک واحد لغت قریش پر نازل ہوا اور عرب کے مختلف قبائل اور ان کے لہجے، باہم حرکات وسکنات وبعض اجزائے کلمات میں مختلف اور ان میں اسی قسم کے بالائی اختلافات بکثرت تھے جن سے کلام کے معنی بلکہ جوہر نظم وترتیب کو بھی کوئی ضرر نہ پہنچا۔ اور مادری لہجہ زبانوں پر چڑھا ہوا دفعۃً ہر قوم وقبیلہ کو اپنی قدیمی عادات سے بدل دینا سخت دشوار تھا لہٰذا حضور پر نور، رحمت معمور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے عرض کر کے، دیگر قبائل والوں کے لئے ان کے لہجوں کی رخصت لی تھی اور یہ آسانی فرمائی تھی کہ ہر قوم عرب اپنے طرز ولہجہ میں قرأت قرآن عظیم کرے۔

جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم، ہر رمضان مبارک میں، جس قدر قرآن عظیم اب تک اتر چکا ہوتا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اس کا دور کرتے جو سنت سنیہ اب تک بحمد اللہ تعالیٰ حفاظ اہلسنت میں باقی ہے اور باقی رہے گی۔

سال اخیر میں جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوبار، صرف اصل لغت قریش پر جس میں قرآن مجید نازل ہوا تھا حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دور کیا اور اس کی تکرار سے اشارہ ہوا کہ وہ رخصت منسوخ اور اب صرف اسی لغت پر جس میں اصل نزول ہے یہ امر مستقر ہوا۔

اور قرآن عظیم کی سورتیں اگرچہ زمانہ اقدس میں مرتب ہو چکی تھیں مگر یکجا مجتمع نہ تھیں۔ متفرق

پرچوں کا غذوں، پتھر کی تختیوں، بکری دنبے کے پوستوں۔ شانوں پسلیوں وغیرہا میں متفرق جگہ تھیں۔ سوا ان مبارک سینوں کے جن میں سارا قرآن عظیم، مرتب ومنتظم موجود تھا کوئی اور باقاعدہ ترتیب وتدوین کتابی صورت میں وجود میں نہ آئی تھی۔ حال یہی تھا یہاں تک کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نظر عوام سے احتجاب (پردہ) فرمایا اور خلافت خلیفۂ برحق صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ میں جنگ یمامہ واقع ہوئی جس میں بکثرت صحابۂ کرام حافظان قرآن شہید ہوئے امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل الہام منزل میں حق جلّ وعلانے، اپنا وعدہ صادقہ "اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ" پورا فرمانے کو، القاء کیا کہ حضرت خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر گزارش کی کہ اس لڑائی میں بہت سے صحابہ جن کے سینوں میں قرآن عظیم تھا شہید ہوئے اور میں ڈرتا ہوں کہ یوہیں قرآن متفرق پرچوں میں رہا اور حفاظ شہادت پاتے گئے تو بہت سا قرآن مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ میری رائے میں حکم دیجئے کہ قرآن عظیم کی سب سورتیں یکجا کرلی جائیں۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابتداءً اس میں تامل ہوا بالآخر رائے صدیق بھی موافق ہوئی اور حضرت زید بن ثابت وغیرہ حفاظ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس امر جلیل کا حکم دیا اور پھر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجماع سے یہ مسئلہ طے ہوا اور قرآن عظیم متفرق مواضع سے جمع کرلیا گیا اور سارا قرآن عظیم یک جا ہوگیا۔ ہر سورت ایک جدا صحیفے میں تھی۔ وہ صحیفے تا حیات صدیقی حضرت خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بعد حضرت امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم اور ان کے بعد حضرت ام المومنین حفصہ بنت الفاروق زوجۂ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم کے پاس رہے مگر ہنوز تین کام باقی تھے۔

(۱) ان مجموع صحیفوں کا ایک مصحف واحد میں نقل ہونا۔

(۲) اس مصحف کے نسخے مملکت اسلامیہ کے تمام علاقوں میں تقسیم ہونا۔

(۳) رخصت سابقہ کی بنا پر جو بعض اختلافات لہجہ کے اثرات، کتابت قرآن عظیم میں متفرق لوگوں کے پاس تھے دفع فتنہ کے لئے ان کا محو ہونا یہ تینوں کام حافظ حقیقی جامع ازلی جل جلالہ نے اپنے تیسرے بندے امیر المومنین جامع القرآن ذی النورین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

لیا۔ اور آپ نے حسب مشورہ امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم و دیگر اعیانِ صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم ان صحیفوں کو ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منگاکر ان کی نقلیں لے کر تمام سورتیں ایک مصحف میں جمع کر کے، وہ مصاحف تمام بلاد اسلام میں بھیج دیئے کہ سب اسی کا اتباع کریں اور اسکے خلاف اپنے آپ طرزادا کے مطابق جو صحائف بعض لوگوں نے لکھے ہیں دفع فتنہ کے لئے تلف کر دیئے جائیں۔ اصل صحیفے جن کی نقلیں مکہ معظمہ و شام و یمن و بحرین و بصرہ و کوفہ کو بھیجی گئی تھیں اور ایک مدینہ طیبہ میں رہی حضرت ام المومنین کو واپس کر دیئے۔ ان کی نسبت معاذاللہ دفن کرنے یا کسی طرح تلف کرا دینے کا بیان محض جھوٹ ہے۔ وہ مبارک صحیفے خلافت عثمانی پھر خلافت مرتضوی پھر خلافت امام حسن، پھر خلافت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تک بعینہا محفوظ تھے یہاں تک کہ مروان نے لے کر چاک کر دیئے۔

سیدنا مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں "عثمان کے حق میں سوا کلمہ خیر کے کچھ نہ کہو۔ خدا کی قسم معاملہ مصاحف میں انہوں نے جو کچھ کیا ہم سب کے مشورہ و اتفاق سے کیا۔" (جمع القرآن ملخصًا) اب بھی لوگ اگر طعن کریں تو خدا انہیں سمجھے۔

عقیدہ:۔ قرآن مجید نے اگلی کتابوں کے بہت سے احکام منسوخ کر دیئے۔ یونہی قرآن مجید کی بعض آیتوں نے بعض کو منسوخ کر دیا۔

عقیدہ:۔ نسخ کا مطلب یہ ہے کہ بعض احکام کسی خاص وقت تک کے لئے ہوتے ہیں مگر یہ ظاہر نہیں کیا جاتا کہ یہ حکم فلاں وقت تک کے لئے ہے۔ جب میعاد پوری ہو جاتی ہے تو دوسرا حکم نازل ہوتا ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلا حکم اٹھا لیا گیا اور حقیقۃً دیکھا جائے تو اس کے وقت کا ختم ہونا بتایا گیا۔ منسوخ کے معنی بعض لوگ باطل ہونا کہتے ہیں یہ بہت سخت بات ہے۔ احکام الٰہیہ سب حق ہیں وہاں باطل کی رسائی کہاں۔

تشریح:۔ نسخ اصول فقہ کی ایک اصطلاح خاص ہے جس کے معنی ہیں کسی مطلق و غیر مقید حکم کو، محدود و مقید کر دینا۔ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو حکم پہلے نازل فرمایا تھا وہ عام اذہان کے برخلاف ہمیشہ کے لئے نہ تھا ایک وقت محدود کے لئے تھا جب وہ وقت محدود ختم ہو گیا تو پہلے حکم کی میعاد ختم ہونے کا اعلان کر دیا گیا کہ اب احوال و مصالح کا تقاضا کچھ اور ہے پہلے کچھ اور تھا

اور احکام شریعت میں احوال و مصالح کی رعایت رکھی ہی جاتی ہے۔ اس میں کوئی قباحت نہیں۔

پھر ظاہر ہے کہ نسخ کا تعلق عقائد کلیات، اخلاق، امور حسیہ، قصص گذشتہ حکایات ماضیہ، اخبار غیبیہ وغیرہا اساسی امور دین سے نہیں یعنی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں عقیدہ کسی زمانہ میں واجب ولازم تھا اب وہ ایمان کے منافی قرار پایا۔ یا جھوٹ چوری زنا قتل پہلے حرام تھے اب انہیں حلال قرار دے دیا گیا۔ یا فلاں بات جو وحی الٰہی کے ذریعہ بیان کی گئی تھی اب وہ قابل تردید ہوگئی۔

یا فلاں واقعہ جو پہلے مذکور تھا اب ناقابل قبول ہوگیا۔ یعنی قرآن کریم کے بیشتر حصہ میں تو نسخ کا احتمال ہی نہیں اس کی گنجائش جو کچھ بھی ہے وہ لے دے کے باب احکام میں ہے۔ اور احکام کی مثال طبیب کے نسخے کی ہے کہ طبیب کی تشخیص اپنی جگہ رہتی ہے مریض کی حالت ادلتی بدلتی رہتی ہے اور اس تبدیلی میں موسم اور آب و ہوا کا بڑا دخل رہتا ہے۔ ان حالات میں کوئی حاذق سے حاذق طبیب بھی اپنے نسخے کے اجزا میں۔ اگر تغییر و تبدیل و ترمیم و اضافہ کر دے تو کوئی صاحب عقل اس پر اعتراض کا مجاز نہیں اور نہ ایسے اعتراض ذوی العقول کے یہاں قابل قبول۔

یوہیں وہ احکام شریعت جو اس وقت کے حالات کے مطابق اور مصالح قوم کے ماتحت تھے اور جن کی حیثیت محض عارضی و ہنگامی احکام کی تھی اگرچہ قوم نے ان حالات و مصالح کو نہ سمجھا نہ جانا، وہ بدل دیئے گئے اور ان کی جگہ دائمی اور مستقل قوانین نے لے لی تو اس میں متحیر اور چیں بجبیں ہونے اور پہلو بدلنے کی کیا ضرورت ہے۔

قانون فطرت میں بھی انسان کے دانت اور جبڑے مستقل طور پر، غذاؤں کے ... نے اور کاٹنے پھاڑنے ہی کے کام کے لئے ہیں۔ لیکن شیر خوارگی کے ابتدائی دور میں بچوں کو وہی غذائیں دی جاتی ہیں جو اس کے حالات سے موزوں اور مصالح کے مطابق ہوتی ہیں۔ اس موٹی اور سیدھی سادی بات میں خدا معلوم ایسا کونسا ہوا ہے کہ لوگ گھبرا گھبرا کر نسخ کا نام لینا اور سننا بھی گوارا نہیں کرتے۔

یہ بھی خوب ذہن نشین رہے کہ یہ نسخ جو کچھ بھی ہوگا محض علم بشری کے اعتبار سے ہوگا جو ناقص و نامکمل بھی ہے اور محدود و مقید بھی ورنہ علم الٰہی میں تو ہر حکم ازل سے وقت معین کے لئے مقرر و ثابت ہے اور وہ قابل مطلق، بندوں کی مصلحتوں اور وقت و موسم و حالات کے مطابق ان کی رعایت فرماتا اور وہی حکم دیتا ہے جسے ان کے ذہن آسانی سے قبول کر لیں جبکہ اسے ہر طرح کا اختیار کامل و تصرف مطلق

حاصل ہے۔

اسی طرح قرآن کریم کی بعض آیات کا ناسخ اور بعض کا منسوخ ہونا بھی عین حکمت الٰہی ہے۔ عرب جیسی آزاد منش قوم کو قانون و آئین کا پابند کرنے کے لیے جن تدریجی اقدامات کی ضرورت تھی وہ پوشیدہ نہیں اس لئے اگر چند ابتدائی احکام جو محض وقتی مصلحت کے ماتحت دے دیئے گئے تھے بعد میں منسوخ کر دیئے گئے اور ان کی جگہ دوسرے احکام، جو اب ان کی تربیت یافتہ ذہنیت کے مطابق تھے نافذ کر دیئے گئے تو بالکل حکمت الہیہ کی مصالح کے مطابق ہے۔

منسوخ بھی اللہ کی طرف سے ہے اور ناسخ بھی۔ دونوں عین حکمت ہیں اور ناسخ کبھی منسوخ سے زیادہ سہل اور نافع تر ہوتا ہے۔ قدرت الٰہی پر یقین رکھنے والے کو اس میں جائے تردد نہیں۔ کائنات میں مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دن سے رات کو، گرما سے سرما کو، جوانی سے بچپن کو، بیماری سے تندرستی کو، بہار سے خزاں کو منسوخ و متبدل فرماتا ہے۔ یہ تمام نسخ و تبدیل اس کی قدرت کے دلائل ہیں۔ تو ایک آیت اور ایک حکم کے منسوخ ہونے میں کیا تعجب۔

نسخ درحقیقت حکم سابق کی مدت کا بیان ہوتا ہے کہ وہ حکم اس مدت کے لئے تھا اور عین حکمت تھا۔ کفار کی نافہمی کہ نسخ پر اعتراض کرتے ہیں اور اہل کتاب کا اعتراض ان کے معتقدات کے لحاظ سے بھی غلط ہے۔ انہیں آدم علیہ السلام کی شریعت کے احکام کی منسوخیت تسلیم کرنا پڑے گی۔ یہ ماننا ہی پڑے گا کہ شنبہ کے روز دنیاوی کام ان سے پہلے حرام نہ تھے ان پر حرام ہوئے۔ یہ بھی اقرار ناگزیر ہوگا کہ توریت میں حضرت نوح کی امت کے لئے تمام چوپائے حلال ہونا بیان کیا گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بہت سے حرام کر دیئے گئے۔ ان امور کے ہوتے ہوئے نسخ کا انکار کیونکر ممکن ہے۔ (ماخوذ)

مسئلہ جس طرح آیت دوسری آیت سے منسوخ ہوتی ہے اسی طرح حدیث متواترہ سے بھی ہوتی ہے۔ مسئلہ نسخ کبھی صرف تلاوت کا ہوتا ہے۔ کبھی صرف حکم کا اور کبھی تلاوت و حکم دونوں کا۔

(تفسیر خزائن العرفان)

عقیدہ:۔ قرآن کریم کی بعض باتیں محکم ہیں کہ ہماری سمجھ میں آتی ہیں اور بعض متشابہ، کہ ان کا پورا مطلب، اللہ اور اللہ کے حبیب کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ متشابہ کی تلاش اور اس کے معنی کی کنگاش وہی کرتا ہے جس کے دل میں کجی ہو۔

تشریح :- ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ هُوَ الَّذِیٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ الآیہ" وہی ہے جس نے تم پر یہ کتاب اتاری۔ اس کی کچھ آیتیں صاف معنی رکھتی ہیں وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری وہ ہیں جن کے معنی میں اشتباہ ہے تو وہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑتے ہیں، گمراہی چاہنے اور اس کا پہلو ڈھونڈھنے کو۔ اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔ سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔" (آل عمران ع ۹)

قرآن کریم نے یہاں اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ قرآن مجید وہ آیتیں جو محکم کہلاتی ہیں یعنی جن کا مفہوم بالکل واضح بیّن اور صاف ہے جن سے ایک ہی معنی نکلتے ہیں، وہی اصل مدار و معیار ہیں اور ساری کتاب کی اصل و مرجع۔ احکام میں انہیں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور حلال و حرام میں انہیں پر عمل۔ اور وہ آیتیں جنہیں متشابہات کہا جاتا ہے یعنی وہ جو چند وجوہ کا احتمال رکھتی ہیں اور ان کی تعبیر و تفسیر میں مختلف پہلو نکلتے ہیں اور ان میں مختلف تاویلات کی گنجائش ہوتی ہے۔ ان میں کون سی وجہ مراد ہے یہ اللہ ہی جانتا ہے یا جس کو اللہ تعالیٰ اس کا علم دے، ان کے معنی کی تلاش میں وہی لوگ سرگرم و سرگرداں رہتے ہیں۔ جن کے دل حق سے منحرف ہوتے ہیں اور ہوائے نفسانی کے پابند۔

قرآن کریم کے یہ الفاظ عام و وسیع ہیں اور اس کے تحت میں ہر وہ کج رائے، کج رَو، ہر وہ ملحد و زندیق اور ہر وہ گمراہ و بدمذہب آجاتا ہے جو دوسروں کو شک و شبہہ میں ڈالنے اور ان کے دلوں میں قرآن و اسلام و پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق طرح طرح کے شکوک و وسوسے پیدا کر کے انہیں ان کے عقائد و اعمال حقہ سے بدظن کرنے اور ہٹانے کی کوششیں کرتے ہیں۔ جن کے دلوں میں حق طلبی۔ حق جوئی، حق پسندی، حق پرستی، اور تلاش صداقت نہیں ہوتی وہ اسی اُدھیڑ بن میں لگے رہتے ہیں کہ دین میں کوئی نہ کوئی فتنہ بنا کریں اور بجائے اس کے کہ خود دین کی راہ پر چلیں، دین کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنا اور اپنی راہ پر چلانا چاہتے ہیں اور یہ لوگ نصوص کلام الٰہی کو توڑنے مروڑنے میں کوئی پاک نہیں رکھتے جیسا کہ آج کل بھی، اہلسنت و جماعت کے خلاف، ہر فرقہ باطل کی تاویلات میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ صاف اور واضح الدلالت آیات کے غلط ملط معنی اپنی مرضی کے مطابق تراش کر، عوام مسلمین میں انتشار، اور وحدت دین میں رخنہ پیدا کرتے ہیں۔

فائدہ جلیلہ

قرآن کریم محض زبانی یادداشتوں یا روایتوں کا مجموعہ نہیں۔ بلکہ باضابطہ و مستند نوشتہ، ایک صحیفۂ مکتوب، ضبط تحریر میں آیا ہوا، ایک کتابی شکل میں مرتب صحیفۂ آسمانی ہے۔ یوں کہنا چاہیئے کہ کتاب تو یس، یہی ایک کتاب کامل ہے اور اس کے سامنے آج کے اس کتابی دور میں بھی جتنی کتابیں لائی جائیں گی وہ سب ناقص ہی ہوں گی اور ان کی تالیف و ترتیب میں وہی انسانی دماغ اور بشری قلم ہی شریک نظر آئیں گے۔

قرآن کریم ہی لفظ بہ لفظ، حرف بہ حرف وہ نازل شدہ آسمانی کتاب ہے جس کا ہر لفظ صدق اور ہر مضمون برحق ہے اور ہر قسم کے شک و شبہہ سے بالاتر اس کا ہر دعویٰ مدلل ہے اور ہر حقیقت ثابت شدہ اب اگر کسی بدنصیب کو اس کے خلاف نظر آتا ہے تو گناہ چشمہ آفتاب کا نہیں۔ قصور شپرہ چشمی کا ہے۔

قرآن کریم کے واضح دلائل، اس کی روشن تعلیمات، اس کے بیان کردہ تاریخی واقعات اور اس کی پیشگوئیاں، حق و صداقت کے وہ بلند مینار ہیں جہاں شک و شبہہ کا غبار نہیں پہنچ سکتا۔ اگر کوئی شبہہ کرتا ہے تو یہ اس کی اپنی کج فہمی اور کور ذوقی ہے۔ اگر یرقان کے بیمار کو ہر چیز زرد دکھائی دے تو یہ اس کی آنکھوں کا قصور ہے۔ ہر چیز تو زرد نہیں۔

قرآن مجید کے مطالعہ کے وقت، اس کا اپنا بتایا ہوا یہ وصف خوب ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ وہ کوئی تاریخ کا دفتر نہیں کہ اس میں سن وار، ترتیب کے ساتھ پچھلے زمانے کے واقعات درج ہوں کوئی سائنس کی کتاب نہیں کہ علوم طبیعی و ریاضی کے مسائل کا حل اس کے اوراق میں ڈھونڈھا جائے۔ کوئی فلسفہ کا مقالہ نہیں کہ اس کے پڑھنے والے، فلسفیوں کے ظنون اور نظریات میں الجھے رہیں۔ افسانوں اور کہانیوں کی کتاب نہیں کہ پڑھنے والے، اُسے تفریح اور دل بہلانے کے لئے پڑھیں۔ اس کی اصل اور بنیادی حیثیت صرف یہ ہے کہ وہ ہدایت نامہ ہے۔ دستور حیات ہے اور مکمل و مفصل نقشۂ زندگی ہے لیکن اس قانونِ عام و ہدایت نام سے پورا پورا فائدہ اٹھانے والے صرف وہ لوگ ہوں گے جن کے اندر خوف خدا موجود ہو۔ کتاب ہدایت نازل تو ساری دنیا کے لئے ہوئی ہے خطاب ساری عالم سے کر رہی ہے لیکن عملاً اس سے نفع صرف وہی لوگ حاصل کریں گے جن کے اندر حق کی طلب اور تلاش ہے اور جن کا

ضمیر زندہ ہے اور جو ایمان کی دولت سے مالا مال ہیں۔ آفتاب اپنی جگہ عالمتاب سہی لیکن جن کی بصیرت ہی زائل ہو چکی ان کے لئے تیز سے تیز شعاع بیکار ہے۔ زمین اگر مردہ ہے تو اس کے حق میں بڑی سے بڑی بارش بے اثر ہے غذا بہتر سے بہتر بھی، ہیضہ کے مریض کے لئے لاحاصل بلکہ مضر ہے قرآن مجید سے استفادہ کے لئے اوّلین شرط، دل کے اندر کا تقویٰ ہے۔ جو صحیح ایمان کے بغیر حاصل نہیں ہوتا (ماخوذ)

قرآن و حدیث کا باہمی ربط و تعلق

ہمارا ایمان ہے اور یہ ایمان قرآن کریم کی آیات کریمہ اور احادیث نبویہ پر مبنی ہے کہ اللہ عزوجل نے رسول اللہ سید عالم، عالم اعلم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم اوّلین و آخرین عطا فرمایا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن عظیم اتارا تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ہر چیز کا روشن بیان تَفْصِيلُ كُلِّ شَيْءٍ ہر شے کی کامل شرح مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ہم نے کتاب میں کچھ اٹھا نہ رکھا۔

تو قرآن عظیم میں تمام احکام جزئیہ تفصیلیہ ہی نہیں بلکہ ازل سے ابد تک تمام امور بالاستیعاب موجود ہیں امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے مروی ہے کہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے جس میں خبر ہے ہر اس چیز کی جو تم سے پہلے ہے اور ہر اس شے کی جو تمہارے بعد ہے اور حکم ہے ہر اس امر کا جو تمہارے درمیان ہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ "اگر میرے اونٹ کی رسی گم ہو جائے تو میں قرآن عظیم سے اسے پالوں۔"

امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "میں چاہوں تو سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ بھروا دوں۔"

یہ فقط سورۂ فاتحہ کی تفسیر ہے پھر باقی کلام عظیم کی کیا گنتی۔

پھر یہ علم، علم علی ہے کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اس کے بعد علم عمر کہ ذھب عمر بتسعة اعشار العلم عمر کے لوچھے لے گئے۔ اس کے بعد علم صدیق کی باری ہے

ہم سب میں زیادہ علم ابوبکر کو تھا۔ پھر علم نبی تو علم نبی ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

غرض قرآن عظیم و فرقان کریم میں سب کچھ ہے۔ جسے جتنا علم اتنی ہی اسے فہم اور جس قدر جسے

فہم اسی قدر اسے علم۔ تو اس عالم امکان میں نہایت نہایات حضور سید الکائنات علیہ وعلی آلہ افضل الصلوات ہیں ولہذا ارشاد ہوا إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللّٰهُ ۔ اے محبوب بے شک ہم نے تمہاری طرح سچی کتاب اتاری کہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو جس طرح تمہیں اللہ دکھائے اور علم عطا فرمائے۔"

کہنا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو کچھ حکم، جو کچھ رائے، جو کچھ طریقہ اور جو کچھ ارشاد ہے سب قرآن عظیم سے ہے، سب قرآن عظیم میں ہے اگرچہ بظاہر وہ حکم وہ ارشاد، وہ رائے وہ طریقہ قرآن عظیم میں ہم نہ پائیں کہ ہم کیا اور ہمارا علم کیا۔ لہذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "سن لو مجھے قرآن عطا ہوا اور قرآن کے ساتھ اس کا مثل"۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ ارشاد فرمایا "کیا تم میں کوئی اپنے تخت پر تکیہ لگائے گمان کرتا ہے کہ اللہ نے بس یہی چیزیں حرام کی ہیں جو قرآن میں لکھی ہیں۔ سن لو خدا کی قسم میں نے جو حکم دیئے اور نصیحتیں فرمائیں اور بہت چیزوں سے منع فرمایا وہ قرآن کی حرام فرمائی اشیاء کے برابر بلکہ بیشتر ہیں"۔ یہ حدیث ابوداؤد میں مروی ہے۔ تو احادیث کریمہ میں جو کچھ ہے وہ قرآن عظیم ہی کی تفسیر و تشریح ہے۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے "سن لو مجھے قرآن عطا ہوا اور قرآن کے ساتھ اس کا مثل خبردار نزدیک ہے کہ کوئی پیٹ بھرا اپنے تخت پر پڑا کہے۔ یہی قرآن لئے رہو۔ اس میں جو حلال پاؤ اسے حلال جانو۔ جو حرام پاؤ اسے حرام مانو۔ حالانکہ جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کی وہ اسی کے مثل ہے جو اللہ نے حرام فرمائی (ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ وغیرہم)

سچ فرمایا رب عزوجل نے فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ الآیۃ قرآن عظیم قسم کھا کر فرماتا ہے کہ اے نبی جب تک تیری باتیں دل سے نہ مان لیں ہرگز مسلمان نہ ہوں گے۔ طوطے کی طرح زبان سے لاکھ کلمہ رٹے جائیں کیا ہوتا ہے۔ (لمعۃ الضحیٰ ملتقطاً)

تو کہنا یہ ہے کہ

قرآن مجید صحیفۂ ربانی ہے جو تمام انسانوں اور ہر زمانہ کے لئے نازل فرمایا گیا ہے یہ ایک عام قانون ہے جو دوامی طور پر نافذ ہے اور تا قیام قیامت نافذ رہے گا۔ لیکن ہر عام قانون کے خاص قواعد ہوتے ہیں۔ مجمل احکام کے نفاذ کے لئے خصوصی اشکال کا تعین کرنا لازمی ہوتا ہے۔ تو اس آخری اور

مکمل صحیفہ ربانی کی تشریح اور اس کے قواعد کی تدوین بھی لازمی تھی ورنہ ہر شخص اپنی استعداد، اور ہر زمانہ اپنے رنگ و ماحول کے لحاظ سے ایسا عمل کرتا جس سے یکجہتی مفقود ہو جاتا اور دنیا کا صحیح طور پر ارتقاء پانا محال ہو جاتا۔ اسی وجہ سے قرآنی احکام کی توضیح و تشریح لازم آئی۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے وہی عظیم ہستی موزوں ہو سکتی تھی جس کو خداوند تعالیٰ نے نزولِ قرآن کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ اسی توضیح و تشریح کا نام ہے حدیث نبوی۔

کتنی عجیب بات ہے کہ قرآن پہنچانے والے کے ہر قرآنی لفظ کو عن و عن تسلیم کر لیا جاتا ہے اور یہی ایمان کا تقاضا ہے لیکن وہ جو اپنے آپ کو "اہل قرآن" بتاتے ہیں اسی پہنچانے والے کی تشریح و توضیح کو تسلیم کرنے سے گریز کرتے ہیں

غرض رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیثیت قرآن کے شارح کی ہے۔ آپ قرآن مجید کی مجمل آیتوں کی تشریح اپنے قول و فعل سے فرمایا کرتے تھے کبھی صرف قول سے کبھی صرف فعل سے۔ اور کبھی ایک ساتھ قول و فعل دونوں کے ذریعہ سے مثلاً آپ نے نماز ادا فرمائی اور فرمایا "اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا" آپ نے حج ادا کیا اور فرمایا مجھ سے اپنے حج کے مناسک سیکھو۔

اور اس حیثیت سے حدیث میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کے مفہوم پر قرآن مجید نے اجمال یا تفصیل سے دلالت نہ کی ہو۔ اسی لئے قرآن مجید نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کو واجب التعمیل قرار دیا اور دو چار جگہ نہیں قرآن کریم میں بہ کثرت ایسی آیات موجود ہیں جو صاف بتاتی ہیں کہ ہر حال میں ہر حکم میں حضور کی فرمانبرداری فرض و لازم ہے اور ایک عام حکم یہ ہے کہ وما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا۔ جو کچھ رسول تمہیں دے اسے لو اور جس بات سے تمہیں روک دے رک جاؤ اور سب سے بڑھ کر شمع رسالت کے جگمگاتے نور (سِرَاجًا مُّنِيرًا) سے فیض یاب ہونے کے لئے صرف یہی ایک ہدایت کافی ہے کہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ "تمہارے لئے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے"

تنبیہہ ضروری

مسلمانو! یہ گمراہ قوم جن کی پیشگوئی احادیث مذکورہ میں گزری صرف حدیثوں ہی کے منکر نہیں بلکہ

حقیقۃً قرآن عظیم کو عیب لگانے والے اور دین متین کو ناقص و ناتمام بنانے والے ہیں۔ حدیثیں تو یوں چھوڑیں کہ انبیاء صرف درستی اخلاق کے لئے آتے ہیں۔ حدیثوں کی باتیں اخلاق سے ہوتیں تو قرآن میں کیوں نہ آتیں۔ ورنہ قرآن اخلاقی احکام سے خالی اور دین ناقص ٹھہرتا ہے۔ جب مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں یوں بیکار گئیں پھر اور کسی بات کا کیا ذکر۔ فبای حدیث بعدہ یومنون۔ اب گنتی کے وہ احکام رہ گئے جن کی صاف صریح تصریح کتاب اللہ میں ہے۔ ان کے سوا سب اخلاق سے خارج۔ تہذیب و اخلاق کے ہزاروں احکام جن میں کوئی ذی عقل نزاع نہ کر سکے، معاذ اللہ اسلام کے نزدیک مہمل و معطل اور تمام دین باطل و مختل۔ مثلاً مردوں کا داڑھی مونچھ منڈا کر، بال بڑھا کر، چوٹی گندھوا کر، ہاتھ پاؤں میں مہندی رچا کر، زنانے کپڑے، گوٹہ پٹے مسالے کے پہن کر، سر سے پاؤں سے جڑاؤ گھنتوں سے بن ٹھنکر ہزاروں کے مجمع میں ناچنا، بھاؤ بتانا، کس آیت میں حرام کھلا ہے۔ اعضائے رجولیت کٹا کر زخنہ بننا۔ ناک پر انگلی رکھ کر تالیاں بجانا کس سورت میں آیا ہے وعلیٰ ہذا القیاس ہزاروں افعال وسواس خناس۔ اب منکر متکبر سے پوچھا جائے کہ ان افعال اور ان کے امثال کو معاذ اللہ ملت اسلام میں حلال بتا کر دین کو عیاذاً باللہ سخت بیہودہ و نامہذب بنائے گا۔ یا شرعاً شرعی حرام ٹھہر کر، نصوص قرآنیہ خالی پاکر، معاذ اللہ قرآن عظیم کو ناقص و ناتمام بتائے گا۔

ایسے حضرات کی تمام جدید تحقیقات شقیہ کا اندرونی بخار وہی پادریوں کی خفیہ اعانت دنیا اور دین متین کا مضحکہ اڑانا ہوتا ہے۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون (اللمعۃ الضحیٰ)

قضاء وقدر کا بیان

عقیدہ ۱: عالم میں جو کچھ بھلا یا برا ہوتا ہے اور بندے سے جو کچھ بھلائی یا برائی، نیکی یا بدی کے کام سرزد ہوتے ہیں وہ سب اللہ عزوجل کے علم ازلی کے مطابق ہوتا ہے۔ ہر بھلائی برائی اس نے اپنے علم ازلی کے موافق مقدر فرمادی ہے یعنی جیسا ہونے والا تھا اور جو جیسا کرنے والا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے علم سے جانا اور وہی لکھ لیا تو یہ نہیں کہ جیسا اس نے لکھ دیا ویسا ہم کو کرنا پڑتا ہے بلکہ جیسا ہم کرنے والے تھے ویسا اس نے لکھ دیا۔ زید کے ذمہ برائی لکھی اس لئے کہ زید برائی کرنے والا تھا۔ اگر زید بھلائی کرنے والا ہوتا وہ اس کے لئے بھلائی لکھتا تو اس کے علم یا اس کے لکھ دینے سے کوئی مجبور

نہیں ہو گیا۔ اسی کو قضا و قدر یا تقدیر کہتے ہیں۔ اسے یوں سمجھنا چاہیئے کہ جس طرح ایک انجینیر مکان وغیرہ بنانے سے پہلے مکان کی تمام جزئیات پر غور کر کے پہلے ہی نقشہ تیار کر لیتے ہیں اور اسی نقشہ مجوزہ کے مطابق معمار اور مزدور اس تعمیر کو مکمل کرتے ہیں اسی طرح اس خالق کائنات نے جو ہر تشبیہ سے بالاتر ہے کائنات کی پیدائش سے پہلے ہی اس کے تمام اصول و قواعد اور دوسرے اہم جزئیات طے کر کے ہر چیز کی نسبت فیصلہ کر دیا تھا اب اسی فیصلہ کے مطابق یہ کائنات اور اس کے تمام حوادث و واقعات انجام پا رہے ہیں اور اسی کے مطابق وہ ظہور پذیر ہوتی ہے۔

تشریح:۔ اللہ قادر و قدیر نے بندوں کو پیدا فرمایا جس نے تمام حیوانات کو پیدا فرمایا۔ انہیں کان آنکھ ہاتھ پاؤں، زبان وغیرہ عطا فرمائے اور انہیں کام میں لانے کا طریقہ الہام فرمایا۔ پھر اعلیٰ درجے کے شریف جوہر یعنی عقل سے ممتاز فرمایا جس نے تمام حیوانات پر انسان کا مرتبہ بڑھایا۔ پھر لاکھوں باتیں ہیں جن کا عقل ادراک نہ کر سکتی تھی لہٰذا انبیاء بھیج کر، کتابیں اتار کر، ذرا ذرا سی بات جتا دی اور کسی کو عذر کی کوئی جگہ باقی نہ چھوڑی۔ آدمی جس طرح نہ آپ سے آپ بن سکتا تھا نہ اپنے لئے کان ہاتھ پاؤں زبان وغیرہ بنا سکتا تھا یوں ہی اپنے لئے طاقت و قوت، ارادہ و اختیار بھی نہیں بنا سکتا۔ سب کچھ اسی نے دیا اور اسی نے بنایا۔ انسان کو ایک نوع اختیار دیا کہ ایک کام چاہے کرے چاہے نہ کرے تو اس ارادہ او اختیار کے پیدا ہونے سے آدمی صاحب ارادہ و صاحب اختیار ہوا نہ کہ مضطر و مجبور، اور لاچار و مقہور۔ قانون مشیت نے انسان کو آزادی دے رکھی ہے۔ انسان اپنے طریق عمل کے انتخاب میں آزاد ہے اور اپنے ارادے کا مالک و مختار اچھی یا بری جو راہ چاہے اپنی پسند و قصد سے اختیار کرے۔

آدمی اور پتھر میں آخر کیا فرق ہے؟ یہی نا کہ وہ ارادہ و اختیار نہیں رکھتا اور آدمی میں یہ صفت اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے موجود ہے۔ تو یہ کیسی الٹی مت ہے کہ جس صفت کے پیدا ہونے سے انسان کو پتھر سے ممتاز کیا اسی کی پیدائش کو اپنے پتھر ہو جانے کا سبب سمجھے اور دیگر جمادات کی طرح آپ آپ کو بے حس و حرکت اور مجبور محض جانے۔

تو کہنا یہ ہے کہ یہ ارادہ و اختیار جس کا انسان میں پایا جانا روشن اور بدیہی امر ہے قطعاً یقیناً اللہ عز و جل ہی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اس نے ہم میں ارادہ و اختیار پیدا کیا۔ اس سے ہم اس کی عطا کے لائق مختار و صاحب اختیار ہوئے۔ یہ ارادہ و اختیار ہماری اپنی ذات سے نہیں تو ہم "مختار کردہ" ہوئے "خود مختار"

"یا مختار کل" نہ ہوئے کہ شترِ بے مہار بنے پھریں اور ہم سے کسی قسم کی باز پرس نہ ہو۔"

بس یہی ارادہ یہی اختیار جو ہر شخص اپنے نفس میں دیکھ رہا ہے، عقل و شعور کے ساتھ اس کا پایا جانا یہی دنیا میں شریعت کے احکام کا مدار ہے اور اسی بنا پر آخرت میں جزا و سزا اور ثواب و عذاب اور اعمال کی پرسش و حساب ہے۔ جزاء و سزا کے لئے جتنا اختیار چاہیئے وہ بندے کو حاصل ہے۔

(التبجیر وغیرہ)

عقیدہ ۵: تدبیر منافی تقدیر نہیں بلکہ تقدیر الٰہی کے موافق ہے۔ جس طرح تقدیر کو بھول کر تدبیر پر پھولنا اور اسی پر اعتماد کر بیٹھنا۔ کفار کی خصلت ہے یونہی تدبیر کو محض عبث و فضول اور مہمل ولا حاصل بتانا کھلے کفار یا پکے مجنوں کا کام ہے۔ تقدیر کے انکار کرنے والوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت مجوس بتایا ہے۔

تشریح: دنیا عالم اسباب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے اس عالم اسباب میں مسببات سے مربوط فرما دیا ہے یعنی ایک چیز کو دوسری چیز کے لئے سبب بنا دیا ہے اور ہر قسم کے سامان و اسباب مہیا فرما دیئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی انسان کو عقل و شعور دے کر اسے ارادہ و اختیار والا بنایا ہے کہ جب وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اسی قسم کے سامان مہیا ہو جاتے ہیں اور سنت الٰہی یوں جاری ہے کہ سبب پایا جائے تو مسبب (یعنی وہ دوسری چیز جس کے لئے یہ سبب ہے) پیدا ہو۔ تو انہیں اسباب کو عمل میں لانا اور انہیں کسب فعل (کسی کام کے کرنے) کا ذریعہ بنانا، اسی کا نام تدبیر ہے۔

انبیائے کرام سے زیادہ تقدیر الٰہی پر کس کا ایمان ہوگا پھر وہ بھی ہمیشہ تدبیر فرماتے اور اس کی راہیں بتاتے رہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا زرہیں بنانا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دس برس حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں اجرت پر چرانا قرآن میں مذکور ہے۔

اللہ تعالیٰ خالق کائنات و قادر مطلق ہے۔ اس نے پیدا زہر کو بھی کر رکھا ہے۔ اور بیماری کو بھی۔ لیکن بحثیت حاکم و آمر اس کا حکم یہی ہے کہ بیماری کا علاج کیا جائے۔ اور زہر کا توڑ، تریاق سے کیا جائے۔ یہی تدبیر ہے اور عین حکم الٰہی و حکمت الٰہی کے مطابق۔ تو اسے منافی تقدیر سمجھنا سرتاسر غلط ہے۔ اور جو لوگ خدا کی قدرت اور اپنی مجبوری کو اپنی بے دینی اور بدکرداری کے لئے حیلہ اور آڑ بناتے ہیں وہ [illegible] ہیں اور روحانیات کی طرح جسمانیات کے آزار میں اپنے کو معذور و مجبور کیوں نہیں سمجھتے، تو جس طرح اپنے آپ کو بالکل مختار سمجھنا کجروی ہے ۔۔۔

یوہیں جمادات کی طرح اپنے آپ کو مجبور محض سمجھنا بھی گمراہی ہے۔

عقیدہ ۔ برا کام کرکے تقدیر کی طرف نسبت کرنا اور مشیت الٰہی کے حوالہ کرنا بہت بری بات ہے بلکہ حکم یہ ہے کہ جو اچھا کام کرے اسے منجانب اللہ اور جو برائی سرزد ہو اس کو شامت نفس تصور کرے۔

تشریح :۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ الآیہ "سب اللہ کی طرف سے ہے اور اے سننے والے تجھے جو بھلائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچے وہ تیری اپنی طرف سے ہے"۔ یعنی گرانی ہو یا ارزانی، قحط ہو یا فراخ حالی، رنج ہو یا راحت۔ آرام ہو یا تکلیف، فتح ہو یا شکست، دکھ ہو یا سکھ، سب کا مُسبّبُ الاسباب حقیقۃً اللہ تعالیٰ ہی ہے اور حقیقت میں سب اسی کی طرف سے ہے۔ سکھ اور راحت اگر ہے تو یہ براہ راست اس کے فضل وکرم کا ظہور ہے اسی کی بخشش و رحمت ہے، اعمال خیر کی وساطت کے بغیر۔ اور دکھ یا رنج اگر پیش آرہا ہے تو یہ اس کے عدل کا ثمرہ ہے اور واسطہ ہیں اس کے لئے اعمال بد۔ کہ آدمی نے ایسے گناہوں کا ارتکاب کیا اور اس کا مستحق ہوا تو جو کچھ بھی پیش آیا وہ ان بداعمالیوں بدکرداریوں کا لازمی نتیجہ ہے۔ آیت میں بدی کی نسبت بندے کی طرف بر سبیل ادب ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بندہ جب فاعل حقیقی کی طرف نظر کرے تو ہر چیز کو اسی کی طرف سے جانے اور جب اسباب پر نظر کرے تو برائیوں کو اپنی شامت نفس کے سبب سے سمجھے کہ جو رنج و تکلیف درپیش ہے اس کا باعث خود اس کی اپنی کوتاہیاں اور غفلتیں ہیں۔

فائدہ عظیمہ

اللہ جل وعلا رحیم بھی ہے اور قہار بھی ہے۔ رحمت شان جمال ہے اور قہر، شان جلال۔ دوستوں کو انواع نعمت سے نوازنا، ان کے لئے بہشت اور اس کی خوبیاں آراستہ فرمانا، انہیں اپنی رضا و دیدار سے بہرہ مندی بخشنا تجلی شان جمال ہے۔ اور دشمنوں کو اقسام عذاب کی سزا دینا، ان کے لئے دوزخ اور اس کی سختیاں مہیا فرمانا۔ انہیں اپنے غضب و حجاب میں مبتلا کرنا، تجلی شان جلال ہے۔ پھر دنیا میں جو کچھ نعمت و نقمت، و راحت، و آفت ہے انہیں دونوں شانوں کی تجلی سے ہے۔ کبھی یہ شانیں ایک دوسرے کے لباس میں جلوہ گر ہوتی ہیں مثلاً دنیا میں کفار کو کثرت مال وغیرہ دنیا کی راحتیں دینا بظاہر شان جمال

اور در حقیقت شان جلال ہے کہ اس کے سبب وہ اپنی غفلت و گمراہی کے نشے میں پڑے رہتے ہیں اور ہدایت کی توفیق نہیں پاتے۔ قال اللہ تعالیٰ۔ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِأَنْفُسِهِمْ - الآیہ یعنی کافر یہ خیال ہرگز نہ کریں کہ یہ ڈھیل جو ہم انہیں دے رہے ہیں وہ ان کے حق میں بہتر ہے۔ بلکہ وہ اس لئے ہے کہ وہ اور گناہ میں پڑیں اور ان کے لئے ذلت کی مار ہے یا مثلاً اپنے محبوبوں کے لئے بلا بھیجنا کہ اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً الْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ۔ بظاہر شان جلال ہے اور حقیقۃً شان جمال کہ اس کے باعث وہ اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتیں پاتے ہیں قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ تم اسے اپنے حق میں برائی نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے لئے بڑی بھلائی ہے۔

تو صالحین و ابرار کو جو حوادث و مصائب پیش آتے ہیں وہ صرف صورۃً ہی مصائب ہوتے ہیں حقیقت میں ان کی بلندی مراتب کے لئے اور ذریعہ رحمت ہوتے ہیں اور اس لئے ان کے حق میں بداعمالی کا ثمرہ ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ (کشف حقائق وغیرہ)

عقیدہ: قضا دو قسم ہے ایک مُبرَم کہ علم الٰہی میں کسی شے پر معلق نہیں۔ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ (قلم خشک ہو گئے اس پر جو کچھ ہونے والا ہے) اس کا بیان ہے۔ دوسری معلق کہ مَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖ إِلَّا فِي كِتَابٍ۔ (اور جس بڑی عمر والے کو عمر دی جائے یا جس کسی کی عمر کم رکھی جائے یہ سب ایک کتاب میں ہے) اس کا نشان ہے۔ پھر قضائے معلق دو قسم ہے ایک معلق محض، جس کی تعلیق کا ذکر لوح محفوظ کی دفیتوں یا صحف ملائکہ میں بھی ہے۔

دوسری معلق شبیہ بہ مُبرَم کہ علم الٰہی میں معلق ہے مگر فرشتوں کے صحیفوں میں یا کہیں اور اس کی تعلیق مذکور نہیں۔ تو وہ جو مبرم حقیقی ہے اس کی تبدیلی ناممکن ہے۔ اور وہ جو ظاہر قضائے معلق ہے یعنی معلق محض، اس تک اکثر اولیا کی رسائی ہوتی ہے۔ ان کی دعا سے ان کی ہمت سے ٹل جاتی ہے۔ اور وہ جو متوسط حالت میں ہے یعنی قضائے معلق شبیہ بالمبرم اور جسے صحف ملائکہ کے اعتبار سے مُبرم بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس تک خواص عباد اللہ، جنہیں امتیاز خاص حاصل ہے یعنی اکابر اولیاء اللہ کی رسائی ہوتی ہے وہ بالہام ربانی اس کی تعلیق پر مطلع ہوتے اور اس کے دفع میں اذن الٰہی پاکر دعا کرتے ہیں اور بوجہ اس تعلیق کے جو علم الٰہی میں تھی مندفع ہو جاتی ہے۔

تشریح:۔ قال اللہ تعالیٰ ۔ یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَہٗ اُمُّ الْکِتَاب ۔
اللہ جو چاہے مٹاتا اور ثابت کرتا ہے اور اصل لکھا ہوا اسی کے پاس ہے" علمائے کرام فرماتے ہیں آیۂ کریمہ میں ام الکتاب سے مراد علم الٰہی ہے اور ظاہر ہے کہ علم الٰہی نہیں بدلتا ۔ یا اس سے مراد اصل لوح محفوظ ہے جس میں تمام کائنات اور عالم میں ہونے والے جملہ حوادث و واقعات اور تمام اشیاء مکتوب ہیں اور اس میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا ۔ یہ قضائے مُبرم حقیقی ہے ۔ ہاں لوح محفوظ یعنی اصل کتاب کے علاوہ اس کی دو طرفہ دَفتیوں میں جو کچھ لکھا ہے وہ قضائے معلق ہے جس کے وقوع پذیر ہونے کو کسی دوسری چیز کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہو کہ اگر یہ شرط پائی گئی تو یہ چیز پائی جائے گی ورنہ نہیں ۔ تو لوح تغیر سے محفوظ ہے تغیرُ دَفتیَن وصحف ملائکہ میں ہے ۔

اور وہ جو قضائے مُبرم حقیقی ہے اس کی تبدیلی نا ممکن ہے ۔ اکابر محبوبان خدا اگر اتفاقاً اس بارے میں کچھ عرض کرتے ہیں تو انہیں اس خیال سے واپس فرما دیا جاتا ہے ۔ ملائکہ قوم لوط پر عذاب لے کر آئے ۔ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کہ رحمت محضہ تھے ۔ ان کا نام مبارک ہی ابراہیم ہے یعنی اب رحیم "مہربان باپ" ان کافروں کے بارے میں اتنے ساعی ہوئے کہ اپنے رب سے جھگڑنے لگے ۔ ان کا رب فرماتا ہے ۔ یُجَادِلُنَا فِیْ قَوْمِ لُوْطٍ ۔ ہم سے جھگڑنے لگا قوم لوط کے بارے میں"۔

قوم لوط پر یہ عذاب قضائے مُبرم حقیقی تھا ۔ خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس میں جھگڑے تو انہیں ارشاد ہوا یٰۤاِبْرٰھِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ ھٰذَا اِنَّھُمْ اٰتِیْھِمْ عَذَابٌ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ ۔
اے ابراہیم اس خیال میں نہ پڑو بے شک ان پر وہ عذاب آنے والا ہے جو پھرنے کا نہیں ۔

اور قضائے معلق شبیہ بالمُبرم وہ قضا ہے جو صالح رد ہے اور اسی کی نسبت حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد امجد ہے کہ سب اولیاء قضائے مُعلّق کو رد کتے ہیں اور میں قضائے مُبرم کو رد فرماتا ہوں (او کما قال رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ولہٰذا فرماتے ہیں "تمام اولیاء مقام قدر پر پہنچ کر رک جلتے ہیں سوا میرے کہ جب میں وہاں پہنچا میرے لئے اس میں ایک روزن کھولا گیا جس سے داخل ہو کر نَازَعْتُ اَقْدَارَ الْحَقِّ بِالْحَقِّ لِلْحَقِّ ۔ میں نے تقدیرات حق سے، حق کے ساتھ، حق کے لیے منازعت کی" رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا واحشرنا فی زمرۃ من تبعہ ووالاہ آمین ۔

یہاں یہ شبہہ نہ کیا جائے کہ قضائے مُبرم کیونکر قابل رد ہو سکتی ہے؟ کہ خود حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں" دعا بکثرت مانگ کہ دعا قضائے مُبرم کو رد کر دیتی ہے۔" نیز فرمایا" دعا اللہ کے لشکروں سے ایک لام باندھا لشکر ہے کہ قضا کو رد کر دیتا ہے بعد مُبرم ہونے کے"۔ احادیث کریمہ میں اور پھر ان کے اتباع میں کلمات علماء میں، یہاں مُبرم سے مراد ہے معلق شبیہ بالمُبرم۔

پھر اس قضائے شبیہ بالمبرم جسے مبرم سے تعبیر فرمایا گیا ہے، اس کا رد بھی قضا کے موافق ہے۔ جس طرح وجود ہر شے کا کسی سبب سے مربوط ہے اسی طرح ہر چیز کے روکنے اور دفع کرنے کے لئے بھی ایک سبب مقرر ہے۔ سپر (ڈھال) حربہ روکنے کا سبب ہے اور دعا، بلاؤں کے ٹلنے کا ایک سبب۔ اسی لئے علماء نے فرمایا کہ عام مومنین جنہیں الواح وصحائف ملائکہ پر اطلاع نہیں ہوتی حسب عادت دعا کرتے ہیں اور وہ بوجہ اس تعلیق کے جو علم الٰہی میں تھی۔ مندفع ہو جاتی ہے۔ آیۂ کریمہ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُعَمَّرٍ الآیۃ کی تفسیر میں مفسرین لکھتے ہیں کہ بعض اسباب سے عمر میں کمی زیادتی ہوتی ہے اور وہ بھی لوح محفوظ میں لکھی ہے۔ پس قضاء میں تغیرُ قضا کے موافق روا ہے مثلاً مقدر ہے کہ زید کی عمر ساٹھ برس کی ہوگی۔ اور حج کرے گا تو اسی برس زندہ رہے گا۔

غرض لوح محفوظ کے دَفتَین اور فرشتوں کے صحیفوں میں جو احکام ہیں وہ اللہ عزوجل کے کرم سے، مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت سے، انبیا یا اولیا کرام کی دعاؤں کی برکت سے، والدین کی خدمت اور صلۂ رحم وغیرہ سے، زیارت وبرکت کی جانب بدل جاتے ہیں اور گناہ وظلم ونافرمانی والدین اور قطع رحم وغیرہ سے دوسری طرف تبدیل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً فرشتوں کے صحیفوں میں زید کی عمر ساٹھ برس تھی اس نے سرکشی کی بیس برس پہلے ہی اس کی موت کا ذکر آگیا۔ یا نیکی کی بیس برس اور زندگی کا حکم فرمایا گیا۔ یہ تقدیر میں تبدیلی ہوئی لیکن علم الٰہی اور لوح محفوظ میں وہی چالیس یا اسی سال لکھے تھے۔ ان کے مطابق ہونا لازم ہے۔ (احسن الوعا وغیرہ)

فائدہ: قضائے مبرم حقیقی کے بیان میں مذکور ہوا کہ مولائے قدوس ارشاد فرماتا ہے۔ يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ ابراهیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام (قوم لوط کے بارے میں ہم سے جھگڑنے لگے۔

یہ قرآن عظیم نے ان بے دینوں کا رد فرمایا جو محبوبان خدا کی بارگاہ عزت میں کوئی عزت و

وجاہت نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ اس کے حضور کوئی دم نہیں مار سکتا۔ حالانکہ ان کا رب عزوجل ان کی وجاہت اپنی بارگاہ میں ظاہر فرمانے کو خود ان لفظوں سے تعبیر فرماتا ہے کہ ہم سے جھگڑنے لگا قوم لوط کے بارے میں۔

حضرت انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، اپنی امت کے حق میں ہوتے ہی ہیں۔ شفقت مجسّم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تو اپنی فطری شفقت، نرم خوئی، گداز قلبی حلیم المزاجی میں تو شاید سب سے بڑھے چڑھے تھے۔

اللہ اکبر! ذرا تصور تو کیجئے کہ ابراہیم خلیل اللہ جیسے اولوالعزم نبی، لوط علیہ السلام کی قوم پر ترس کھا کر۔ اس کی سفارش میں اصرار بلیغ کرتے ہیں مولائے کائنات اور اس کے محبوب جلیل میں کمال بندہ نوازی اور نازبرداری کے ماتحت ردّ وکد جاری ہے۔ کہ کسی نہ کسی طرح عذاب ٹل جائے اور اس اصرار پیہم کو مولائے قدوس یجادلنا سے تعبیر فرماتا ہے اس جگہ جھگڑے کا لفظ جس انتہائی محبت اور بارگاہ رب العزت میں ان کے قرب اور نازبرداری کے تعلق کو ظاہر کرتا ہے اس کا لطف کچھ اہل محبت ہی اٹھا سکتے ہیں۔ مولائے بے نیاز کا ایک بندہ نیازمند کے لئے یہ انداز حکایت صاف بتا رہا ہے کہ ادھر سے شان محبوبی دکھائی جارہی ہے اور ادھر ان کا مالک ومولیٰ بکمال بے نیازی۔ ان کی نازبرداری فرما رہا ہے۔ بندہ کو اصرار ہے۔ کہ عذاب ٹل جائے اور قضائے الٰہی کا تقاضا ہے کہ عذاب نازل ہوکر رہے۔ آخر بڑی محبت اور نازبرداری فرماتے ہوئے جواب دیا جاتا ہے۔ یٰاِبۡرٰهِیۡمُ اَعۡرِضۡ عَنۡ هٰذَا بندہ کی نگاہ بہر حال محدود ہوتی ہے حکمت الٰہی کا احاطہ کہاں کر سکتی ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے سر تسلیم خم کر دیا جب انہیں بتایا گیا کہ اب اس قوم میں خیر کی صلاحیت باقی نہیں عذاب ہی کے قابل ہیں۔

اتنی بات ضرور ذہن نشین رکھیں کہ جب اپنے سے کسی برتر و بالا، اور صاحب اقتدار ہستی کے ساتھ قریبی تعلق اور خصوصی رابطہ ہوتا ہے اور طرفین میں کمال محبت اور انتہائی پیار پایا جاتا ہے تب ہی کسی بات پر اصرار کی نوبت آتی ہے۔ ورنہ کون اس قسم کی جرأت کر سکتا ہے؟ اور کسی غلط فہمی کے باعث ایسی بات اگر زبان پر آ بھی جاتی ہے تو "ایاز قدر خود بشناس" کا جواب ملتا ہے قہر و عتاب کی بجلی کوندتی ہے اور سخت لہجہ سے اسے باز رہنے کی تاکید کی جاتی ہے۔ لیکن یہاں بڑی محبت اور انتہائی نازبرداری سے انہیں حقیقت حال سے آگاہ کر دیا جاتا ہے۔

دربارِ الٰہی میں محبوبانِ خدا کی عزت و وجاہت کا عالم یہ ہے کہ حدیث شریف میں ہے "شب معراج حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک آواز سنی کہ کوئی شخص، اللہ عزوجل کے ساتھ بہت تیزی اور بلند آواز سے گفتگو کر رہا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے؟ عرض کی۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام، فرمایا، کیا اپنے رب پر تیز ہو کر گفتگو کرتے ہیں؟" عرض کی "ان کا رب جانتا ہے کہ ان کے مزاج میں تیزی ہے"۔

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر وللہ الحمد۔

اور یہ بات تو آپ نے بارہا علمائے کرام سے سنی ہوگی کہ جب آیۂ کریمہ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۔ نازل ہوئی کہ بے شک عنقریب تمہارا رب تمہیں اتنا عطا فرمائے گا (اور تم پر مخصوص رحمتوں اور نوازشوں کا ایسا فیضان ہوگا) کہ تم راضی ہو جاؤ گے" حضور سید المحبوبین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اِذًا لَّا اَرْضٰى وَ وَاحِدٌ مِّنْ اُمَّتِیْ فِی النَّارِ ۔ ایسا ہے تو میں راضی نہ ہوں گا۔ اگر میرا ایک (مسلمان) امتی بھی آگ میں ہو۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَیْهِ وَعَلٰى كُلِّ مَنْ ھُوَ مَرْضِیٌّ لَدَیْهِ ۔ یہ تو شانیں بہت رفیع ہیں جن پر رفعت عزت وجاہت ختم ہے۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ سَلَامُهٗ عَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ ۔

مسلمان ماں باپ کا کچا بچہ جو حمل سے گر جاتا ہے اس کے لئے حدیث میں آیا کہ روز قیامت، اللہ عزوجل سے اپنے ماں باپ کی بخشش کے لئے ایسا جھگڑے گا جیسا قرضخواہ کسی قرضدار سے۔ یہاں تک کہ فرمایا جائے گا اَیُّهَا السِّقْطُ الْمُرَاغِمُ رَبَّهٗ ۔ اے کچے بچے اپنے رب سے جھگڑنے والے، اپنے ماں باپ کا ہاتھ پکڑ لے اور جنت میں چلا جا۔

یہ چند واقعات انشاء اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے لیے بہت نافع اور شیاطین الانس کی خباثت کے لئے دافع ہیں۔ ناظرین انہیں خوب ذہن نشین کرلیں تاکہ ان کی گمراہیوں اور کجرویوں کا شکار نہ ہوں اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُمْ ۔

عقیدہ:۔ جس قدر افعال، خواہ اختیاری ہوں یا اضطراری، بندوں کے لئے ممکن یا ان سے صادر ہوتے ہیں، ان سب کا خالق اللہ عزوجل ہے اور ان سب کا وقوع، تقدیر ازلی کے مطابق، اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے، ہوتا ہے لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ اچھے کاموں سے راضی اور برے

کاموں سے ناراض ہوتا ہے۔ اور جن اچھے کاموں سے وہ راضی ہے انہیں کے کرنے کا حکم دیتا ہے اور جن سے وہ ناراض ہے۔ ان کے کرنے سے منع فرماتا ہے۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ ارادہ و مشیت الٰہی اور چیز ہے اور حکم کرنا اور راضی ہونا دوسری چیز ہے۔

تنبیہہ:۔ قضاء و قدر کے مسائل اور تقدیری امور عام عقلوں میں نہیں آ سکتے۔ ان میں زیادہ غور و فکر کرنا یا انہیں کسی مجلس میں مبحث بنا کر قیل و قال کرنا ہلاکت و نامرادی کا سبب اور دنیا و آخرت میں محرومی و خسران کی موجب ہے۔ صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس مسئلہ میں بحث کرنے سے منع فرمائے گئے۔ ماو شما کس گنتی کس شمار میں ہیں۔ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا ارشاد گرامی ہے کہ تقدیر ایک گہرے سمندر کی مانند ہے جس کی تاہ تک کسی کی رسائی نہیں۔ تقدیر ایک تاریک راستہ ہے جس سے گزرنے کی کوئی راہ نہیں۔ تقدیر اللہ تعالیٰ کا ایک راز ہے جس پر انسان کی عقل کو دسترس نہیں۔ بس اتنا سمجھ لو کہ انسان جمادات کی مانند بے حس و حرکت اور مجبور محض نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایک نوع اختیار دیا ہے کہ ایک کام چاہے کرے چاہے نہ کرے اور اس کے ساتھ عقل بھی دی ہے کہ بھلے برے، نفع نقصان کو پہچان سکے اور ہر قسم کے سامان اور اسباب مہیا کر دیئے ہیں کہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے اسی قسم کے سامان مہیا ہو جاتے ہیں اور اسی بنا پر اس سے مواخذہ ہے۔ اپنے آپ کو بالکل مجبور یا بالکل مختار سمجھنا دونوں گمراہی ہیں۔ تقدیر ان دونوں کے درمیان ایک حالت ہے جس تک ہماری عقل کو رسائی نہیں۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضَاہُ وَاَمِتْنَا عَلَی الْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ وَکَلِمَۃِ الشَّھَادَۃِ وَالشَّوْقِ اِلٰی لِقَاءِکَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ

ملائکہ کا بیان

ملائکہ جمع ہے ملک کی۔ اس کا ماخذ اشتقاق "اَلُوکَۃ" ہے جس کے معنی ہیں پیامبری یا پیغام رسانی۔ اور ملک کا لفظی ترجمہ ہے فرستادہ یا فرشتہ ملائکہ کو ملائکہ کہتے ہیں اس لئے ہیں کہ ان کا اصل کام پیام رسانی ہوتا ہے اور یہ خالق کے پیغامات مخلوق تک لایا کرتے ہیں۔ یہ محض مجرد قوتیں نہیں ہیں جو تشخص نہ رکھتی ہوں بلکہ یہ شخصیت والی نورانی ہستیاں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اپنی اس عظیم الشان سلطنت کی تدبیر و انتظام میں کام لیتا ہے۔ یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ سلطنت الٰہی کے اہل کار ہیں جو مختلف خدمتوں

سے وابستہ ہیں اور اللہ کے احکام کو نافذ کرتے ہیں۔ یہ وہ لطیف و نورانی اجسام ہیں جو مختلف شکلیں بدل سکتے ہیں ان کی حقیقت صورت و ساخت میں انسانوں کی طرح نہیں۔ عام طور پر نظر نہیں آتے ہاں ان کا شعور بعض حالات میں، عبادات۔ و ریاضات کے دوران ہو جاتا ہے جیساکہ احادیث کریمہ سے ثابت ہے کہ فرشتے عبادت گزاروں اور شب بیداری کرنے والوں سے مصافحہ اور معانقہ کرتے ہیں اور انسان اس کی لذت میں وارفتہ ہو جاتا ہے۔

تفسیر ضیاء القرآن میں فرمایا کہ ان کو ان کی اصل شکل میں صرف اولیاء کاملین ہی دیکھ سکتے ہیں اور ہونا بھی یونہی چاہیئے کیونکہ مختلف اشیاء کا شعور و ادراک ایک ہی قوت سے نہیں ہوتا بلکہ مختلف قوتیں مختلف چیزوں کا ادراک و شعور کرتی ہیں۔ رنگت کا ادراک آنکھ سے اور حرارت کا چھونے سے ہوتا ہے نابینا اگر سرخ و سفید کو نہ سمجھ سکے تو وہ معذور ضرور ہے لیکن اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ سرخ و سفید کا انکار ہی کر دے۔ اسی طرح ملائکہ جن کا تعلق عالم ارواح سے ہے اگر ظاہری حواس انہیں نہ پا سکیں تو وہ معذور ہیں۔ اور وہ آنکھ جو عالم ارواح کے اسرار و لطائف دیکھ سکتی ہے وہ تو اس وقت روشن ہوتی ہے جب ریاضت اور مجاہدات سے تزکیۂ نفس ہو اور دل کا آئینہ چمکنے لگے۔ جو لوگ ساری عمر لذات و خواہشات کے درپے رہتے ہیں۔ جنہوں نے تزکیۂ نفس کی اہمیت کا کبھی احساس نہیں کیا وہ اگر اس نورانی اور لطیف مخلوق کو نہ دیکھ سکیں تو معذور ہیں لیکن انہیں کسی طرح یہ زیبا نہیں کہ وہ ان نفوس قدسیہ کے مشاہدات کا انکار کریں جن کی چشم دل بیدار بھی ہے اور بینا بھی۔ اس لئے جن لوگوں نے فرشتوں کے وجود کا انکار کیا ہے اور مختلف دوراز کار اور رکیک تاویلیں کی ہیں ان کا انکار بھی علمی نہیں اور ان کی یہ تاویلیں بھی کسی ستائش کی مستحق نہیں۔" انتہیٰ۔

الغرض یہ نورانی ہستیاں۔ عام طور پر نظر نہیں آتیں مگر جنہیں اللہ چاہتا ہے وہ فرشتوں کو دیکھتے ہیں۔ انبیائے کرام انہیں ملاحظہ فرماتے اور ان سے ہمکلام ہوتے ہیں۔ اور بندگان صالحین میں سے جسے اللہ چاہے انہیں فرشتے نظر آتے ہیں۔ اور مرتے وقت مسلمان کو رحمت کے اور کافر کو عذاب کے فرشتے دکھائی دیتے ہیں اور قبر میں تو یہ حقیقت اور زیادہ واضح طور پر نظر میں آجائے گی۔

پھر جب رسالت اور رسالت کے ساتھ کتب سماویہ پر ایمان لانا، ایک حقیقت ثابتہ اور لازمہ ہے کہ کسی فرد بشر کو اس سے مفر نہیں اور نہ فرار سے کہیں قرار، تو اللہ تعالے کے فرشتوں

اس لئے ایمان لانا اور صدق دل سے انہیں اسی طرح ماننا، جیسا کہ زمانۂ رسالت سے آج تک مسلمان مانتے چلے آرہے ہیں، اس لئے بھی فرض ہوگا تاکہ اللہ تعالےٰ کے ان پیغمبروں نے صاف صاف واشگاف الفاظ میں بار بار یہ اعلان فرمایا اور فرماتے رہے کہ خداوند قدوس کی جانب سے ان پر جو وحی نازل ہوتی ہے اس کے لانے والے فرشتے ہیں۔

تو اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو کوئی سر پھرا، پرانا فلسفی، نیا نیچری، انبیائے کرام کی صداقت ہی کا انکار کردے اور دنیا و آخرت کی ہلاکتوں میں پڑ جائے۔ یا پھر بلا چوں وچرا، اپنی ان آنکھوں سے دیکھے بغیر فرشتوں پر ایمان لے آئے کہ ان کے وجود و تشخص کے متعلق بتانے والی ہستیاں۔ بالخصوص سید المعصومین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیم اپنے کردار و اعمال میں، ہر طرح صادق و امین اور امراض دماغی و قلبی "جنون و سحر" سے ہر طرح پاک و منزّہ ہیں۔ اور ضروری نہیں ہے کہ جس شے کو آنکھوں نے نہ دیکھا ہو اور کانوں نے نہ سنا ہو وہ حقیقت میں بھی غیر موجود ہو۔ کیونکہ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ کسی شے کے عدم علم اور ناواقفیت سے، اس شے کا عدم لازم نہیں آتا۔ یعنی یہ ضروری نہیں کہ جس بات کو ہم نہیں جانتے یا جو ہمیں نظر نہیں آتی وہ واقع میں بھی موجود نہ ہو۔ آخر ہوا کو بھی آنکھوں سے بن دیکھے مانا جاتا ہے۔

عقیدہ:۔ فرشتے خداوند تعالیٰ کی مخلوقات میں، اجسام نوری ہیں لیکن وہ انسانوں کی طرح صورت و ساخت میں نہیں ہیں۔ وہ نوری مخلوق ہیں اور وجود خارجی رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ طاقت دی ہے کہ جو شکل چاہیں بن جائیں۔ کبھی وہ انسان کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور کبھی دوسری شکل میں۔

تشریح:۔ فرشتے اپنے فرائض منصبی کے سلسلہ میں حسب ضرورت مختلف شکلیں اختیار کرسکتے ہیں۔ صورت اور بدن ان کے حق میں ایسا ہے جیسا ہمارے لئے لباس۔ ہاں قرآن شریف سے یہ بات ثابت ہے کہ ان کے بازو ہیں اور ان کی اس کیفیت کا بھی صحیح علم خدا اور رسول کے بتائے بغیر انسان کو اپنے ان قویٰ کے ساتھ ممکن نہیں۔ لہٰذا فرشتوں کے پروں اور بازوؤں کو تمام تر دنیا کے پرندوں پر قیاس کرلینا اور انہیں ان کی تصویر ان کا عکس سمجھ لینا صحیح نہیں چنانچہ بالعموم خود تین تین چار چار بازوؤں کا نقشہ تو دنیاوی مشاہدہ کے خلاف ہی ہے۔ لہٰذا ہمیں اس پر ایمان رکھنا

چاہیئے کہ ان کی حقیقت بالکلیہ اللہ و رسول جانیں جَلَّ وعلا و صلی اللہ علیہ وسلم۔

عقیدہ: فرشتے وہی کرتے ہیں جو حکم الٰہی ہے۔ خدا کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کرتے نہ قصداً نہ سہواً نہ خطاءً۔ وہ اللہ تعالیٰ کے معصوم بندے ہیں۔ ہر قسم کے صغائر و کبائر سے پاک ہیں اور وہ ارتکاب گناہ سے بری۔ اسی لئے وہ اللہ تعالیٰ کے مقرب و مکرم بندے ہیں۔ ان کی سرشت معصومانہ ہوتی ہے یعنی بدی کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ گویا ان کی خلقت، اطاعت و فرمانبرداری ہی کے لئے کی گئی ہے۔

عقیدہ: ان کی مختلف خدمتیں سپرد ہیں اور وہ اللہ کے حکم سے مختلف کاموں میں مصروف رہتے ہیں اور جو خدمت جس کے سپرد ہیں بس وہ اسی میں لگا رہتا ہے۔

تشریح: ان فرشتوں کی ایک کثیر تعداد، اللہ تبارک وتعالیٰ کی تسبیح و تقدیس اور اس کی تمجید و ثنا اور ذکر و عبادت میں مصروف رہتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ آسمانوں میں بالشت بھر بھی جگہ ایسی نہیں ہے جس میں کوئی فرشتہ نہ پڑھتا ہو یا تسبیح نہ کرتا ہو۔ بعض کے ذمہ حضرات انبیائے کرام کی خدمت میں وحی لانا ہے۔

کسی کے متعلق پانی برسانا۔ کسی کے متعلق ہوا چلانا۔ کسی کے متعلق روزی پہنچانا۔ کسی کے ذمہ ماں کے پیٹ میں۔ بچہ کی صورت بنانا۔ کسی کے متعلق بدن انسان کے اندر تصرف کرنا۔ کسی کے متعلق انسان کی دشمنوں سے حفاظت کرنا۔ کسی کے متعلق انسان کے نامۂ اعمال لکھنا کہ جتنے الفاظ انسان اپنی زبان سے نکالتا اور جتنے افعال کا ارتکاب کرتا ہے۔ وہ اس کو قلم بند کرتے جاتے ہیں اور یہی نامۂ اعمال کی صورت میں پیش کئے جائیں گے۔

ہر آدمی کے ساتھ دو فرشتے ہیں ایک داہنے ایک بائیں۔ نیکیاں داہنے طرف کا فرشتہ لکھتا ہے اور بدیاں بائیں طرف کا۔ ان کو کراماً کاتبین کہتے ہیں۔ کسی کے متعلق ذکر خدا و رسول کا مجمع تلاش کرکے اس میں حاضر ہونا۔ انہیں ملائکہ سیاحین (سیاحت کرنے والے) کہتے ہیں۔

بہتوں کا دربار رسالت میں حاضر ہونا۔ کسی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں مسلمانوں کے درود و سلام پہنچانا۔ بعضوں کے متعلق مردوں سے ان کی قبروں میں سوال کرنا۔ کسی کے ذمہ قبض روح کرنا۔ چنانچہ جب کسی کی موت کا وقت آتا ہے ملک الموت بحکم الٰہی اپنے اعوان (مددگار فرشتوں) کو اس کی روح قبض کرنے کا حکم دیتے ہیں جب روح حلق تک پہنچتی ہے تو خود قبض فرماتے

ہیں۔ بعضوں کے ذمہ عذاب کرنا۔ کسی کے متعلق صور پھونکنا۔

بعض فرشتے اس کام پر متعین ہیں کہ وہ بندگان خدا کو تمام گناہوں سے آگاہ کر دیں اور انہیں معصیت و گناہ میں مبتلا ہونے سے روکیں اور نہ صرف وہ گناہوں کے کاموں سے بچاتے ہیں۔ بلکہ نیک کاموں کی طرف بھی ترغیب دلاتے ہیں۔ اور ان کے علاوہ اور بہت سے کام ہیں جو ملائکہ انجام دیتے ہیں۔

عقیدہ فرشتے نہ مرد ہیں نہ عورت نر و مادہ کی مادی جنسیت سے وہ پاک ہیں نہ ان کے اندر قوت شہوت ہے نہ ان کے اولاد ہوتی ہے۔ ہر ایک فرشتے کا جداگانہ کام متعین ہے اور جس کام کے لئے وہ متعین کیا گیا ہے اس سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ یہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔ ذکر الٰہی اور حکم خداوندی کی تعمیل ان کی غذا ہے۔

عقیدہ ان کو قدیم ماننا یا خالق جاننا کفر ہے۔

عقیدہ فرشتوں کی لاانتہا تعداد وہی جانے جس نے ان کو پیدا کیا اور اس کے بتلائے سے اس کا رسول۔

تشریح: احادیث کریمہ سے ثابت ہے کہ فرشتوں کی پیدائش، آدمیوں کی طرح نہیں ہوتی کہ مٹی خمیر ہوئی۔ پھر تصویر بنی پھر روح ڈالی گئی بلکہ وہ کلمہ کُن سے پیدا کئے گئے ہیں اور نور سے بنائے گئے ہیں۔ ان کی پیدائش روزانہ جاری ہے اور ہر روز بے شمار بنتے ہیں جن کی گنتی ان کا بنانے والا ہی جانتا ہے اور یہ بے شمار فرشتے جو روزانہ بنتے ہیں قیامت تک اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہیں گے کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ کسی فرشتے کو موت لاحق ہوئی ہو۔ تو ظاہر یہی ہے۔ کہ ملائکہ کے لئے قیامت سے پہلے موت نہیں۔ ان کی پیدائش کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بے شک و شبہہ جنت میں ایک نہر ہے کہ جب جبرائیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام اس میں جا کر باہر آ کر پر جھاڑتے ہیں تو جنتی بوندیں ان کے پروں سے گرتی ہیں اللہ تعالیٰ ہر بوند سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے حالانکہ جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چھ سو پر ہیں اگر ایک پر پھیلا دیں تو افق آسمان چھپ جائے۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ جبرئیل امین ہر روز اس نہر حیات میں ایک غوطہ لگا کر پر جھاڑتے ہیں جس سے ستر ہزار قطرے جھڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر قطرہ سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔" اور بعض روایات میں ہے

کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں کہ خوف الٰہی سے ان کا بند بند لرزتا ہے۔ ان میں سے جس فرشتے کی آنکھ سے جو آنسو ٹپکتا ہے وہ گرتے گرتے فرشتہ ہو جاتا ہے کہ کھڑا ہو کر رب العزت جل جلالہٗ کی تسبیح کرتا ہے۔" بعض روایات میں ہے کہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں خدائے تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے کہ اس کا ایک بازو مشرق میں ہے اور دوسرا مغرب میں۔ جب کوئی شخص مجھ پر محبت کے ساتھ درود پڑھتا ہے تو وہ فرشتہ پانی میں غوطہ کھا کر اپنے پر جھاڑتا ہے۔ خدائے تعالیٰ ہر قطرے سے کہ اس کے پروں سے ٹپکتا ہے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے کہ قیامت تک درود پڑھنے والے کے لئے استغفار کرتے ہیں۔"

یوہیں اس دنیا میں جب کوئی مسلمان مرد خواہ عورت کوئی اچھا کام کہتا اچھا کام کرتا ہے تو وہ نیک کلام، اچھا کام، فرشتہ بن کر آسمان کو بلند ہوتا ہے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ نیک آدمیوں کے سانس سے فرشتے بنتے ہیں اور ان میں قوی تر اور حیا میں زائد وہ ہوتے ہیں جو عورتوں کے سانس سے بنائے جاتے ہیں۔ اسی طرح اور احادیث بھی ہیں جن سے روزانہ بے شمار ملائکہ کا پیدا ہوتے رہنا اور پھر قیامت تک ان کا زندہ رہنا ثابت ہے۔ (ہدایۃ المبارکہ)

بعض علماء نے بحوالۂ حدیث فرمایا کہ تمام مخلوق کے دس جز ہیں نو ان میں سے ملائکہ ہیں اور باقی ایک جملہ مخلوق۔

عقیدہ:۔ چار فرشتے بہت مشہور ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام۔ حضرت میکائیل علیہ السلام۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام اور حضرت عزرائیل علیہ السلام اور یہ سب ملائکہ پر فضیلت رکھتے ہیں۔

تشریح:۔ یہ چاروں فرشتے باقی تمام ملائکہ سے زیادہ عظمت وکرامت اور بارگاہ الٰہی میں قربت والے ہیں۔ ان میں سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذمہ پیغمبروں کی خدمت میں وحی الٰہی لانا ہے۔ حضرت میکائیل علیہ السلام پانی برسانے اور مخلوق خدا کو روزی پہنچانے پر مامور ہیں۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام قیامت کو صور پھونکیں گے اور حضرت عزرائیل علیہ السلام جنہیں ملک الموت کہا جاتا ہے ان کے ذمہ قبض ارواح یعنی لوگوں کی جان نکالنے کی خدمت سپرد کی گئی ہے بے شمار فرشتے ان کی ماتحتی میں کام کرتے ہیں۔

ان چاروں کے بعد حاملان عرش کا مرتبہ ہے۔ ان کے بعد عرش الٰہی کے طواف کرنے والوں کا۔ ان کے بعد ملائکۂ کرسی کا۔ ان کے بعد ساتوں آسمانوں کے ملائکہ کا۔ ان کے بعد وہ فرشتے ہیں جو

ابر و ہوا اور رعد و برق اور پانی لانے اور بادلوں کے چلانے اور جنات و شیاطین پر رجم کرنے پر مامور ہیں اور ان کے بعد وہ ملائکہ ہیں جو نباتات و حیوانات کی ترتیب و تدبیر اور حفاظت پر بحکم الٰہی مامور ہیں۔

عقیدہ:۔ کسی فرشتے کے ساتھ ادنیٰ گستاخی کفر ہے۔ جاہل لوگ اپنے کسی دشمن یا مبغوض کو دیکھ کر کہہ بیٹھتے ہیں کہ ملک الموت یا عزرائیل آگیا۔ یہ کلمہ بہت سخت اور قریب بکلمۂ کفر ہے۔

عقیدہ فرشتوں کے وجود کا انکار یا یہ کہنا کہ فرشتہ نیکی کی قوت کو کہتے ہیں اور اس کے سوا کچھ نہیں یہ دونوں باتیں کفر ہیں۔

جن کا بیان

عقیدہ:۔ فرشتوں کی طرح جن بھی، اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے۔ یہ آگ سے پیدا کئے گئے ہیں ان میں بھی بعض کو یہ قوت یہ طاقت دی گئی ہے کہ جو شکل چاہیں بن جائیں۔ ان کی عمریں بہت طویل ہوتی ہیں۔ ان کے شریروں کو شیطان کہتے ہیں۔ ان سب کا سرگروہ ابلیس ہے۔ جس نے غرور میں آکر حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا اور ہمیشہ کے لئے راندۂ بارگاہ الٰہی کر دیا گیا تھا۔

تشریح:۔ ابلیس کے لفظی معنی ہیں "یاس زدہ" ناامیدی و محرومی کا مارا ہوا۔ یہ لفظ بطور علم شیطان کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ یہ ابلیس، نور کا بنا ہوا کوئی فرشتہ نہ تھا۔ جیسا کہ یہود و نصاریٰ کے اتباع میں ایک عام خیال عوام الناس میں پھیل گیا ہے بلکہ آگ کا بنا ہوا جن تھا جیسا کہ قرآن کریم میں صراحتہً فرمایا گیا ہے کَانَ مِنَ الْجِنِّ آدم علیہ السلام کو سجدہ سے انکار کسی غلط فہمی یا اشتباہ کی وجہ سے نہ تھا بلکہ محض پندار تفوّق کی بنا پر تھا۔ انکار اس نے اپنی بڑائی کی وجہ سے کیا جیسا کہ ایک جنی سے بعید بھی نہیں۔ قرآن میں اس صراحت کے ساتھ یہ بیان، تردید ہے اس یہودی اور نصرانی عقیدہ کی کہ ابلیس فرشتوں میں سے تھا اور حیرت ہے کہ قرآن مجید کی اتنی واضح تصریح کے بعد بھی ہزاروں پڑھے لکھے مسلمان، اب تک ابلیس کو فرشتہ ہی سمجھ رہے ہیں۔ اور اپنی اس غلط فہمی کے باعث وسوسوں کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔ اور اس کے بعد قرآن کا ارشاد کہ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ صاف بتا رہا تھا کہ چونکہ وہ ایک ناری مخلوق تھا۔ اس لئے سرکشی پر اتر آیا۔ فرشتہ ہوتا تو اس سے عصیان ممکن ہی نہ تھا۔

پھر جب اس سے سوال ہوا کہ "تو نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیوں نہ کیا؟ تو اس نے جواب میں کہا کہ "میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے بنایا۔" اس جواب سے اس کی مراد یہ تھی کہ آگ مٹی سے افضل و اعلیٰ ہے تو جس کی اصل آگ ہوگی وہ اس سے افضل ہوگا جس کی اصل مٹی ہو۔ اور جو افضل ہے وہ غیر افضل کے آگے نہیں جھک سکتا۔"

حالانکہ اس خبیث کا یہ خیال غلط و باطل ہے کیونکہ افضل وہ ہے جسے مالک و مولیٰ فضیلت دے فضیلت کا دارومدار اصل و جوہر پر نہیں بلکہ مالک کی اطاعت و فرمانبرداری پر ہے۔

اور آگ کا مٹی سے افضل ہونا یہ بھی صحیح نہیں۔ یہ بنیادی دعویٰ ہی غلط ہے کہ آگ خاک سے افضل ہے۔ آگ اور خاک دونوں مخلوق ہیں اور دونوں کی الگ الگ خصوصیات ہیں کسی لحاظ سے یہ افضل کسی اعتبار سے وہ بلکہ وہ آگ میں طیش و تیزی اور ترفع ہے کہ اوپر ہی جاتی ہے اور یہ سبب استکبار اور اپنی برتری کے زعم کا ہوتا ہے اور مٹی سے وقار حلم اور حیاء و صبر حاصل ہوتے ہیں جو دلیل ہے انکساری و فروتنی کی۔ مٹی سے ملک آباد ہوتے ہیں آگ سے ہلاک و برباد۔ مٹی امانت دار ہے جو چیز اس میں رکھی جائے اسے محفوظ رکھے اور بڑھائے جیسا کہ کھیتی باڑی میں ہوتا ہے۔ آگ فنا کر دیتی ہے باوجود اس کے لطف یہ ہے کہ مٹی آگ کو بجھا دیتی ہے اور آگ مٹی کو فنا نہیں کر سکتی۔ پھر یہ مفروضہ تو اور بھی مہمل ہے کہ افضل کی فرع ہر حال میں غیر افضل کی فرع سے افضل ہی ہوتی ہے۔ رات دن کا مشاہدہ اس مہمل مفروضہ کو غلط و باطل بتا رہا ہے۔

علاوہ بریں نص کی موجودگی میں اس کے مقابل قیاس کے کیا معنی۔ ارشاد الٰہی کا کوئی اور جواب بجز تعمیل حکم کے ممکن ہی نہیں اور جو قیاس کہ نص صریح کے خلاف ہو وہ ضرور مردود۔ اور ابلیس ہمیشہ کے لئے راندۂ بارگاہِ خداوندی۔ (خزائن العرفان وغیرہ)

عقیدہ:۔ جنات، انسان کی طرح ذی عقل اور ارواح و اجسام والے ہیں۔ ان میں توالد و تناسل بھی ہوتا ہے اور کھاتے پیتے جیتے مرتے بھی ہیں۔

عقیدہ:۔ ان میں مسلمان بھی کافر بھی۔ مگر ان کے کفار، انسان کی بہ نسبت زیادہ ہیں۔ اور ان میں کے مسلمان مومن مخلص، متقی و ابرار، نیک و شائستہ بھی ہیں اور بہت سے بدکار و ناہنجار اور فساق و فجار بھی۔ شریعت کے ماننے والے بھی ہیں اور انکار کرنے والے بھی۔ سُنی صحیح العقیدہ بھی

ہیں اور بد مذہب و بد عقیدہ بھی۔ سب طرح کے فرقے ان کے ہاں بھی ہیں۔ ان میں فاسقوں کی تعداد، بہ نسبت انسان کے زائد ہے۔ انسان کو بہکانا ان میں کے شریروں اور بدکاروں کا کام ہے انسان کو طرح طرح کی ترکیبوں کے ذریعے نیک کام سے باز رکھتے اور برے کاموں کی طرف رغبت دلاتے ہیں مگر خدا کے نیک بندے ان سے بچ نکلتے ہیں۔

تشریح:- قرآن کریم کا ارشاد گرامی ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّھُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ الآیہ بے شک وہ جو ڈر والے ہیں جب انہیں کسی شیطانی خیال کی ٹھیس لگتی ہے ہوشیار ہو جاتے ہیں اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے نیک اور خدا ترس، خدا پرست نیکو کار پرہیزگار مسلمان، شیطانوں کے اغوا میں نہیں آتے۔ وہ ان کے وسوسوں کو دور کرتے اور ٹھوکر لگتے ہی معاً سنبھل جاتے ہیں۔ حقیقت امر ان پر منکشف ہو جاتی ہے مکائد شیطانی ان پر واضح ہو جاتے ہیں اور وہ شیطانی وسوسے اور خطرے ان پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لاتے اور یاد الٰہی میں لگ جاتے ہیں۔ شیطان کی تحریک پر ان کے دلوں میں غصہ و اشتعال یا اور کسی امر ناجائز و ناپسندیدہ کا جذبہ بھڑکنے لگتا ہے تو ذکر الٰہی دعا و استعاذہ اور استغفار وغیرہ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت و حکومت کا استحضار کر کے اپنے ایمان کو تازہ کر لیتے ہیں۔

محققین نے لکھا ہے کہ وسوسۂ شیطانی سے تقویٰ میں کوئی نقصان نہیں آتا اور اس محفوظیت کے تین درجے ہیں۔ درجۂ اعلیٰ یہ کہ وسوسہ کا اثر ہی سرے سے نہ ہو۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کے واقعہ میں منقول ہے۔ اور درجۂ اوسط یہ کہ وسوسۂ اثر دکھائے مگر معاً تنبیہ بھی ہو جائے اور وسوسہ کے شر سے حفاظت رہے۔ یہ مقاصد یقین کا ہے اور قصہ یوسف و زلیخا میں اس کی نظیر موجود ہے۔ اور درجۂ ادنیٰ المحفوظیت کا یہ ہے کہ پھسلے مگر فوراً سنبھل جائے۔ ڈرے جھجکے اور باز آجائے یہ مقام تائبین کا ہوتا ہے اور ان تینوں مقامات کا صاحب، عارف، متقی ولی صاحب دل ہوتا ہے۔ (ماخوذ)

فائدہ:- پیدائش زمین و آسمان کے بعد اللہ تعالیٰ نے آسمان میں فرشتوں کو اور زمین میں جنات کو سکونت دی۔ جنات نے فساد انگیزی کی تو ملائکہ کی ایک جماعت بھیجی جس نے انہیں پہاڑوں اور جزیروں میں نکال بھگایا۔ (خزائن العرفان)

عقیدہ:- ان کے وجود کا انکار، یا بدی کی قوت کا نام، جن یا شیطان رکھنا کفر ہے۔

تشریح:- حضرات ملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مستقل وجود خارجی ہونا۔ یوہیں شیاطین وابلیس کا مستقل وجود خارجی کے ساتھ موجود ہونا ضروریات دین سے ہے۔ قرآن پاک کی صدہا آیات مبارکہ میں اس کی تصریح اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہزارہا احادیث مقدسہ میں اس کی توضیح موجود ہے۔ آیات کریمہ میں فرشتوں کے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) فرشتے اللہ تعالیٰ کی عزت والے بندے ہیں۔

(۲) وہ کسی بات میں خدائے تعالیٰ پر سبقت نہیں کرتے۔

(۳) وہ اللہ ہی کے حکم پر کاربند رہتے اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔

(۴) وہ اس کے خوف سے ترساں اور خوف الٰہی سے ڈر رہے ہیں۔

(۵) وہ جسے اللہ پسند فرمائے اس کے لئے شفاعت کرتے ہیں۔ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ الآیۃ

(۶) وہ اپنے رب جل جلالہ کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بولتے ہیں۔

(۷) وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں۔

(۸) وہ مسلمانوں کے لئے بخشائش کی دعائیں مانگتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ الآیۃ

(۹) جس دن فرشتے نظر آئیں گے وہ کافروں کے لئے کوئی خوشی کا دن نہ ہوگا۔ کفار تمنا کریں گے کہ کاش ہمارے اور فرشتوں کے درمیان کوئی آڑ ہوتی۔

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ الآیۃ

(۱۰) جہنم پر جو فرشتے مقرر ہیں بہت سخت اور کرّے ہیں۔

عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ الآیۃ

(۱۱) وہ جنتیوں سے جنت میں ملاقات کریں گے۔

(۱۲) وہ جنتیوں سے کہیں گے کہ دنیا و آخرت میں ہم تمہارے دوست ہیں۔

تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا الآیۃ

(۱۳) وہ قیامت کے دن پرا باندھ کر، صف بنائے کھڑے ہوں گے۔

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلَائِكَةُ الآية

(۱۴) وہ شب قدر میں اپنے رب جل جلالہ کے حکم سے اترتے ہیں۔

تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا

(۱۵) وہ خدا کے حکم کو دنیا میں جاری کرتے ہیں۔

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ الآية

(۱۶) وہ جس طرح احکام لے کر اترتے ہیں اسی طرح دربار الٰہی تک عروج کرتے ہیں۔

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ

(۱۷) موت کے وقت روح قبض کرنا انہی سے متعلق ہے۔

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الآية

(۱۸) وہ خدا اور رسول کے درمیان، وحی الٰہی کا ذریعہ بھی ہیں۔

اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ

(۱۹) اور وہ بشارت اور عذاب لے کر اترتے ہیں۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى

(۲۰) وہ انسانوں کے اعمال کی نگہبانی اور نگرانی کرتے ہیں۔

وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً

(۲۱) وہ لوگوں کے ثواب اور گناہوں کے کاموں کو محفوظ رکھتے ہیں۔

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ

(۲۲) وہ انسانوں کے اعمال کے مطابق ان پر نزول رحمت کا ذریعہ ہے۔

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ

(۲۳) وہ بدکاروں پر لعنت بھی کرتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ الآية

(۲۴) وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس کے حاضر باش بھی ہیں۔

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ

اور آخر میں یہ بھی سُن لیجئے کہ قرآن کریم ان فرشتوں کے بارے میں یہ بھی ارشاد فرماتا ہے کہ
مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝
یعنی جو کوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبریل و میکائیل کا تو اللہ دشمن ہے کافروں کا۔

اس آیۂ کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو کوئی اللہ کے رسولوں اور اس کے فرشتوں میں سے کسی ایک کا دشمن و مخالف ہے وہ کافر ہے۔ اور اس کے مفہوم میں محض عداوت نہیں بلکہ انکار، نافرمانی، حق ناشناسی غرض دوستی و محبت کے منافی، جو کچھ ہے سب اس میں داخل ہے اور انبیاء و ملائکہ میں سے کسی ایک کی عداوت کفر اور غضب الٰہی کا سبب ہے اور محبوبان خدا سے دشمنی، خدا سے دشمنی کرنا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ صفات، فرشتوں کے خارجی وجود و تشخص پر صراحۃً دلالت کررہی ہیں تو ثابت ہوا کہ اسلام و قرآن فرشتوں پر ایمان لانا، مسلمان ہونے کے لئے لازم و ضروری قرار دیتا ہے تو جو ان کے وجود کے منکر ہیں یا نیکی کی قوت، کا نام فرشتے رکھتے اور فرشتوں کا خارج میں کوئی وجود نہیں مانتے وہ یقیناً کافر ہیں۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے دشمن اور اللہ تعالےٰ ان کا دشمن۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

اسی طرح قرآن عظیم کی صدہا آیات کریمہ ہیں جن میں ابلیس و شیاطین کے ایک جداگانہ مستقل مخلوق ناری ہونے کا بیان فرمایا گیا ہے جن سے آفتاب نصف النہار سے بڑھ کر واضح ولائح کہ ملائکہ اور ابلیس و شیاطین کے جیسے وجود اور ان کی جو کیفیات، ان کے جو احوال و افعال قرآن عظیم نے بیان فرماتے ہیں وہ وہی ہیں جن پر صدر اسلام سے اب تک چودہ سو سال کے کافہ مسلمین و مومنین، دوسرے ضروریات دین کی طرح ایمان رکھتے چلے آئے ہیں اور ان کی وہ تمام تفصیلات ضروریات دین میں سے ہیں کہ ہر مسلمان پر ان پر اسی طرح ایمان لانا فرض و لازم ہے جس طرح قرآن کریم نے انہیں بیان فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد و آلہ و صحبہ و بارک وسلم

عالم برزخ کا بیان

قرآن کریم کا ارشاد گرامی ہے وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ط اور ان (مرنے والوں) کے آگے ایک آڑ ہے اس دن تک جس میں وہ اٹھائے جائیں گے۔ برزخ وہ شے ہے جو متوسط ہو درمیان دو شے کے جیسے دونوں سے علاقہ ہو سکے۔ چنانچہ دنیا و آخرت کے درمیان ایک اور عالم ہے جس کو برزخ کہتے ہیں۔

مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے تمام انس و جن کو حسب مراتب اس میں رہنا ہے اور یہ عالم اس دنیا سے بہت بڑا ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا سے مسلمان کا جانا ایسا ہے جیسے بچے کا ماں کے پیٹ سے نکلنا۔ اس دم گھٹنے اور اندھیری کی جگہ سے۔ اس فضائے وسیع دنیا میں اسی لئے علماء فرماتے ہیں کہ دنیا کے ساتھ برزخ کو وہی نسبت ہے جو ماں کے پیٹ کے ساتھ دنیا کو ہے جو ماں کے پیٹ کے ساتھ دنیا کو برزخ میں کسی کو آرام ہے اور کسی کو تکلیف۔ احادیث کریمہ میں صراحتہً فرمایا گیا ہے کہ قبر (یعنی برزخ) آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔" اور یہ کہ "قبر یا تو جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔" اسی دنیا کی زندگی میں ہر فرد بشر کو کیسی مشکلات کا سامنا ہوتا رہتا ہے اور ایمان و اسلام اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی صراط مستقیم ایسی ہے جو انسان کو ہر امتحان میں ثابت قدم رکھتی اور ہر تاریکی میں روشنی دکھاتی رہتی ہے اور پھر قبر برزخ اور محشر میں ایک سے ایک، بڑھ کر ایک، ہولناک منظر کے وقت بھی، سہارا دینے والی چیز بھی یہی ایمان و اسلام ہے۔ ایمان صحیح و سلامت ہے تو عالم برزخ اس کے لئے جنت سے کم نہیں ورنہ عذاب جہنم کا پیش خیمہ ہے۔

موت جس کا آنا یقینی ہے ایک دن جب وہ آئے گی تو مادہ کا یہ حجاب جو آج آنکھوں پر پڑا ہے اُٹھ جائے گا اس وقت عالم غیب یا عالم آخرت کے کچھ اسرار اس پر منکشف ہو جائیں گے اور نیک و بد اعمال کے نتیجے اور ثواب و عذاب اور جنت و دوزخ کے بعض مناظر ان کے سامنے آ جائیں گے آنکھ بند ہوتے ہی عالم برزخ شروع ہو جاتے گا ادھر اس کے ساتھ کشف حقائق بھی۔ انسان خود ہی جان لے گا کہ اصل حقیقت کیا تھی اور وہ دنیا میں کیسی شدید حماقت اور بھول میں پڑا دیا۔

حدیث شریف میں ہے کہ مردے کے ساتھ تین ہوتے ہیں۔ دو لوٹ آتے ہیں۔ ایک مال۔ ایک اس کے اہل واقارب۔ ایک اس کا عمل۔ عمل ساتھ رہ جاتا ہے اور باقی دونوں واپس ہوجاتے ہیں۔

(بخاری)

فائدہ:۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں میں سے دو بیٹے قابیل وہابیل تھے۔ قابیل ہابیل سے کسی معاملہ میں خفا ہوگیا اور جب برافروختگی زیادہ بڑھی تو بے گناہ بھائی کی جان لینے پر آمادہ ہوگیا۔ اور پھر قتل کر ہی دیا۔ یہ روئے زمین پر پہلا قتل تھا اور قابیل کو یہ خبر بھی نہ تھی کہ اپنے مقتول کی لاش کا کرے۔ کیونکہ اس وقت تک کوئی انسان مرا ہی نہ تھا۔ مدت تک لاش کو پشت پر لادے پھرا آخر ایک معمولی اور حقیر سا پرندہ، انتظامات تکوینی کے ماتحت، اس قاتل کو دفن کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا گیا۔ چنانچہ مروی ہے کہ دو کوے آپس میں لڑے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے کو مار ڈالا۔ پھر زندہ کوّے نے اپنی چونچ اور پنجوں سے زمین کرید کر گڑھا کیا اور اس میں مرے ہوئے کوّے کو ڈال کر مٹی سے دبا دیا۔ یہ دیکھ کر قابیل کو معلوم ہوا کہ مردے کی لاش کو دفن کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس نے زمین کھود کر دفن کر دیا۔ (مدارک وغیرہ)

عقیدہ:۔ ہر شخص کی جتنی زندگی مقرر ہے اس میں نہ زیادتی ہوسکتی ہے نہ کمی۔ جب زندگی کا وقت پورا ہوجاتا ہے اس وقت حضرت عزرائیل علیہ السلام قبض روح کے لئے آتے ہیں اور اس شخص کے دائیں بائیں، جہاں تک نگاہ کام کرتی ہے فرشتے دکھائی دیتے ہیں مسلمان کے آس پاس، رحمت کے فرشتے ہوتے ہیں اور کافر کے دائیں بائیں عذاب کے، اس وقت ہر شخص پر اسلام کی حقانیت، آفتاب سے زیادہ روشن ہوجاتی ہے مگر اس وقت کا ایمان معتبر نہیں۔ اس لئے کہ حکم ایمان بالغیب کا ہے اور اب غیب نہ رہا، بلکہ عالم غیب کی یہ چیزیں مشاہدہ میں آگئیں۔

فائدہ:۔ اللہ عزوجل، خیر کے ساتھ شہادتین (لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ) پر موت نصیب کرے وقت مرگ بھی پورا کلمہ طیبہ پڑھنا چاہیئے۔

دم نزع، دو شیطان آدمی کے دونوں پہلو پر آ کر بیٹھتے ہیں۔ ایک اس کے باپ کی شکل بن کر، دوسرا ماں۔ ایک کہتا ہے وہ شخص یہودی ہوکر مرا تو یہودی ہوجا کہ یہود وہاں بڑے چین سے ہیں۔ دوسرا کہتا ہے وہ شخص نصرانی گیا تو نصرانی ہوجا کہ نصاریٰ وہاں بڑے آرام سے ہیں۔ علماء کرام فرماتے

ہیں کہ شیطان کے اغواء سے بچانے کے لیے مُحتضر (قریب الموت) کو تلقین کلمہ کا حکم ہوا۔ اور ظاہر ہے کہ صرف لاالہ الااللہ اس کے اغواء کا جواب نہیں۔ لا الہ الااللہ تو یہود و نصاریٰ بھی مانتے ہیں۔ ہاں وہ کہ جس سے اسے ملعون کے فتنے مٹتے ہیں محمد رسول اللہ کا ذکر کریم ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ یہی اس کے ذریات کے بھی دل میں چبھتا جگر میں زخم ڈالتا ہے۔ مسلمان ہرگز ہرگز اسے نہ چھوڑیں اور جو اس سے منع کرے اس سے اتنا کہدیں ع

گر بر تو حرام است حرامت بادہ

اور حدیث میں جو فرمایا کہ جس کا پچھلا کلام لاالہ الااللہ ہو، اس سے مراد پورا کلمہ طیبہ ہے کہ لاالہ الااللہ گویا اس کلمۂ ایمان کا نام ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

عقیدہ :۔ مرنے کے بعد بھی روح کا تعلق بدن انسانی کے ساتھ باقی رہتا ہے اگرچہ روح بدن سے جدا ہو گئی مگر بدن پر جو کچھ گزرے گی، روح اس سے ضرور آگاہ و متاثر ہو گی جس طرح حیات دنیا میں ہوتی ہے بلکہ اس سے زائد۔ دنیا میں ٹھنڈا پانی، سرد ہوا، نرم فرش، لذیذ کھانا، سب باتیں جسم پر وارد ہوتی ہیں مگر راحت، ولذت روح کو پہنچتی ہے۔ اور ان کے عکس بھی جسم پر وارد ہوتے ہیں اور کلفت واذیت روح پاتی ہے۔ اور روح کے لئے، خاص اپنی راحت والم کے الگ، اسباب ہیں جن سے سرور یا غم پیدا ہوتا ہے۔ بعینہٖ یہی سب حالتیں عالم برزخ میں ہیں۔

تشریح :۔ آیات واحادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ موت کے بعد، روح فنا نہیں ہوتی اور اس کے افعال وادراکات جیسے دیکھنا۔ بولنا۔ سننا۔ سمجھنا۔ آنا۔ جانا۔ چلنا۔ پھرنا۔ سب بدستور رہتے ہیں بلکہ اس کی قوتیں بعد مرگ، اور صاف و تیز ہو جاتی ہیں۔ حالت حیات میں جو کام ان آلات خاکی، یعنی آنکھ۔ کان۔ ہاتھ۔ پاؤں۔ زبان سے لیتے تھے۔ اب روح بغیر ان کے کرتی ہے اگرچہ جسم مثالی کی یاد آوری سہی۔ اس مطلب نفیس اور ان کے سوا بہت سے امور کے ثبوت میں بے شمار احادیث و آثار ہیں جو ان کے علم وادراک وسمع وبصر و کلام وغیرھا صفات واحوال حیات پر دلیل روشن ہیں مثلاً (۱) بعد انتقال عقل وہوش باقی رہنا (۲) روح کا بس از مرگ آسمانوں پر جانا (۳) اپنے رب کے حضور سجدے میں گرنا (۴) فرشتوں کو دیکھنا (۵) ان کی باتیں سننا (۶) ان سے باتیں کرنا (۷) اپنے منازل جنت کا پیش نظر رہنا (۸) نیک ہمسایوں سے نفع پانا (۹) بد ہمسایوں سے ایذا اٹھانا۔

(۱۰) ملائکہ کا ان کے پاس تحفے لانا (۱۱) ان کی مزاج پرسی کو آنا (۱۲) ان کا منتظر صدقات رہنا۔
(۱۳) قبر کا ان سے بزبان فصیح باتیں کرنا (۱۴) ان کے منتہائے نظر تک وسیع ہونا (۱۵) زندوں کے اعمال انہیں سنائے جانا (۱۶) نیکیوں پر خوش ہونا (۱۷) برائیوں پر غم کرنا (۱۷) پسماندگان کے لئے دعائیں مانگنا (۱۸) ان کے ملنے کا مشتاق رہنا (۱۹) روحوں کا باہم ملنا جلنا (۲۰) ہر گونہ کلام کے دفتر کھلنا (۲۱) منزلوں کی فصل (فاصلہ) سے آپس کی ملاقات کو جانا (۲۲) اگلے اموات کا مردۂ نو کے استقبال کو آنا (۲۳) اس کا گزرے قریبوں کو دیکھ کر پہچاننا۔ ان سے مل کر شاد ہونا (۲۴) ان کا اس سے باقی عزیزوں اور دوستوں کے حال پوچھنا (۲۵) آپس میں خوبی کفن سے مفاخرت کرنا (۲۶) برے کفن والوں کا ہم چشموں میں شرمانا (۲۷) اپنے اعمال حسنہ یا سیئہ کو دیکھنا (۲۸) ان کی صحبت سے انس و فرحت یا معاذ اللہ، خوف و وحشت پانا (۲۹) عالم دین کا علم شریعت (۳۰) اہلسنت کا مذہب اہلسنت (۳۱) مسلمان کے دل خوش کرنے والے کا قرآن عظیم کی پاکیزہ طلعت سے، صحبت دل کشا رکھنا (۳۳) دشمنان عثمان کا اپنی قبروں میں عیاذاً باللہ، دجال پر ایمان لانا (۳۴) نیک بندوں کا خدمت اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم و عباد اللہ صالحین (اللہ کے نیکوکار بندوں) میں حاضر ہونا (۳۵) اپنی قبور میں نمازیں پڑھنا (۳۶) حج کرنا لبیک کہنا (۳۷) تلاوت قرآن میں مشغول رہنا (۳۸) بلکہ ملائکہ کا انہیں تمام و کمال قرآن عظیم حفظ کرانا (۳۹) اپنے رب عزوجل سے باتیں کرنا۔
(۴۰) رب تبارک و تعالیٰ کا ان سے کلام جانفزا فرمانا (۴۱) عجائب قدرت دیکھ کر جی بہلانا (۴۲) جنت کی نہروں میں غوطے لگانا (۴۳) جو تلاوت قرآن میں مشغول مرے قرآن عظیم کا ہر وقت ان کی دلجوئی فرمانا ہر صبح و شام ان کے اہل و عیال کی خبریں انہیں پہنچانا (۴۴) دودھ پیتے شہزادے کا انتقال ہوا ان پر جنت کی دائیاں مقرر ہونا۔ مدت رضاعت تمام فرمانا (۴۵) نیکوں کا شوق قیامت میں جلدی کرنا۔
(۴۶) بدوں کا نام قیامت سے گھبرانا (۴۷) مقتولان راہ خدا کے دل میں دوبارہ قتل کی آرزو ہونا۔
(۴۸) مسلمانوں کا سبز یا سپید پرندوں کے روپ میں جہاں چاہنا اڑتے پھرنا (۴۹) جنت کے پھل پانی کھانا پینا۔ (۵۰) سونے کی قندیلوں میں عرش کے نیچے بسیرا لینا۔

(فتاویٰ رضویہ)

عقیدہ:۔ مرنے کے بعد مسلمان کی روح، حسب مرتبہ مختلف مقاموں میں رہتی ہے۔ بعض

کی قبر پر۔ بعض کی چاہ زمزم شریف میں۔ بعض کی آسمان وزمین کے درمیان۔ بعض کی پہلے دوسرے ساتویں آسمان تک۔ اور بعض کی آسمانوں سے بھی بلند۔ اور بعض کی روحیں زیرِ عرش قندیلوں میں اور بعض کی اعلیٰ علیتین میں۔ مگر کہیں ہوں اپنے جسم سے ان کو تعلق بدستور رہتا ہے۔ جو کوئی قبر پر آئے اسے دیکھتے پہچانتے اس کی بات سنتے ہیں۔ بلکہ روح کا دیکھنا قربِ قبر ہی سے مخصوص نہیں۔ اس کی مثال حدیث میں یہ فرمائی ہے "کہ ایک طائر قفس میں بند تھا۔ اور اب آزاد کر دیا گیا۔

ائمہ کرام فرماتے ہیں۔ اِنَّ النُّفُوْسَ الْقُدْسِیَّۃَ اِذَا تَجَرَّدَتْ عَنِ الْعَلَائِقِ الْبَدَنِیَّۃِ اتَّصَلَتْ بِالْمَلَاءِ الْاَعْلٰی وَتَرٰی تَسْمَعُ الْکُلَّ کَالْمُشَاهِدِ یعنی پاک جانیں جب بدن کے علاقوں سے جدا ہوتی ہیں عالم بالا سے مل جاتی ہیں اور سب کچھ ایسا دیکھتی سنتی ہیں جیسے یہاں حاضر ہیں۔ حدیث میں فرمایا "جب مسلمان مرجاتا ہے اس کی راہ کھول دی جاتی ہے جہاں چاہے جائے" شاہ عبد العزیز صاحب لکھتے ہیں۔ روح را قرب و بعد مکانی یکساں است

(روح کے لئے کسی مقام کا دور و نزدیک ہونا یکساں اور برابر ہے) اور کافروں کی خبیث روحیں۔ بعض کی ان کے مرگھٹ یا قبر پر رہتی ہیں۔ بعض کی چاہ برہوت میں کہ یمن میں ایک نالا ہے۔ بعض کی پہلی دوسری ساتویں زمین تک۔ بعض کی اس کے بھی نیچے سجین میں اور وہ بھی کہیں ہو جو اس کی قبر یا مرگھٹ پر گزرے اسے دیکھتے پہچانتے بات سنتے ہیں مگر کہیں آنے جانے کا اختیار نہیں کہ قید ہیں۔

عقیدہ: یہ خیال کہ وہ روح کسی طرح دوسرے بدن میں چلی جاتی ہے خواہ وہ آدمی کا بدن ہو یا کسی اور جانور کا، جسے تناسخ اور آواگون کہتے ہیں محض باطل اور اس کا ماننا کفر ہے۔

تشریح: اس موقع پر اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں سے متعلق اگرچہ بحث کرنے کی گنجائش نہیں ہے تاہم اس قدر سمجھ لینا ضروری ہے کہ تناسخ (آواگون) کا عقیدہ اس اساس پر قائم ہے کہ ہر ایک انسان کی موجودہ زندگی، سابق میں کئے ہوئے اعمال کا ثمرہ اور نتیجہ ہے ورنہ کائنات میں یہ تنوع (جداگانہ حال وماحول) ہرگز نہ ہوتا کہ کوئی انسان ہے تو کوئی حیوان۔ اور کوئی نباتات و جمادات سے۔ نیز انسانوں میں کوئی عالم ہے تو کوئی جاہل۔ اور کوئی صحت یاب ہے تو کوئی مریض۔ اور کوئی امیر کبیر ہے تو کوئی مفلس و محتاج وغیرہ وغیرہ۔

اس عقیدہ کا مقصد یہ ہوا کہ بغیر عمل و کردار کے اگر عالم میں یہ تغیرات موجود ہیں تو یہ خدا

کی صفت عدل کے منافی ہے۔ لیکن اس عقیدہ کی خام کاری اور بطلان کی مختلف وجوہ میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ اگر روح اپنے اعمال کی وجہ سے مختلف، جوں بدل کر ان تغیرات عالم کا باعث ہے جو مجموعۂ کائنات کے حسن کا باعث ہیں اور جس کی بدولت یہ پورا کارخانہ مکمل نظام کے ساتھ وابستہ نظر آتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ انسان کے لئے فطری اور نیچرل طور پر گنہگار بدکار اور بداعمال ہونا ازبس ضروری ہے کہ مجموعۂ کائنات کا حسن نہ صرف یہ کہ پیدا ہو بلکہ قائم رہے جس کا تغیرات اور تنوعات پر مبنی ہونا ازبس ضروری ہے۔

دوسرے الفاظ میں یوں کہہ دیجئے کہ جون بدل کر آواگون کی زندگی اگر اعمال کی جزا و سزا سے متعلق ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت انسان کے نکوکار بننے کی جگہ زیادہ سے زیادہ بدکار ہونا چاہئے تاکہ آئندہ نظام عمل میں یہ تنوع باقی رہے جس کا باقی رہنا عقل و فطرت کے مطابق ہے۔ ورنہ تو حیوانات نباتات، جمادات کے فقدان سے انسانی دنیا کا یہ سارا کارخانہ درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔

تناسخ کے ناقص فلسفیانہ عقیدہ پر یقین رکھنے والوں نے اس حقیقت کو یکسر فراموش کر دیا ہے کہ ایک چیز اپنی انفرادیت کے لحاظ سے خواہ کتنی ہی قبیح اور بری معلوم ہو لیکن مجموعہ کائنات کے پیش نظر اس کا وجود بھی اپنے اندر ضرور حسن رکھتا ہے مثلاً تل (خال) اپنے رنگ و روپ میں کیسا ہی سیاہ فام کیوں نہ ہو، لیکن محبوب کے رخسار پر، نہ خود حسین بن جاتا ہے بلکہ حسن محبوب کو دوبالا کر دیتا ہے اور حافظ شیرازی جیسے صوفی کو "خال محبوب" پر "سمرقند و بخارا" بخش دینے پر آمادہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح عالم و کائنات میں انفرادی طور پر کسی کا مریض ہونا، اپاہج و معذور ہونا۔ ناقص الخلقت ہونا وغیرہ۔ گو قبیح اور قابل افسوس نظر آتے ہوں مگر مجموعہ کائنات کے حسن کے لئے فطری اور نیچرل ہیں اور اس تنوع پر ہی دنیا کے نظام کا بقا ہے اور کمالات آفرینش کا آئینہ دار۔

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے (ماخوذ)

پھر کسی فعل پر جزا و سزا کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا اچھا برا ہونا، بیان کر دیا جائے اور جب کسی جون میں آنے والے کو یہ معلوم ہی نہ ہو کہ اس جزا یا سزا کا ترتب کس فعل پر ہوا تو یہ عقیدہ سرے سے ہی باطل ہوا۔

عقیدہ: موت کے معنی، روح کا جسم سے جدا ہو جانا ہے۔ نہ یہ کہ روح مرجاتی ہے۔ جو روح کو فنا مانے بدمذہب ہے اور اہلسنت و جماعت سے خارج۔

عقیدہ: مردہ کلام بھی کرتا ہے اور اس کے کلام کو، عوام جن و انسان کے سوا، اور تمام حیوانات وغیرہ سنتے بھی ہیں۔

عقیدہ: جب مردہ کو قبر میں دفن کرتے ہیں اس وقت اس کو قبر دباتی ہے اگر وہ مسلمان ہے تو اس کا دبانا ایسا ہوتا ہے جیسے ماں پیار میں اپنے بچے کو زور سے چپٹا لیتی ہے اور اگر کافر ہے تو اس کو اس زور سے دباتی ہے کہ ادھر کی پسلیاں ادھر اور ادھر کی ادھر ہو جاتی ہیں۔

عقیدہ: جب دفن کرنے والے، دفن کر کے وہاں سے چلتے ہیں وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے اس وقت اس کے پاس دو فرشتے، اپنے دانتوں سے زمین چیرتے ہوئے آتے ہیں۔ ان کی شکلیں نہایت ڈراؤنی اور ہیبت ناک ہوتی ہیں، ان کے بدن کا رنگ سیاہ، اور آنکھیں سیاہ اور نیلی، اور دیگ کے برابر، اور شعلہ زن ہیں۔ اور ان کے مہیب بال سر سے پاؤں تک۔ اور ان کے دانت، کئی ہاتھ کے جن سے زمین چیرتے ہوئے آئیں گے ان میں سے ایک کو منکر، دوسرے کو نکیر کہتے ہیں، مردے کو جھنجوڑتے جھڑک کر اٹھاتے اور نہایت سختی کے ساتھ، کرخت آواز میں سوال کرتے ہیں کہ مَنْ رَّبُّکَ تیرا رب کون ہے مَادِیْنُکَ؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں دریافت کرتے ہیں مَا کُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ ھٰذَا الرَّجُلِ۔ ان کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟ مردہ مسلمان ہے تو اس منزل میں بفضل الٰہی ثابت قدم رہتا ہے اور کہہ دیتا ہے کہ رَبِّیَ اللّٰہُ میرا رب اللہ ہے دِیْنِیَ الْاِسْلَامُ میرا دین اسلام ہے اور تیسرے سوال کے جواب میں کہتا ہے ھُوَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ وہ تو میرے نبی ہیں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے برگزیدہ رسول۔ پھر اس کی قبر کشادہ کر دی جاتی ہے اور اس میں جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں آتی ہیں اور وہ منور کر دی جاتی ہے اور آسمان سے ندا ہوتی ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا اس کے لئے جنت کا بچھونا بچھاؤ اور جنت کا لباس پہناؤ۔ اور اس سے کہا جاتا ہے تو سو جیسے پہلی شب کی دلہن سوتی ہے۔ یہ خواص کے لئے عموماً ہے اور عوام میں ان کے لئے جن کو وہ چاہے۔

اور اگر مردہ منافق ہے تو وہ قبر میں منکر نکیر کو صحیح جواب نہیں دے سکتا اور ہر سوال کے

جواب میں یہی کہتا ہے کہ ہائے ہائے میں نہیں جانتا کُنْتُ اَسْمَعُ النَّاسَ یَقُوْلُوْنَ شَیْئًا فَاَقُوْلُ۔ میں لوگوں کو کہتے سنتا تھا خود بھی کہتا تھا۔" اس وقت آسمان سے ندا ہوتی ہے کہ یہ جھوٹا ہے

——— اس لئے آگ کا بچھونا بچھاؤ دوزخ کا لباس پہناؤ اور جہنم کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔ اس کو دوزخ کی گرمی اور لپٹ پہنچے گی اور اس پر عذاب دینے کے لئے دو فرشتے مقرر ہوں گے۔ جو اسے لوہے کے گرزوں سے مارتے رہیں گے۔ نیز سانپ اور بچھو اسے عذاب پہنچاتے رہیں گے۔ نیز اعمال اپنے مناسب شکل پر متشکل ہوکر، مجسم بھیڑیا۔ کتا۔ یا اور شکل کے بن کر اس کو ایذا پہنچائیں گے۔ جبکہ نیکوں کے اعمال حسنہ مقبول اور محبوب صورت پر متشکل ہو کر اسے انس دیں گے۔

تشریح:۔ حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں "جو کوئی شخص مسلمان کو خوش کرے اللہ عزوجل اس خوشی سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے کہ اللہ عزوجل کی عبادت و توحید کرتا رہتا ہے۔ جب وہ بندہ قبر میں جاتا ہے یہ فرشتہ اس کے پاس آکر کہتا ہے "تو کیا مجھے پہچانتا ہے میں وہ خوشی ہوں جو تو نے فلاں مسلمان کے دل میں داخل کی تھی۔ آج میں وحشت میں تیرا دل بہلاؤں گا اور تیری حجت تجھے سکھلاؤں گا۔ اور قول ایمان پر تجھے ثابت کروں گا۔ اور قیامت کے ہر مشہد میں تیرے ساتھ رہوں گا اور اللہ عزوجل کے نزدیک تیری شفاعت کروں گا۔ اور جنت میں تیرا مکان تجھے دکھاؤں گا۔ والہدایۃ المبارکہ

فائدہ:۔ وارد ہے کہ جب بندہ قبر میں رکھا جاتا اور سوال نکیرین ہوتا ہے شیطان رجیم (کہ اللہ عزوجل صدقہ اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ہر مسلمان مرد و زن کو حیات و ممات میں اس کے شر سے محفوظ رکھے) وہاں بھی خلل انداز ہوتا ہے اور جواب میں بہکاتا ہے والعیاذ بوجہ العزیز الکریم۔ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

امام ترمذی محمد بن علی نوادر الاصول میں امام اجل سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کرتے ہیں۔ اِنَّ الْمَیِّتَ اِذَا سُئِلَ مَنْ رَّبُّکَ تَرَاءَی لَہُ الشَّیْطٰنُ فَیُشِیْرُ اِلٰی نَفْسِہٖ اِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ فَلِھٰذَا وَرَدَ سُؤَالُ التَّثْبِیْتِ لَہٗ حِیْنَ یُسْئَلُ۔ یعنی جب مردہ سے سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ شیطان اس پر ظاہر ہوتا اور اپنی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تیرا رب میں ہوں۔ اس لئے حکم آیا کہ میت کے لئے جواب میں ثابت قدم رہنے کی دعا کریں۔ امام ترمذی فرماتے

ہیں کہ وہ حدیثیں اس کی مؤید ہیں جن میں وارد کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میت کو دفن کرتے وقت دعا فرماتے الٰہی اسے شیطان سے بچا۔" اگر وہاں شیطان کا کچھ دخل نہ ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ دعا کیوں فرماتے:

اور صحیح حدیثوں سے ثابت کہ اذان شیطان کو دفع کرتی ہے۔ اسی لئے بعض علمائے دین نے میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان کہنے کو سنت فرمایا تاکہ اسے جواب یاد آجائے اور شیطان لعین کے بہکانے میں نہ آئے اور بے شک اذان کے دو کلمات، جواب نکیرین بتاتے ہیں۔ ان کے سوال تین ہیں تیرا رب کون ہے، تیرا دین کیا ہے اور تو اس مرد یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں کیا اعتقاد رکھتا تھا۔

اب اذان کی ابتدا میں اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اشہد ان لا الٰہ الا اللہ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ اور آخر میں اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ سوال من ربک۔ کا جواب سکھائیں گے۔ ان کے سننے سے یاد آئے گا کہ میرا رب اللہ ہے اور اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ، سوال مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ۔ کا جواب تعلیم کریں گے کہ میں انہیں اللہ کا رسول جانتا تھا۔ اور حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح جواب مَا دِیْنُکَ کی طرف اشارہ کریں گے کہ میرا دین وہ تھا جس میں نماز رکن وستون ہے کہ اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ۔ تو بعد دفن قبر پر اذان دینا اس ارشاد کی تعمیل ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث صحیح متواتر میں فرمایا کہ لَقِّنُوْا مَوْتَاکُمْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اپنے مردوں کو لا الٰہ الا اللہ سکھاؤ۔ اب جو نزع میں ہے وہ مجازاً مردہ ہے اور اسے کلمہ سکھانے کی حاجت کہ بحول اللہ تعالیٰ خاتمہ اسی پاک کلمہ پر ہو اور شیطان لعین کے بھلانے میں نہ آئے اور جو دفن ہو چکا حقیقۃً مردہ ہے اور اسے بھی کلمہ پاک سکھانے کی حاجت کہ بعون اللہ تعالیٰ جواب یاد ہو جائے اور شیطان رجیم کے بہکانے میں نہ آئے اور بے شک اذان میں یہی کلمہ لا الٰہ الا اللہ تین جگہ موجود۔ (ایذان الاجر)

عقیدہ: عذاب قبر حق ہے اور یونہی تنعیم قبر حق ہے اور دونوں جسم و روح دونوں پر ہیں جیسا کہ اوپر گذرا۔ عذاب قبر اور تنعیم قبر کا انکار وہی کرے گا جو گمراہ ہے۔

تشریح: قرآن کریم نے فرعون اور آل فرعون کے باب میں فرمایا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْن

سُوْٓءُ الْعَذَابِ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْھَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا ۔ فرعون والوں کو بُرے عذاب نے آگھیرا (دنیا میں تو یہ کہ وہ فرعون کے ساتھ غرق ہو گئے) اور آخرت میں دوزخ کی آگ جس پر صبح شام پیش کئے جاتے ہیں (اس میں جلائے جاتے ہیں)

اللہ تعالیٰ یہاں الفاظ میں عذاب کے دو مرحلوں کا ذکر فرما رہا ہے۔ ایک کم تر درجے کا عذاب جو قیامت کے آنے سے پہلے فرعون اور آل فرعون کو اب دیا جا رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ انہیں صبح شام دوزخ کی آگ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اور دوسرا مرحلہ اس بڑے عذاب کا ہے جب انہیں ہمیشہ کے لیے جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔

اور یہ معاملہ صرف فرعون اور آل فرعون کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بلکہ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ ہر مرنے والے پر اس کا مقام صبح و شام پیش کیا جاتا ہے جنتی پر جنت کا اور دوزخی پر دوزخ کا۔ اور اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانا ہے تا آنکہ روز قیامت اللہ تعالیٰ تجھ کو اس کی طرف اٹھائے۔

فائدہ:۔ اس آیت سے عذاب قبر کے ثبوت پر استدلال کیا جاتا ہے یا یوں کہئے کہ یہ آیت اس عذاب برزخ کا صریح ثبوت ہے جس کا ذکر بکثرت احادیث میں عذاب قبر کے عنوان سے کیا جاتا ہے مولائے کریم صدقہ اپنے محبوب رؤف و رحیم کا، ہمیشہ ہر عذاب سے پناہ میں رکھے آمین۔

عقیدہ:۔ مردہ اگر قبر میں دفن نہ کیا جائے تو جہاں پڑا رہ گیا یا پھینک دیا گیا۔ یا جلا دیا گیا یا پانی میں بہا دیا گیا۔ غرض کہیں ہو اس سے وہیں سوالات ہوں گے اور وہیں ثواب یا عذاب اسے پہنچے گا۔ یہاں تک کہ جسے شیر یا کوئی اور درندہ کھا گیا تو اسی کے پیٹ میں سوال جواب اور عذاب ثواب جو کچھ ہو گا وہ پہنچے گا۔

فوائد شتّیٰ

(۱) کافر کو نزع ہی کے وقت سے سخت شدید عذاب شروع ہو جاتا ہے۔ ملک الموت کی صورت ہی وہ مہیب ہوتی ہے کہ العیاذ باللہ۔ حدیث میں ہے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ملک الموت سے فرمایا "مجھے اپنی وہ صورت دکھاؤ جس میں کافر کی روح قبض کرنے آتے ہو۔ عرض کی "حضرت نہ

دیکھ سکیں گے" فرمایا "کیوں نہیں" عرض کی تو منہ پھیر لیجئے "منہ پھیرا پھر کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سیاہ فام شخص ہے جس کا سر آسمان سے لگا ہوا، منہ سے آگ کی لپٹیں نکلتیں۔ سر سے پاؤں تک ہر رونگٹا ہر بال، ایک کالے مرد کی شکل، جس کے منہ اور کانوں سے شعلے نکلتے۔ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو غش آگیا۔ جب ہوش آیا فرمایا "اے ملک الموت اگر کافر کو مرتے وقت اور کوئی بلا و مصیبت نہ ہو تو تمہارا اس صورت میں اس پر ظاہر ہونا ہی کیا کم ہے۔ پھر اس کے بعد جو آتا ہے آناً فاناً سخت تر ہی ہے۔ والعیاذ باللہ رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

پھر فرمائش کی "وہ صورت دکھاؤ جس میں روح مومن قبض کرتے ہو" کہا منہ پھیر لیجیے" منہ پھیرا۔ پھر دیکھا کہ ایک جوان سفید پوش، تمام جہان سے زیادہ خوبصورت و خوشبو، کھڑا ہے۔ فرمایا "اے ملک الموت اگر مسلمان کو مرتے وقت آنکھ کی اور ٹھنڈک اور اسباب وسامان عزت نہ دیے جائیں تو تمہاری یہ پیاری صورت ہی بہت ہے۔" (جابک لیث بحوالہ ابن جریر و ابن ابی حاتم)

(۲) انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیائے کرام و علمائے دین و شہداء و حافظان قرآن مجید کہ قرآن کریم کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ اور وہ جو منصب محبت پر فائز ہیں اور وہ جسم جس نے کبھی اللہ عزوجل کی معصیت نہ کی اور وہ کہ اپنے اوقات درود شریف میں مستغرق رکھتے ہیں۔ ان کے بدن کو مٹی نہیں کھا سکتی۔ جو شخص انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں یہ خبیث کلمہ کہے کہ "مر کر مٹی میں مل گئے" گمراہ بد دین خبیث مرتکب توہین ہے۔ والعیاذ باللہ۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب شرح الصدور میں چند روایات کا ذکر فرمایا کہ:۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے روح سے زیادہ لطیف اور پاکیزہ تر کوئی اور شے پیدا نہ فرمائی۔ جب تک بدن میں رہتی ہے بدن تر و تازہ رہتا ہے اور جب اسے جسم سے نکال لیا جاتا ہے تو بدن گلنے سڑنے لگتا ہے۔

(۲) آدمی کا ہر عضو سڑ گل جاتا ہے مگر ریڑھ کی ہڈی کہ وہ نہیں سڑتی قیامت کے روز اسی پر بدن کو ترکیب دے گا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے موت کے بعد سڑنے اور گلنے کا حکم دیا اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی دوست اپنے دوست کو مرنے کے بعد دفن نہ کرتا اور اہل میت۔ میت کو گھر میں رکھتے۔

(۴) جنگ احد میں عمرو بن جموح انصاری اور عبداللہ بن عمر انصاری نے شہادت پائی اور دونوں ایک ہی قبر میں ایک نشیبی زمین میں دفن کر دیئے گئے بارش کے زمانے میں سیلاب آیا یہ دونوں قبریں کھل گئیں تو دونوں لاشیں وہاں سے نکال لی گئیں تاکہ کسی بلند جگہ پر دفن کر دیا جائے۔ دونوں لاشیں تر و تازہ نکلیں کہ ان میں کہیں کوئی تغیر نہ آیا تھا گویا آج ہی ان کی وفات ہوئی ہے۔ ایک لاش کے بدن میں زخم تھا اور اس پر ان کا ہاتھ رکھا تھا جب وہ ہاتھ زخم سے اٹھا کر سیدھا کیا گیا تو پھر لاش نے اپنا ہاتھ زخم پر رکھ لیا حالانکہ جنگ احد کو اس وقت تک چھیالیس سال گذر چکے تھے۔

(۵) حدیث شریف میں ہے کہ اذان دینے والا کہ طلب ثواب کے لئے اذان کہے اس شہید کی مثل ہے کہ خون میں آلودہ ہے اور جب مرے گا قبر میں اس کے بدن میں کیڑے نہ پڑیں گے۔

(۶) جب حافظ قرآن انتقال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ زمین کو حکم دیتا ہے کہ اس کا گوشت نہ کھائے زمین کہتی ہے اے رب میں کیونکر اس کا گوشت کھا سکتی ہوں جبکہ تیرا کلام پاک اس کے سینہ میں محفوظ ہے۔

(۷) جس شخص نے کبھی گناہ نہیں کیا ہے زمین اس کا گوشت نہیں کھا سکتی۔

ایک اور حدیث شریف

فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہارے افضل دنوں سے جمعہ کا دن ہے۔ اسی میں آدم علیہ السلام پیدا کئے اور اسی میں انتقال کیا اور اسی میں نفخہ ہے (دوسری بار صور پھونکا جانا) اور اسی میں صعقہ ہے (پہلی بار صور پھونکا جانا) اس دن میں مجھ پر درود کی کثرت کرو کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس وقت حضور پر ہمارا درود کیونکر پیش کیا جائے گا جب کہ حضور انتقال فرما چکے ہوں گے۔ فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسم کھانا حرام کر دیا ہے"

(ابوداؤد وغیرہ)

اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم "جمعہ کے دن مجھ پر درود کی کثرت کرو کہ یہ دن مشہور ہے اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور مجھ پر جو درود پڑھے گا۔ پیش کیا جائے گا" ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کی "اور موت کے بعد"۔ فرمایا "بے شک اللہ تع

نے زمین پر انبیاء کے جسم کھانا حرام کر دیا ہے۔ تو اللہ کا ہر نبی زندہ ہے۔ رزق دیا جاتا ہے۔
فَصَلَّى اللهُ تَعَالٰى وَسَلَّمَ وَبَارَكَ عَلَيْهِ وَعَلٰى كُلِّ مَنْ هُوَ مَحْبُوْبٌ وَمَرْضِيٌّ لَدَيْهِ

معاد و حشر کا بیان

اللہ عزوجل کے محبوب صادق و مصدوق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے، خدائے قدوس کے آخری اور مکمل پیغام ہدایت، قرآن کریم کے ذریعہ اسلام کی تیسری بنیادی و اساسی بات یہ بتائی کہ قیامت برحق ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور اپنے اپنے اعمال کے مطابق یوم آخر میں جزا و سزا، بحکم الٰہی ضرور واقع ہے۔

مذاہب عالم اس سلسلہ میں راہ مستقیم سے روگرداں اور افراط و تفریط کے بحر ظلمات میں پھنسے ہوئے تھے۔ وہ یا تو آواگون (تناسخ) کے چکر میں یوم آخرت کے اس تصور سے قطعاً بیگانہ ہو چکے تھے۔ اور قیامت کا تعلق، انسانی اعمال کی جزا و سزا اور یوم الحساب سے غیر متعلق سمجھ چکے تھے اور یا پھر اس دن نجات کا دارومدار اور جزاء و سزا کا معیار، اعمال و کردار کی جگہ، نسل و خاندان اور سوسائٹی کی معاشرتی گروہ بندی پر سمجھ بیٹھے تھے اور کفارہ کو عقیدہ بنا کر حساب و محاسبۂ اعمال سے مطمئن ہو چکے تھے اور مشرکین اور بعض فلاسفہ نے تو یوم آخرت کے وجود کا انکار کر دیا تھا۔ اور ان کی سمجھ میں یہ بات آتی ہی نہ تھی کہ آج کا مردہ انسان، کل کس طرح زندہ ہو جائے گا اور سینکڑوں ہزاروں برس کی بوسیدہ ہڈیاں یوم حساب میں کس طرح جسم بن کر اپنی روح کے لباس بن سکیں گی۔

قرآن کریم نے نازل ہو کر دنیائے انسانی کو بتایا کہ اس صاف اور واضح بات کے سمجھنے میں آخر کیوں تم پر اتنی دہشت طاری ہوتی ہے اور کیوں تمہاری عقلیں اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتیں کہ جس خالق کائنات اور بدیع الارض والسمٰوات نے کسی نمونہ اور نقشہ کے بغیر یہ عجیب و غریب عالم آفرینش کر دیا، وہ بلاشبہ اس پر قادر ہے کہ ماضی میں مخلوق اور حال میں مردہ و بوسیدہ کو مستقبل میں دوبارہ وجود عطا فرمائے اور اس کے منتشر اجزاء کو جمع کر کے، دوبارہ وہی ہیئت جسمانی پیدا فرما کر، سابق روح کو اس میں واپس کر دے۔

قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۭ (الیٰ قولہ) وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُ ۝ اور انسان ہمارے لئے کہاوت کہتا ہے اور اپنی پیدائش بھول گیا۔ بولا۔ ایسا کون

ہے کہ ہڈیوں کو زندہ کرے جب وہ بالکل گل گئیں۔ تم فرماؤ انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے پہلی بار انہیں بنایا۔ اور اسے ہر پیدائش کا علم ہے۔"

خلاصہ یہ کہ گلی ہوئی ہڈی کا بکھرنے کے بعد، اللہ تعالیٰ کی قدرت سے، زندگی قبول کرنا اپنی نادانی سے، منکر قیامت، ناممکن سمجھتا ہے اور گستاخانہ اور تمردانہ لہجہ میں یہ سوال کرتا ہے کہ ہڈیاں جب سڑ گل گئیں تو ان کی حیات ثانی ممکن کیونکر ہے؟ اپنے آپ کو نہیں دیکھتا کہ ابتدا میں ایک گندہ نطفہ تھا۔ گلی ہوئی ہڈیوں سے بھی حقیر تر۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ نے اس میں جان ڈالی، انسان بنایا اور ایسی حالت میں اسے پیدا کر دیا جبکہ وہ حیات سے بالکل بیگانہ و بعید تھا۔ اور اب ایسا مغرور و متکبر ہو گیا کہ اس کی قدرت ہی کا منکر ہو گیا۔ اتنا نہیں دیکھتا کہ جو قادر برحق پانی کی بوند کو قوی اور توانا بنا دیتا ہے اور اسے نیستی سے ہستی، عدم سے وجود میں لاتا ہے اس کی قدرت سے گلی ہوئی ہڈی کو دوبارہ زندگی بخش دینا کیا بعید ہے اور اس کو ناممکن سمجھنا کتنی کھلی ہوئی جہالت و حماقت ہے۔ کہاں خلق اول اور کہاں حیات ثانی۔ جو قادر مطلق خلق اول پر قادر ہے وہ فنا کے بعد اسے دوبارہ زندگی بخشنے پر ضرور قدرت تامہ کاملہ رکھتا ہے۔

پھر جبکہ ہم اس دنیا میں انسانوں کے اعمال و کردار کی جزاء و سزا کا مظاہرہ نہیں دیکھتے تو ہمارا وجدان ہی ہماری رہنمائی اس حقیقت کی طرف کرتا ہے کہ ایک ایسا دن ضرور مقرر ہے۔ جب کائنات انسانی، اپنے اعمال و کردار کی جزاء و سزا کا نتیجہ و ثمرہ پائے گی۔ اور اسی دن کو یوم القیٰمۃ یوم الآخرۃ اور یوم الحساب کہتے ہیں۔

پس مومن و مسلم وہی ہے جو توحید خالص اور رسالت و نبوت کے صحیح تصور اور یوم آخرت پر یقین کامل کے سررشتہ کے ساتھ پیوستہ ہو اور یہی وہ تین بنیادی عقائد ہیں جو دین اسلام کے حقیقی تصور یعنی تمام ضروریات دین کے ایمان و تصدیق پر حاوی ہیں۔

عقیدہ:۔ یعنی ہر چیز کی ایک عمر مقرر ہے اس کے پورے ہونے کے بعد وہ فنا ہو جاتی ہے، اور جیسے دنیا میں ہر چیز انفرادی طریقے سے فنا ہوتی اور مٹتی رہتی ہے۔ یونہی پوری دنیا کی بھی ایک عمر اللہ تعالیٰ کے علم میں مقرر ہے اس کے پورا ہونے کے بعد ایک دن ایسا آئے گا کہ تمام کائنات فنا ہو جائے گی اور یہ ساری بساط ہستی الٹ پلٹ ہو جائے گی۔ آسمان و زمین کے ٹکڑے

ٹکرا کر چور چور ہو جائیں گے اسی کو قیامت کہتے ہیں۔ اس وقت سوا ایک اللہ کے دوسرا کوئی نہ ہو گا اور وہ تو ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا۔

عقیدہ۔ قیامت بے شک قائم ہوگی اس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔

عقیدہ:۔ حشر صرف روح کا نہیں بلکہ روح وجسم دونوں کا ہے۔ جو کہے صرف روحیں اٹھیں گی جسم زندہ نہ ہوں گے وہ بھی کافر ہے۔

عقیدہ:۔ دنیا میں جو روح جس جسم کے ساتھ متعلق تھی اس روح کا حشر۔ اسی جسم میں ہو گا یہ نہیں کہ کوئی نیا جسم پیدا کر کے اس کے ساتھ روح متعلق کر دی جائے۔

عقیدہ:۔ جسم کے اجزاء اگرچہ مرنے کے بعد متفرق ہو گئے۔ مختلف جانوروں کی غذا ہو گئے۔ ذرہ ذرہ ہو کر ہوا کے جھونکوں سے ادھر ادھر بکھر گئے مگر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے ان سب کو جمع فرما کر قیامت کے دن اٹھائے گا۔

عقیدہ:۔ جسم اگرچہ گل جائے خاک ہو جائے مگر اس کے اجزائے اصلیہ قیامت تک باقی رہیں گے وہی مورد عذاب وثواب ہوں گے اور انہیں پر روز قیامت دوبارہ ترکیب جسم فرمائی جائے گی۔ وہ کچھ ایسے باریک اجزاء ہیں ریڑھ کی ہڈی میں جس کو عجب الذنب کہتے ہیں کہ نہ کسی خوردبین سے نظر آ سکتے ہیں نہ انہیں آگ جلا سکتی ہے نہ زمین انہیں گلا سکتی ہے وہی تخم جسم ہیں۔ ولہذا روز قیامت روحوں کا اعادہ اسی جسم میں ہو گا نہ کہ جسم دیگر میں۔ بالائے زائد اجزاء کا گھٹنا بڑھنا جسم کو نہیں بدلتا۔ جیسے بچہ کتنا چھوٹا پیدا ہوتا ہے۔ پھر کتنا بڑا ہو جاتا ہے۔ قوی ہیکل جوان، بیماری میں گھل کر کتنا حقیر رہ جاتا ہے۔ پھر نیا گوشت پوست آ کر مثل سابق ہو جاتا ہے۔ ان تبدیلیوں سے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ شخص بدل گیا۔ یونہی روز قیامت کا عود ہے۔ وہی گوشت اور ہڈیاں کہ خاک یا راکھ ہو گئے ہوں۔ ان کے ذرے کہیں بھی منتشر ہو گئے ہوں۔ رب عزوجل انہیں جمع فرما کر، اسی پہلی ہیئت پر لا کر، انہیں پہلے اجزائے اصلیہ پر کہ محفوظ ہیں، ترکیب دے گا اور ہر روح کو اسی سابق جسم میں بھیجے گا۔ اس کا نام حشر ہے۔ اور ان سابقہ جسموں کا دراز و کوتاہ یا خوبصورت و بدصورت ہونا ممکن ہے جس طرح کافروں کے لیے آیا کہ وہ اس قدر بدصورت و دراز ہو جائیں گے کہ ان کے دانت بڑے لمبے لمبے مثل کوہ احد کے ہوں گے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

تشریح :- مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ سمندر کے کنارے ایک آدمی مرا پڑا تھا۔ جوار بھاٹے میں سمندر کا پانی چڑھتا اترتا رہتا ہے۔ جب پانی چڑھتا تو مچھلیاں اس لاش کو کھاتیں۔ جب اتر جاتا تو جنگل کے درندے کھاتے جب درندے جاتے تو پرند کھاتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ ملاحظہ فرمایا تو آپ کو شوق ہوا کہ آپ ملاحظہ فرمائیں کہ مردے کسطرح زندہ کئے جائینگے اسوقت آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا "یارب مجھے یقین ہے کہ تو مردوں کو زندہ فرمائے گا اور ان کے اجزاء، دریائی جانوروں اور درندوں کے پیٹوں، اور پرندوں کے پوٹوں سے جمع فرمائے گا لیکن میں یہ عجیب منظر دیکھنے کی آرزو رکھتا ہوں۔ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی۔

فرمایا "کیا تجھے یقین نہیں ؟ عرض کی "یقین کیوں نہیں مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آجائے" وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ۔

اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہے اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کمال ایمان و یقین کا علم ہے۔ باوجود اس کے یہ سوال فرمانا کہ "کیا تجھے یقین نہیں" اس لئے ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کمال ایمان کا اقرار خود ان کی زبان سے کرالیا جائے اور دنیا کو یہ تعلیم بھی مل جائے کہ ایسے سوالات ہمیشہ بے اعتقادی یا فقدان ایمان ہی سے نہیں پیدا ہوتے اور ان کی بنیاد شک و شبہہ ہی پر نہیں ہوتی۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جواب کا مقصود یہ ہے کہ علم الیقین تو تیرے فضل سے اب بھی حاصل ہے عین الیقین چاہتا ہوں تاکہ مشاہدہ کے بعد اطمینان اور زیادہ ہو جائے کہ علم کیسے ہی اعلیٰ درجۂ یقین پر ہو من وراء حجاب ہے ع۔

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

غرض خلیل جلیل کے جواب پر ارشاد ہوا کہ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ۔ ایسے ہے تو چار پرندے لو انہیں اپنے ساتھ ہلالو (تاکہ اچھی طرح شناخت ہو جائے) پھر ان کو ذبح کر کے ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دو۔ پھر انہیں بلاؤ وہ تمہارے پاس چلے آئیں گے پاؤں سے دوڑتے۔

حکم الٰہی پاکر آپ نے چار پرندے مور مرغ کبوتر کوا لئے انہیں بحکم الٰہی ذبح کیا ان کے پر اکھاڑے اور قیمہ کر کے ان کے اجزاء باہم خلط کر دیئے اور [illegible] کئی حصے کئے اور جو پہاڑ آپ کے آس پاس تھیں ان چاروں پرندوں کے حصے ان پر رکھے اور سر سب کے اپنے پاس محفوظ

رکھے۔ پھر حضرت ابراہیم خلیل اللہ ان سے الگ ہوئے اور ایک مقام پر سب کے سر اپنے پاؤں کے نیچے دبا لئے۔ پھر اللہ عزوجل کا اسم اعظم لیا اور فرمایا "بحکم الٰہی چلے آؤ" یہ فرماتے ہی وہ اجزا اڑے پھر ہر جانور کی ہڈی سے ہڈی، پر سے پر، بوٹی سے بوٹی اوڑ کر ملی اور ہر جانور کے اجزا اس کے دوسرے اجزاء سے جا ملے۔ پھر ہر ایک کے پر اس میں لگ گئے۔ اور پرندوں کی شکل بن کر، صحیح وسالم پرندوں کی شکلیں بن کر، بے سر کے اپنے پاؤں سے دوڑتے حاضر ہوئے۔ گردنوں سے اشارہ کر کے اپنا اپنا سر مانگا۔ خلیل جلیل نے اپنا قدم مبارک اٹھا لیا۔ ہر پرندنے اپنی گردن اپنے سر میں رکھ دی۔ اور جیسے تھے ویسے ہی بعینہٖ پہلے کی طرح مکمل ہو کر اڑ گئے۔"

یہ روشن دلیل ہے اس حقیقت پر کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا مقبول ہوئی اور نمونہ ہے خداوند قادر وقدیر کی قدرت کاملہ کے شاندار مظاہرہ کا۔

معہٰذا یہاں تو خلیل جلیل علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو عجائب آیات قدرت دکھائے جا رہے ہیں تن بے سر کا جس میں آنکھیں نہیں راہ پہچاننا اور مقصود کی طرف چلنا بھی ان اعظم عجائب سے تھا تو اس کے لئے ان پرندوں کا پاؤں سے چل کر آنا ہی زیادہ مناسب تھا کہ اڑ کر آپڑنے میں احتمال رہتا کہ اتفاقاً ایک طرف اڑے اور سامنے آپڑے۔ بخلاف اس طریق کے کہ پہاڑوں سے اتریں اور سمت خلیل چل کر آئیں۔ اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْنَا مَا اَنْزَلْتَ عَلٰی حَبِیْبِکَ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

قیامت کے اوصاف

اس کی تشریح میں قیامت کے ناموں کا جان لینا ہی بڑی کارآمد بات ہے قرآن پاک میں قیامت کو بیسیوں ناموں سے یاد کیا گیا ہے اور ان میں سے ہر ایک نام اس کے ایک خاص پہلو کو نمایاں اور ظاہر کرتا ہے۔ قرآن کریم میں اس کا پہلا نام جو سب سے پہلی سورت (الفاتحہ) میں ہے وہ یوم الدین ہے یعنی روز جزا اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ پورے حساب اور ہر عمل کے بدلہ کا دن ہوگا۔ اور چونکہ یہ دن اپنی پائداری اور قیام کی وجہ سے خاص اہمیت رکھتا ہے اس لئے یوم القیامت کہلاتا ہے۔ اور چونکہ یہ دن، دنیائے موجودہ کے بعد ہے اس لئے یوم الآخرت کہاتا ہے اور چونکہ جزاء وسزا اور اعمال کے محاسبہ پر اس کا انجام ہوگا۔ اس لئے یوم الحساب ہے۔

اس کے علاوہ قرآن کریم میں جابجا اس کے اور نام بھی آئے ہیں مثلاً۔

اَلسَّاعَۃ	اَلْیَوْمُ الْحَق	اَلْیَوْمُ الْمَعْلُوم	اَلْیَوْمُ الْمَوْعُود
یَوْمُ الْاٰزِفَۃ	یَوْمُ التَّغَابُن	یَوْمُ التَّلَاق	یَوْمُ التَّنَاد
یَوْمٌ عَسِیْرٌ	یَوْمٌ عَظِیْم	یَوْمٌ عَصِیْب	یَوْمُ الْبَعْث
یَوْمُ الْحَسْرَۃ	یَوْمُ الْخُرُوْج	یَوْمُ الْفَصْل	یَوْمُ الْجَمْع
اَلْقَارِعَۃ	اَلْغَاشِیَۃ	اَلْحَاقَّۃ	اَلْوَاقِعَۃ
اَلطَّآمَّۃُ الْکُبْرٰی	اَلنَّبَاءُ الْعَظِیْم	اَلصَّاخَّۃ	وغیرہا

یہی روز قیامت ہے جس کے اوصاف میں قرآنی شہادت ہے کہ:۔

(۱) یَوْمَ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ

جو لوگ دنیا میں عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ پر قائم رہے ان کے لئے سچائی کام آئے گی۔

(۲) یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ۔

جس دن نہ مال کام آئے گا نہ بیٹے۔ مگر وہ جو اللہ کے حضور حاضر ہوا سلامت دل لے کر یعنی جو شرک وکفر ونفاق سے پاک ہو۔ اس کو اس کا مال بھی کام آئے گا جو راہ خدا میں خرچ کیا ہو اور اولاد بھی نفع دے گی جبکہ صالح ہو حدیث شریف میں ہے کہ جب آدمی مرتا ہے اس کے عمل منقطع ہو جاتے ہیں سوا تین کے۔ ایک صدقہ جاریہ، دوسرا وہ مال جس سے اور لوگ نفع اٹھائیں۔ تیسری نیک اولاد اس کے لئے دعا کرے۔

(۳) یَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْهِ۔

جس دن ظالم اپنے ہاتھ چبا چبا لے گا (حسرت وندامت سے)

(۴) یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ الآیۃ

اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی اور ماں اور باپ اور بیوی اور بیٹوں سے، ان میں سے ہر ایک کو ایک فکر ہوگی کہ وہی اسے بس ہے۔ کوئی کسی کی طرف ملتفت نہ ہوگا ہر ایک کو اپنی ہی پڑی ہوگی۔

(۵) یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ

جس دن ان پر گواہی دیں گی ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں، جو کچھ کرتے ہیں۔

(۶) یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا

جس دن کوئی جان، کسی جان کا کچھ اختیار نہ رکھے گی۔ یعنی کوئی کافر کسی کافر کو نفع نہ پہنچا سکے گا۔

(۷) یَوْمَ لَا یُغْنِیْ مَوْلًی عَنْ مَّوْلًی شَیْئًا

جس دن کوئی دوست، کسی دوست کے کچھ کام نہ آئے گا۔

یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ یَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ یَوْمِئِذٍۭ بِبَنِیْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِیْهِ الآیۃ

جس دن مجرم یعنی کافر آرزو کرے گا۔ کاش اس دن کے عذاب سے چھٹنے کے بدلے میں دے دے اپنے بیٹے اور اپنی بیوی کو۔ اور اپنے بھائی اپنے کنبہ کو جس میں وہ بسر کرتا ہے اور تمام اہل زمین کو۔ پھر یہ فدیہ اسے بچا لے"۔ غرض کافر کی حالت اس روز یہ ہو گی کہ دنیا میں جس پر جان فدا کرتا تھا ان تک کو اپنی جان بچانے کے لئے فدیہ میں حوالہ کرتا جائے گا۔

یہی وہ ہولناک دن ہے جس کے ہولناک مناظر، قرآنی الفاظ میں یہ ہیں:۔

(۱) یَوْمَ یَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ

جس دن آدمی ہوں گے جیسے پھیلے پتنگے اور پہاڑ ہوں گے جیسے دھنکی اون جس کے اجزا متفرق ہو کر اڑتے ہیں۔ یہی حال قیامت کے ہول و دہشت سے پہاڑوں کا ہو گا۔

(۲) اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ الآیۃ

جس دن آسمان شق ہو گا اور زمین پھیلا دی جائے گی کہ اس پر کوئی عمارت کوئی پہاڑ نہ رہیگا۔

(۳) اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ الآیۃ

وہ دن جبکہ آسمان پھٹ پڑیں گے، تارے جھڑ جائیں گے۔ سمندر بہا دیئے جائیں گے اور قبریں کریدی جائیں گی (اور ان کے مردے زندہ کر کے نکال دیئے جائیں گے)

(۴) اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ الآیۃ

جب آفتاب کا نور زائل ہو جائے گا۔ اور ستارے جھڑ پڑیں گے اور پہاڑ چلائے جائیں گے (کہ غبار کی طرح ہوا میں اڑتے پھریں)

(۵) يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ الآيۃ

جس دن آسمان ہو گا جیسے گلی چاندی (یا پگھلا ہوا تانبا) اور پہاڑ ایسے ہلکے ہو جائیں گے، جیسے اون، یعنی جب آسمان اور پہاڑ جیسی زبردست اور مستحکم چیزیں یوں نکمی نکل جائیں گی اور اس حالت تک پہنچیں گی تو دوسری موجودات کا کیا ذکر۔

(۶) وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً۔

جس دن زمین اور پہاڑ اٹھا کر دفعۃً چورا کر دئیے جائیں گے۔

(۷) فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ،

جس دن آسمان پھٹ جائے گا تو گلاب کے پھول سا ہو جائے گا (جگہ جگہ سے شق اور رنگت کا سرخ۔

(۸) فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَخَسَفَ الْقَمَرُ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ۔

جس دن آنکھیں چوندھیا جائیں گی اور چاند بے نور ہو جائے گا اور چاند سورج ملا دئیے جائیں گے (دونوں کی حالت یکساں ہو جائے گی نہ اس میں نور ہو گا نہ اس میں روشنی)

(۹) يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا۔

وہ دن جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا (اپنی شدت دہشت سے)

(۱۰) يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا اَرْضَعَتْ الآيۃ

جس دن تم اسے دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی (اس کی ہیبت سے) اپنے دودھ پیتے کو بھول جائے گی اور ہر حمل والی اپنا حمل ڈال دے گی۔ اور تو لوگوں کو دیکھے گا جیسے نشہ میں ہیں حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے بلکہ (عذاب الٰہی کے خوف سے لوگوں کے ہوش جاتے رہیں گے اور) ہے یہ کہ اللہ کے عذاب کی مار بڑی سخت چیز ہے۔

الغرض قیامت کے یہ ہولناک مناظر ایسے ہیبت ناک اور دہشت انگیز ہوں گے جن کا صحیح تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ پہاڑوں جیسی مضبوط و مستحکم چیزیں جب ریزہ ریزہ کر کے، دھنی ہوئی روئی کی طرح اڑا دیئے جائیں گے اور زمین کو چٹیل میدان کی طرح ہموار بنا دیا جائے گا کہ کوئی ٹیلہ، کوئی پہاڑ، کوئی آبادی، کوئی بستی، کوئی عمارت نظر نہ آئے گی تو کوئی صحیح الحواس انسان اسے فراموش کر کیسے

سکتا ہے۔

مولائے کریم صدقہ اپنے محبوب رؤف ورحیم کا ہمیں انہیں کے زیر لوا اٹھائے انہیں کے سایۂ رحمت میں جگہ دے اور انہیں کی اطاعت میں خاتمہ نصیب فرمائے ۔

آمین آمین آمین برحمتک یاارحم الراحمین

فائدہ:۔ قیامت تین قسم کی ہے۔

قیامت صُغریٰ:۔ یہ موت ہے کہ

قیامت وسطیٰ:۔ یہ کہ ایک قرن کے تمام لوگ فنا، اور دوسرے قرن کے نئے پیدا ہو جائیں ۔

قیامت کبریٰ:۔ وہ یہ کہ آسمان وزمین سب فنا ہو جائیں۔

آثار قیامت

جس طرح افراد جی کر مر جاتے ہیں، جماعتیں وجود میں آ کر مٹ جاتی ہیں۔ قومیں پیدا ہو کر فنا ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح پوری دنیائے مخلوقات، زمین وآسمان اور جن وانس وملک بھی ایک دن فنا ہونے والے ہیں اور ایک دن ضرور ایسا آئے گا جب قانون الٰہی کے مطابق سب فنا کی آغوش میں چلے جائیں گے۔ صرف ایک اللہ تعالیٰ کے لیے ہمیشگی وبقا ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۔

اور جس طرح آدمی کے مرنے سے پہلے، بیماری کی شدت، موت کے سکرات نزع کی حالتیں ظاہر ہوتی ہیں ایسے ہی دنیا کے فنا ہونے سے پہلے چند نشانیاں ظاہر ہوں گی جنہیں "آثار قیامت" کہا جاتا ہے:

علامات قیامت دو قسم پر ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ سے لے کر وقوع میں آچکیں اور حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ظہور تک وقوع میں آتی رہیں گی یہاں تک کہ دوسری قسم سے مل جائیں گی انہیں علامات صُغریٰ کہتے ہیں۔

دوسری قسم کی علامات وہ ہیں جو ظہور امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد سے، نفخ صور تک ظاہر ہوں گی۔ یہ علامات یکے بعد دیگرے، پے در پے ظاہر ہوں گی۔

جیسے سلک مروارید سے موتی گرتے ہیں۔ ان کے ختم ہوتے ہی قیامت برپا ہوگی۔ انہیں علامات کبریٰ کہا جاتا ہے۔

علاماتِ صُغریٰ

(۱) علم اٹھ جائے گا یعنی علمائے دین اٹھا لئے جائیں گے۔

(۲) جہل کی کثرت ہوگی۔ عوام الناس (نام کے عالموں اور حقیقۃً) جاہلوں کو اپنا پیشرو بنائیں گے ان سے دینی باتیں دریافت کریں گے۔ اور وہ علم نہ رکھنے کے باوجود فتویٰ دیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اوروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

(۳) زنا کی کثرت ہوگی اور اس بے حیائی کے ساتھ زنا ہوگا جیسے گدھے جفتی کھاتے ہیں۔ بڑے چھوٹے کسی کا پاس لحاظ نہ ہوگا۔

(۴) مرد کم ہوں گے اور عورتیں زیادہ۔ یہاں تک کہ ایک مرد کی سرپرستی میں پچاس عورتیں ہوں گی (بہنیں خالائیں اور پھوپھیاں وغیرہ)

(۵) علاوہ اس بڑے دجال کے اور تیس دجال ہوں گے کہ وہ سب دعویٰ نبوت کریں گے حالانکہ نبوت ختم ہو چکی۔ جن میں بعض گذر چکے جیسے مسیلمہ کذّاب، طلیحہ بن خویلد۔ اسود عنسی اور سجاح نامی عورت کہ بعد کو اسلام لے آئی اور مرزا علی محمد باب (جس کے پیرو بابی کہلاتے ہیں) اور مرزا علی حسین بہاء اللہ (بہائیوں کا پیشرو) اور غلام احمد قادیانی وغیرہم۔ اور جو باقی ہیں ضرور ہوں گے۔

(۶) امانتوں میں خیانتیں ہوگی اور یہی وہ وقت ہوگا کہ دین و دنیا کا انتظام و انصرام، نااہلوں کے سپرد کر دیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اس سے فتنہ و فساد برپا ہوگا اور عوام الناس کے حقوق پامال ہوں گے

(۷) مال کی کثرت ہوگی۔ نہر فرات اپنے خزانے کھول دے گی کہ وہ سونے کے پہاڑ ہوں گے۔ اور اور ملک عرب میں کھیتی اور باغ اور نہریں جاری ہو جائیں گی غرض یہ کہ زمین اپنے دفینے اگل دے گی خواہ وہ کسی شکل میں ہوں۔

(۸) شراب خوری اور بے حیائی کی زیادتی ہوگی۔ خواہ اسے کوئی نام دیا جائے۔

(۹) دین پہ قائم رہنا اتنا دشوار ہوگا۔ جیسے مٹھی میں انگارا لینا۔ یہاں تک کہ آدمی قبرستان میں جا کر تمنا

کرے گا کہ کاش میں اس قبر میں ہوتا۔

(۱۰) وقت میں برکت نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ سال مثل مہینے کے، اور مہینہ مثل ہفتہ کے، اور ہفتہ مثل دن کے، اور دن ایسا ہو جائے گا جیسے کسی چیز کو آگ لگی اور جلد بھڑک کہ ختم ہو گئی۔ یعنی وقت بہت جلد جلد گزرے گا۔

(۱۱) لوگ امانت کو غنیمت، مال غنیمت کو اپنی ذاتی ملکیت اور زکوٰۃ کو تاوان سمجھنے لگیں گے اور زکوٰۃ نکالنا، گراں ہوگا۔

(۱۲) علم دین پڑھیں گے مگر دین کے لئے نہیں (بلکہ دنیا کی عزت و وجاہت، کی خاطر)

(۱۳) مرد اپنی عورت کا مطیع ہوگا اور والدین کا نافرمان۔

(۱۴) اپنے احباب سے میل جول رکھے گا اور ماں باپ سے دور دور رہے گا۔

(۱۵) مسجدوں میں شور و شغب ہوگا۔ لوگ بلا جھجک چلائیں گے شور مچائیں گے۔ اور وہاں بیٹھ کر دنیا کی باتیں بنائیں گے۔

(۱۶) گانے باجے (ناچ رنگ) کی کثرت ہوگی (اور حیرت کی بات یہ ہے کہ آج اسی لعنت کو "اسلامی ثقافت"، کا نام دیا جا رہا ہے اور ترقی پر ہے)

(۱۷) خاندان و قبیلہ کے سربراہ، فُساق و فجار اور قوم ملک و ملت کے رئیس و کفیل، اور ان کے امور کے نگراں، ذلیل و رذیل ہوں گے۔

(۱۸) اگلوں پر لوگ لعنت کریں گے انہیں برا بھلا کہیں گے۔

(۱۹) آدمی کے شر اور اس کے ظلم سے حفاظت کے لئے، اس کی عزت کی جائے گی۔ (حالانکہ وہ کسی عزت و توقیر کا مستحق نہ ہوگا)

(۲۰) ذلیل لوگ جنہیں تن کا کپڑا، پاؤں کی جوتیاں، بدن پر صاف کپڑے نصیب نہ تھے بڑے بڑے محلوں، کوٹھیوں بنگلوں پر فخر کریں گے۔

(۲۱) بروقت ملاقات، سلام و جواب سلام کی بجائے، لوگ گالی گلوچ سے ایک دوسرے کا استقبال کریں گے اور پیش آئیں گے۔

(۲۲) نماز کے ارکان، فرائض و شرائط وغیرہا کا لحاظ کئے بغیر، لوگ، نمازیں پڑھیں گے یہاں تک

کہ پچاس نمازوں میں سے ایک بھی قبول نہ ہوگی۔

(۲۳) حیاء و شرم جاتی رہے گی، نہ بڑوں کو چھوٹوں کا لحاظ نہ ہوگا۔ نہ چھوٹوں کو بڑوں کا پاس۔

(۲۴) سلف صالحین کی سیرت اور ان کے اعمال و کردار کی متابعت، ننگ و عار تصور کی جائے گی۔ (لوگ کہیں گے یہ چلو تم ادھر کو، ہوا ہو جدھر کی)

(۲۵) عورتیں مردانہ وضع اختیار کریں گے اور مردوں کو زنانی وضع پسند ہوگی۔

(۲۶) درندے جانور آدمی سے کلام کریں گے۔ کوڑے کی پھنچی جوتے کا تسمہ کلام کرے گا۔ اس کے بازار جانے کے بعد جو کچھ گھر میں ہوا بتائے گا۔ بلکہ خود انسان کی ران اسے خبر دے گی۔

(۲۷) لونڈی بچوں کی کثرت ہوگی۔

(۲۸) ظلم و ستم کا راج ہوگا۔

(۲۹) نو دولتیوں کی حکومت ہوگی۔

(۳۰) جھوٹ بولنا، ہنر میں شمار ہوگا۔

ان کے علاوہ اور بھی علامات ہیں جن کا ذکر بڑی کتابوں میں ہے۔

علامات کُبریٰ

(۱) دجال کا ظاہر ہونا۔

یہ لفظ مشتق ہے دَجل سے اور دَجل کے معنی ہیں مکر و فریب اور حق و باطل میں خلط و تلبیس اور ان معنی کا دجال میں پایا جانا بالکل ظاہر۔ اس کا لقب ہے مسیح۔ لیکن یہ لقب تنہا مستعمل نہیں بلکہ دجال کے ساتھ ملا کر کہا جاتا ہے۔ مسیح دجال۔ لفظ مسیح کا تنہا استعمال صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مختص ہے۔

دجّال کو مسیح اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی ایک آنکھ ہموار ہوگی یعنی نہ آنکھ ہوگی نہ اس کی ابرو۔ بلکہ چہرہ بالکل چوپٹ سپاٹ۔ صرف ایک آنکھ والا ہوگا۔

یہ ایک یہودی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ابتلاء و آزمائش کے لئے، ان پر مسلّط فرمائے گا۔ اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا ک ف ر (یعنی کافر) ہر مسلمان اسے پڑھ لے گا اور کافر کو نظر نہ آئے گا۔

وہ چالیس دن میں حرمین طیبتین کے سوا، تمام روئے زمین کا گشت کرے گا۔ ان چالیس دنوں میں پہلا دن، ایک سوال کے برابر ہوگا۔ دوسرے دن مہینے بھر کے برابر اور تیسرا دن ایک ہفتہ کے برابر۔ اور باقی دن معمولی دنوں کے برابر چوبیس چوبیس گھنٹوں کے ہوں گے۔

اس مردود کا ظہور شام و عراق کے مابین ہوگا اور دعویٰ نبوت کرے گا۔ اس کے ساتھ ستر ہزار یہودیوں (اور بد دینوں بد مذہبوں) کی فوج ہوگی۔ پھر اصفہان میں آئے گا۔ اور خدائی دعویٰ کرے گا۔ اور بہت تیزی سے سیر کرے گا جیسے بادل جس کو ہوا اڑائے پھرتی ہو۔ اس کا فتنہ بہت شدید ہوگا۔ بہت سے عجائبات دکھائے گا۔ زمین سے سبزہ اگائے گا۔ آسمان سے مینہ برسائے گا اور مردے جلائے گا۔ اس کے ساتھ ایک باغ ہوگا اور ایک آگ۔ جن کا نام جنت دوزخ رکھے گا۔ جہاں جائے گا یہ بھی اس کے ہمراہ ہوں گی۔ مگر وہ جو دیکھنے میں جنت معلوم ہوگی وہ حقیقت میں آگ ہوگی اور جو جہنم دکھائی دے گا وہ واقع میں آرام و آسائش کی جگہ ہوگی۔

جو اس پر ایمان لائے گا اسے اپنی جنت میں داخل کرے گا اور جو انکار کرے گا اسے اپنی جہنم میں ڈال دے گا۔ جو لوگ اس کے ساتھ ہوں گے ان کے جانور لمبے چوڑے خوب تیار اور دودھ والے ہو جائیں گے۔ ویرانے میں جائے گا تو وہاں کے دفینے شہد کی مکھیوں کی طرح، دَل کے دَل اس کے ہمراہ ہو جائیں گے۔ اسی قسم کے بہت سے شعبدے دکھائے گا۔ اور حقیقت میں یہ سب جادو کے کرشمے ہوں گے اور شیاطین کے تماشے۔ جن کو واقعیت سے کچھ تعلق نہیں۔ اسی لئے اس کے وہاں سے جاتے ہی لوگوں کے پاس کچھ نہ رہے گا۔ جو اسے نہ مانیں گے ان کے پاس سے چلا جائے گا اور ان پر قحط ہو جائے گا۔ تہی دست، خالی دامن رہ جائیں گے۔ اس وقت میں مسلمانوں کی روٹی پانی کا کام ان کی تسبیح و تہلیل دے گی۔ یعنی وہ ذکر خدا کریں گے اور بھوک پیاس انہیں نہ ستائے گی۔

ایک مومن صالح اس کی طرف متوجہ ہوں گے اور ان سے دجال کے سپاہی کہیں گے "کیا تم ہمارے رب پر ایمان نہیں لاتے وہ کہیں گے "میرے رب کے دلائل چھپے ہوئے نہیں ہیں (تو میں کیوں اسے اپنا رب مانوں) پھر وہ انہیں پکڑ کر دجال کے پاس لے جائیں گے۔ یہ دجال کو دیکھ کر فرمائیں گے "اے لوگو! یہ وہی دجال ہے جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمادیا ہے۔" دجال کے حکم سے انہیں زدوکوب کیا جاتے گا۔ پھر دجال کہے گا۔ "کیا تم میرے اوپر ایمان نہیں لاتے؟ وہ فرمائیں گے

"تو مسیح کذاب ہے" دجال کے حکم سے ان کا جسم مبارک، سر سے پاؤں تک چیر کر دو ٹکڑے کر دیا جائے گا اور ان دونوں حصوں کے درمیان، دجال چلے گا۔ پھر کہے گا "اٹھ" تو وہ تندرست ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے۔ تب ان سے دجال کہے گا "تم مجھ پر ایمان لاتے ہو" وہ فرمائیں گے میری بصیرت اور زیادہ ہو گئی۔ اے لوگو! یہ دجال اب میرے بعد کسی کے ساتھ پھر ایسا نہیں کر سکتا۔ پھر دجال انہیں پکڑ کر ذبح کرنا چاہے گا۔ مگر اس پر قادر نہ ہو سکے گا۔ پھر ان کے دست و بازو پکڑ کر اپنی جہنم میں ڈال دے گا۔ لوگ گمان کریں گے کہ ان کو آگ میں ڈالا۔ مگر درحقیقت وہ آسائش کی جگہ ہوں گے۔

یہ دجال پھر یمن میں آئے گا اور وہاں سے مکہ معظمہ کا قصد کرے گا مگر اس کی حفاظت پر جو فرشتے مامور ہوں گے وہ اسے مکہ معظمہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ پھر مدینہ منورہ کا قصد کرے گا اور مدینہ طیبہ کے قریب اپنا ڈیرہ ڈال دے گا۔ مدینہ منورہ کے اس وقت سات دروازے ہوں گے اور ہر دروازے پر دو فرشتے حفاظت کے لیے موجود ہوں گے وہ اس کا منہ پھیر دیں گے وہاں بھی داخل نہ ہو سکے گا۔

البتہ مدینہ طیبہ میں تین زلزلے آئیں گے کہ وہاں جو لوگ بظاہر مسلمان بنے ہوں گے اور دل میں کافر ہوں گے اور وہ جو علم الٰہی میں، دجال پر ایمان لا کر کافر ہونے والے ہیں، ان زلزلوں کے خوف سے شہر سے باہر بھاگیں گے اور اس کے فتنہ میں مبتلا ہوں گے۔ مدینہ طیبہ کی طرف سے نامراد ہو کر، دجال اب ملک شام کی طرف کوچ کرے گا اور دمشق شہر پہنچے گا۔ اس وقت حضرت عیسٰی مسیح علیہ السلام، آسمان سے، جامع مسجد دمشق کے مشرقی منارہ پر، شریعت محمدیہ کے حاکم اور امام عادل و مجدد ملت ہو کر، نزول فرمائیں گے۔ صبح کا وقت ہو گا۔ نماز فجر کے لئے اقامت ہو چکی ہو گی۔ حضرت امام مہدی جو اس جماعت میں موجود ہوں گے۔ آپ سے امامت کی درخواست کریں گے حضرت عیسٰی علیہ السلام، حضرت امام مہدی کی پشت پر اپنا ہاتھ رکھ کر فرمائیں گے۔ آگے بڑھو اور نماز پڑھاؤ کہ تکبیر تمہارے ہی لئے ہوئی تھی۔ اور تعمیل ارشاد میں حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھائیں گے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام ان کی اقتدا میں نماز ادا فرمائیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ۔ کیسا حال ہو گا تمہارا جب تم میں ابن مریم نزول کریں گے اور تمہارا امام تمہیں میں سے ہو گا۔ یعنی اس وقت تمہاری خوشی اور تمہارا فخر بیان سے باہر ہے کہ روح اللہ

تم میں اتریں۔ تم میں رہیں تمہارے معین دیاور بنیں اور تمہارے امام مہدی کے پیچھے نماز پڑھیں۔
(بخاری و مسلم)

حضرت عیسٰی علیہ السلام سلام پھیر کر دروازہ کھلوائیں گے۔ اس طرف دجال ہوگا جس کے ساتھ ستر ہزار یہودی ہتھیار بند ہوں گے۔ لشکر اسلام، اس لشکر دجال پر حملہ کرے گا۔ گھمسان کا معرکہ ہوگا۔ جب دجال کی نظر حضرت عیسٰی علیہ السلام پر پڑے گی۔ وہ لعین حضرت عیسٰی علیہ السلام کی سانس کی خوشبو سے پگھلنا شروع ہوگا۔ جیسے پانی میں نمک گھلتا ہے اور آپ کے سانس کی خوشبو، حد بصر تک پہنچے گی۔ وہ بھاگے گا یہ تعاقب فرمائیں گے۔ اور دجال کو بیت المقدس میں، مقام لُد کے قریب۔ اس کی چھاتی پر نیزہ مار کر واصل جہنم فرمائیں گے پھر اس کے لشکر کو، کہ یہود و منافقین ہوں گے قتل فرمائیں گے

حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ظہور

حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ائمہ اثنا عشر (بارہ اماموں) میں آخری امام اور خلیفۃ اللہ ہیں۔ آپ کا اسم گرامی محمد، باپ کا نام عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ ہوگا وہ نسباً سید حَسَنی، حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالےٰ کی اولاد سے ہوں گے اور مادری رشتوں میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بھی کچھ علاقہ رکھیں گے جیسے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے رافضیوں کے رد میں فرمایا کہ کیا کوئی شخص اپنے باپ کو بھی برا کہتا ہے۔ ابوبکر صدیق دو بار میرے باپ ہوئے۔ یعنی دو طرح سے میرا نسب مادری حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کی خلافت ۷ یا ۸ یا ۹ سال ہوگی۔ اس کے بعد آپ کا وصال ہوگا اور حضرت عیسٰی علیہ السلام آپ کی نماز جنازہ پڑھائینگے۔

جب آثارِ صُغریٰ سب واقع ہو چکیں گے اس وقت نصاریٰ کا غلبہ ہوگا۔ روم و شام اور تمام ممالک اسلام، حرمین شریفین کے علاوہ، سب مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ تمام زمین فتنہ و فساد سے بھر جائے گی۔ سب جگہ کفر کا تسلّط ہوگا اس وقت تمام ابدال بلکہ تمام اولیاء، سب جگہ سے سمٹ کر حرمین شریفین کو ہجرت کر جائیں گے۔ صرف وہیں اسلام ہوگا اور ساری زمین کفرستان ہو جائے گی رمضان شریف کا مہینہ ہوگا۔ ابدال، طواف کعبہ میں مصروف ہوں گے۔ اور حضرت امام مہدی بھی وہاں موجود ہوں گے۔ عام لوگ انہیں نہ پہچان پائیں گے البتہ اولیاء انہیں پہچان لیں گے اور

ان سے درخواست بیعت کریں گے۔ آپ انکار فرمائیں گے۔ دفعتہً غیب سے ایک آواز آئے گی۔
هٰذَا خَلِيْفَةُ اللهِ الْمَهْدِيُّ فَاسْمَعُوْا لَهُ وَ اَطِيْعُوْهُ ۔ یہ اللہ کا خلیفہ مہدی ہے
اس کی بات سنو اور اس کا حکم مانو۔ تمام لوگ آپ کے دست مبارک پر بیعت کریں گے اور آپ وہاں
سے ان سب کو ہمراہ لے کر ملک شام کو تشریف لے جائیں گے۔ افواج اسلام کی خبر سن کر، نصاریٰ بھی
لشکر جرار لے کر، شام میں جمع ہو جائیں گے۔ اس وقت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لشکر تین حصوں
میں تقسیم ہو جائے گا ایک حصہ نصاریٰ کے خوف سے فرار ہو جائے گا جن کی موت کفر پر ہوگی۔ دوسرا
حصہ شہادت سے مشرف ہوگا اور یہ اللہ کے نزدیک بہترین شہداء ہوں گے۔ اور باقی ایک تہائی حصہ
چوتھے دن نصاریٰ پر فتح عظیم پائے گا۔

اس لڑائی میں مسلمانوں کے بہت سے ایسے خاندان ہوں گے جن میں فی صد، ایک بچا ہوگا
پھر فتحیاب حصہ قسطنطنیہ کو نصاریٰ سے چھین لے گا۔ ان جنگوں میں اتنے کافر مارے جائیں
گے کہ پرندہ اگر ان کی لاشوں کے ایک حصے سے اڑے تو دوسرے کنارے تک پہنچنے سے پہلے مر
کر گر جائے گا۔ جب اہل اسلام فتح قسطنطنیہ کے بعد غنیمتیں تقسیم کرتے ہوں گے تو ناگاہ شیطان
پکارے گا کہ تمہارے گھروں میں دجال آگیا۔ مسلمان پلٹیں گے اور دس سوار بطور طلیعہ خبر لانے
کے لئے بھیجیں گے جن کی نسبت صادق و مصدوق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "میں
ان کے نام، ان کے باپوں کے نام اور ان کے گھوڑوں کی رنگت پہچانتا ہوں اور وہ اس وقت روئے
زمین کے بہترین سواروں میں سے ہوں گے" مگر یہ افواہ غلط ثابت ہوگی۔ پھر جب لشکر اسلام قسطنطنیہ
سے روانہ ہو کر شام میں آئے گا تو اس جنگ عظیم سے ساتویں سال دجال ظاہر ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول فرمانا

جب دجال کا فتنہ انتہاء کو پہنچ چکے گا اور وہ ملعون تمام دنیا میں پھر کر ملک شام میں
جائے گا۔ جہاں تمام اہل عرب سمٹ کر پہلے ہی جمع ہو چکے ہوں گے، یہ خبیث ان سب کا
محاصرہ کر لے گا۔ اس وقت بیت المقدس میں ایک لاکھ عورتیں اور بائیس ہزار مرد جن کی محصور
ہوں گے کہ ناگاہ اس حالت میں۔ قلعہ بند مسلمانوں کو غیب سے آواز آئے گی کہ گھبراؤ نہیں

فریاد رس آپہنچا"، ناگاہ ایک ابر کی گھٹا ان پر چھا جائے گی صبح ہوتے کھلے گی تو دیکھیں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان میں تشریف فرما ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق کی مشرقی جانب، منارہ سپید کے پاس نزول فرمائیں گے دو کپڑے ورس وزعفران سے رنگے ہوتے پہنے، دو فرشتوں کے پروں پہ ہاتھ رکھے جب اپنا سر جھکائیں گے بالوں سے پانی ٹپکنے لگے گا اور جب سر اٹھائیں گے موتی سے جھڑنے لگیں گے۔ کسی کافر کو حلال نہیں کہ ان کے سانس کی خوشبو پائے اور مر نہ جائے۔ اور ان کا سانس وہاں تک پہنچے گا۔ جہاں تک ان کی نگاہ پہنچے گی۔ وہ دجال لعین کو تلاش کر کے بیت المقدس کے قریب، جو شہر لد ہے اس کے دروازے کے پاس اسے قتل فرمائیں گے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ حدیث شریف وارد کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ دجال لعین کے قتل پر کسی کو قدرت نہ دی گئی سوا عیسیٰ بن مریم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عہد مبارک بڑے امن وچین کا زمانہ ہوگا۔ آپ اصلاحات میں مشغول ہوں گے۔ اسلام پر، کافروں سے جہاد فرمائیں گے اور جزیہ کو موقوف کر دیں گے یعنی کافر سے سوا اسلام کے کچھ قبول نہ فرمائیں گے۔ صلیب توڑیں گے اور خنزیر کو نیست ونابود کر دیں گے۔ تمام اہل کتاب جو قتل سے بچیں گے سب ان پر ایمان لے آئیں گے۔ ان کے زمانہ میں اللہ عزوجل اسلام کے سوا سب دینوں کو اور مذہب اہل سنت کے سوا سب مذہبوں کو فنا کر دے گا۔ تمام جہاں میں ایک دین ہوگا دین اسلام اور ایک مذہب ہوگا، مذہب اہلسنت۔ آپ کے زمانہ میں مال کی کثرت ہوگی اور برکت میں افراط۔ ساری زمین عدل سے بھر جائے گی۔ یہاں تک کہ بھیڑیئے کے پہلو میں بکری بیٹھے گی اور وہ آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے گا اور بچے سانپ سے کھیلیں گے اور وہ انہیں مضرت نہ دے گا۔ نہ آپس میں مال کا لالچ رہے گا نہ حسد نہ کینہ۔

دجال لعین کے قتل کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوگا کہ مسلمانوں کو کوہ طور پر لے جاؤ اس لئے کہ کچھ ایسے لوگ ظاہر کئے جائیں گے جن سے لڑنے کی کسی میں طاقت نہیں چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مع تمام ہمراہیوں کے پہاڑ پر محصور ہو جائیں گے۔

یاجوج ماجوج کا خروج

یہ یافث بن نوح علیہ السلام کی اولاد سے فسادی گروہ ہیں قرآن کریم کی آیات کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بڑے شورہ پشت، شورش پسند پہاڑی قبیلے تھے جو آبادیاں ان کی تاخت و تاراج کی زد میں آتیں، ان کی طرف رخ کرتے، غارت گرانہ حملے کرتے اور انہیں تہ وبالا کر دیتے اور احادیث کریمہ سے یہ بات روشن ہے کہ وہ ربیع کے زمانہ میں نکلتے تھے تو کھیتیاں اور سبزے سب کھا جاتے تھے کچھ نہ چھوڑتے تھے۔ اور خشک چیزیں لاد کرلے جاتے تھے۔ آدمیوں، درندوں، وحشی جانوروں، اور سانپوں بچھوؤں تک کو کھا لیا کرتے تھے۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ ہمارے ناخنوں کی جگہ، ان کے ہاتھوں میں درندوں کے سے پنجے ہیں، اور شیر کے سے کیلے، اور اونٹ کے سے پاؤں" اور سارا بدن بالوں سے ڈھکا ہوا کہ انہیں سردی گرمی سے بچاتے ہیں ہر ایک کے دو بڑے بڑے کان، کہ ایک اوڑھتا ہے ایک بچھاتا ہے۔ ان کا نر نہیں مرتا، جب تک خاص اس کے نطفے سے ہزار بچے نہ ہولیں اور کوئی مادہ نہیں مرتی جب تک ہزار بچے نہ جن لے۔ کتوں کی طرح بھونکتے ہیں اور مرد و عورت جہاں مل گئے چوپاؤں کی طرح جفتی کرتے ہیں (چابک لیث بحوالہ ابن جریر وغیرہ)

حضرت ذوالقرنین جو بڑے دیندار، مومن صالح، اللہ کے مقبول بندے فاتح کشور کشا بڑے شوکت و اقتدار کے صاحب، تمام دنیا پر حکمران اور بڑے جلیل القدر فرمانروا تھے، اپنے شاہی ارادے اور منصوبوں کی تکمیل کے لئے جب جانب مشرق روانہ ہوئے اور منتہائے آبادی پر پہنچے تو وہاں آپ کا واسطہ ایک ایسی قوم سے پڑا جن کی زبان، تلفظ، لب و لہجہ سب، ذوالقرنین اور ان کے لشکریوں کے لئے اجنبی تھے اور ان کے ساتھ اشارہ وغیرہ کی مدد سے بہ مشقت بات کی جا سکتی تھی اور ساتھ ہی ایسی وحشی قوم کہ عمارتیں بنانا در کنار خیمے بنانا تک نہ جانتی تھی۔ انہوں نے آپ سے یاجوج ماجوج کی ہلاکت آفرینی، اور شورہ پشتی کی شکایت کر کے یہ درخواست کی کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک ایسی حد فاصل بنا دیں جسے توڑ کر یہ حملہ آور نہ آسکیں اور ہم ان کے شر و ایذا سے محفوظ رہیں۔

چنانچہ آپ نے بنیاد کھدوائی جب پانی تک پہنچی تو اس میں پتھر، پگھلائے ہوئے تانبے سے جمائے گئے اور لوہے کے تختے اوپر نیچے چن کر، ان کے درمیان لکڑی اور کوئلہ بھر کر، اس میں آگ دے دی۔ اس طرح یہ دیوار پہاڑ کی بلندی تک اونچی کر دی گئی اور دونوں پہاڑوں کے درمیان کوئی جگہ نہ چھوڑی گئی۔ اوپر سے پگھلایا ہوا تانبہ دیوار میں پلا دیا گیا یہ سب مل کر ایک سخت جسم بن گیا اور اس دیوار کی بلندی و استحکام کے باعث، ان وحشی و جنگجو قوموں کی تخت و تاراج سے امن ہو گیا اس کی چوڑائی ساٹھ گز ہے اور لمبائی ڈیڑھ سو فرسنگ (یعنی ۴۵۰ میل) (ایک فرسنگ ۳ میل۔ ایک میل چار ہزار گز اور ہر گز = ۲۴ انگل) ساتھ ہی حضرت ذوالقرنین نے یہ بھی فرما دیا فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكًّا۔ پھر جب میرے رب کا وعدہ آئے گا (اور یاجوج ماجوج کے خروج کا وقت آ پہنچے گا تو قرب قیامت) اسے پاش پاش کر دے گا۔

چنانچہ احادیث شریف میں ہے کہ وہ ہر صبح دیوار پر آ کر اسے چاٹتے ہیں (غالباً ان میں بہت سی زبانیں ایسی سخت ہوں گی کہ پھاوڑے سے زیادہ کام دیں اور جو ایسے نہیں وہ) پھاوڑوں سے کھودتے ہیں یہاں تک کہ اسے ایسا کر دیتے ہیں جیسے انڈے کا چھلکا۔ اور دن بھر محنت کرتے کرتے جب اس کے توڑنے کے قریب ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے دل میں گھبراہٹ ڈالتا ہے کہ خدا جانے ابھی کتنی ہو گی اور ان کے افسر کے دل میں ڈالتا ہے کہ وہ ان سے کہتا ہے "لوٹ چلو باقی کل توڑ ڈالیں گے"، اور انشاء اللہ نہیں کہتا۔ وہ رات بھر میں پھر ویسی کی ویسی ہی ہو جاتی ہے۔ ہمیشہ یہی حال رہے گا۔ جیسا اللہ عزوجل چاہے گا کہ اب یہ لوگوں پر نکلیں تو ان میں ایک مسلمان لڑکا پیدا ہو گا جو ان کا افسر ہو گا اور وہ افسر جب صبح چاٹنے آئیں گے کہے گا "بسم اللہ کہہ کر شروع کرو"، یہ بسم اللہ کہیں گے۔ جب شام کو پلٹتے وقت کہیں گے "کل آ کر کھول لیں گے وہ کہے گا "انشاء اللہ" کہو۔ یہ انشاء اللہ کہیں گے۔ اب جو صبح کو آئیں گے دیوار اتنی ہی رہی ہو گی جتنی کہ شام کو انڈے کا چھلکا سا (کہ اس میں سے دھوپ کی چمک انہیں نظر پڑے) چھوڑ گئے تھے۔ اب کھودیں گے اور دیوار کو کھول لیں گے اور پھر لوگوں پر خروج کریں گے۔

(حیاتِ لیث بحوالۂ مذکورہ)

سب میں پہلے ستر ہزار تاج پوش نکلیں گے پھر فوج در فوج نکلتے آئیں۔ یہ اس قدر کثیر ہوں گے کہ فرات و دجلہ جیسے دریا اور بحیرہ طبریہ (جس کا طول دس میل ہو گا اس پر گزریں گے تو اسے پی جائیں

گے۔ کچھ باقی نہ رہے گا۔ اس کا پانی پی کر یہ جماعت اس طرح سکھا دے گی کہ دوسری جماعت۔ بعد والی جب آئے گی تو اسے پانی کی جگہ کیچڑ ملے گی یہ اس کی کیچڑ چاٹ لے گی اور جب تیسرا گروہ آئے گا تو وہ کہے گا یہاں کبھی پانی نہ تھا۔ پھر یہ لوگ مور و ملخ کی طرح ہر طرف پھیل کر فتنہ و فساد برپا کریں گے اور جب دنیا میں قتل و غارت سے فرصت پائیں گے تو کہیں گے زمین والوں کو تو قتل کر لیا آؤ اب آسمان والوں کو قتل کریں۔ یہ کہہ کر تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے۔ خدا کی قدرت کہ ان کے تیر اوپر سے خون آلودہ گریں گے۔

یہ اپنی انہیں حرکتوں میں مشغول ہوں گے اور وہاں پہاڑ پر حضرت عیسٰی علیہ السلام مع اپنے ساتھیوں کے محصور ہوں گے یہاں تک کہ ان کے نزدیک، گائے کے سر کی، وہ وقعت ہو گی جو آج تمہارے نزدیک سو اشرفیوں کی نہیں۔

اس وقت حضرت عیسٰی علیہ السلام مع اپنے ہمراہیوں کے دعا فرمائیں گے اللہ تعالٰی ان کی گردنوں میں ایک قسم کے کیڑے نغف نام پیدا کر دے گا کہ ایک دم میں وہ سب کے سب مر جائیں گے۔ ان کے مرنے کے بعد حضرت عیسٰی علیہ السلام پہاڑ سے اتریں گے دیکھیں گے کہ تمام زمین ان کی لاشوں اور بدبو سے بھری پڑی ہے۔ ایک بالشت زمین بھی خالی نہیں۔ اس وقت حضرت عیسٰی علیہ السلام مع اپنے ہمراہیوں کے پھر دعا کریں گے اللہ تعالٰی ایک قسم کے پرندے بھیجے گا کہ وہ ان کی لاشوں کو جہاں اللہ چاہے گا پھینک آئیں گے اور ان کے تیر و کمان و ترکش کو مسلمان سات برس تک جلائیں گے۔ پھر اس کے بعد بارش ہو گی کہ زمین کو ہموار کر چھوڑے گی اور آسمان کو حکم ہو گا کہ اپنی برکات انڈیل دے۔ زمین کو حکم ملے گا کہ اپنی برکتیں اگل دے۔ پھر تو یہ حالت ہو گی کہ پتھر کی چٹان پر دانہ بکھیر دو تو کھیتی ہو جائے اور اتنے بڑے بڑے انار پیدا ہوں گے کہ ایک انار کو ایک جماعت کھائے گی۔ اور اس کے چھلکے کے سائے میں دس آدمی بیٹھیں گے۔ ایک بکری کے دودھ سے ایک قوم کا پیٹ بھرے گا۔ ایک گائے کا دودھ قبیلہ بھر کو کافی ہو گا اور ایک اونٹنی کا دودھ جماعت بھر کو کافی ہو گا۔

آپ کے عہد مبارک میں روئے زمین پر کوئی محتاج نہ ہو گا۔ یہاں تک کہ دینے والا اشرفیوں کے توڑے لئے پھرے گا اور کوئی اسے قبول نہ کرے گا۔ ہر طرح کا امن چین ہو گا۔ لالچ بغض حسد دنیا سے اٹھ جائے گا۔ شیر کے پہلو میں بکری چرے گی اور بھیڑیئے کی بغل میں بکری بیٹھے گی۔ سانپ

کو ہاتھ میں لے کر بچے کھیلیں گے اور کوئی کسی کو ضرر نہ پہنچائے گا۔ جبکہ روئے زمین کے تمام کفار مسلمان ہوں گے یا قتل کر دیئے جائیں گے۔ یوہیں یہودی گن گن کر موت کے گھاٹ اتار دیئے جائیں گے یہاں تک کہ پیڑ اور پتھر مسلمان سے کہیں گے کہ اے مسلمان آ۔ یہ میرے پیچھے یہودی ہے۔

غرض سوا دین اسلام کے تمام مذاہب یکسر نیست و نابود ہو جائیں گے۔ انہیں ایام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام روحا کے راستے سے حج یا عمرے کو جائیں گے اور مزار اقدس سید اطہر صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہو کر سلام کریں گے اور قبر انور سے جواب پائیں گے چالیس سال زمین میں اقامت دین، وحکومت عدل آئین فرماکر، وفات پائیں گے۔ مسلمان ان کی تجہیز کریں گے نہلائیں گے خوشبو لگائیں گے کفن دیں گے۔ نماز پڑھیں گے اور پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر میں، حضور کے پہلو میں آپ دفن کر دیئے جائیں گے۔ نزول کے بعد آپ شادی بھی کریں گے اور ان کی اولاد بھی ہو گی۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "روز قیامت میں اور وہ (عیسیٰ بن مریم) ایک ہی مقبرے سے اس طرح اٹھیں گے کہ ابوبکر و عمر، ہم دونوں کے دائیں بائیں ہوں گے رضی اللہ تعالیٰ عنہما

(الصارم الربانی)

مسئلہ ضروریہ:۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قرب قیامت آسمان سے نزول فرمانا دنیا میں دوبارہ تشریف فرما ہو کر، اس عہد کے مطابق جو اللہ عزوجل نے تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے لیا' دین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنا' یہ مسئلہ ضروریات مذہب اہل سنت وجماعت سے ہے جس کا منکر گمراہ خاسر بدمذہب فاجر ہے۔ اور جس طرح اس کا راسًا منکر گمراہ بالیقین ہے۔ یوہیں اس کا بدلنے والا اور نزول عیسیٰ بن مریم رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کسی زید وعمرو کے خروج پر ڈھالنے والا بھی ضال مضل بددین ہے کہ ارشاد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں نے تکذیب کی۔

تنبیہہ جلیل

قرآن مجید سے اتنا ثابت اور مسلمان کا ایمان کہ سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام، یہود عنود کے مکر و کید سے بچ کر آسمان پر تشریف لے گئے ان کے رب جل وعلا نے انہیں صاف سلامت

بچاکر آسمان پہ اٹھالیا اور ان کی صورت دوسرے پر ڈال دی کہ یہود ملاعنہ نے ان کے دھوکے میں اسے سولی دی۔ یہ ہم مسلمانوں کا عقیدہ قطعیہ یقینیہ ایمانیہ اور مسائل ضروریات دین سے ہے۔ جس کا منکر یقیناً کافر۔ رہا یہ کہ تشریف لے جانے سے پہلے زمین پر ان کی روح قبض کی گئی اور جسم یہیں چھوڑ کر صرف روح آسمان پر اٹھائی گئی یہ اہلسنت وجماعت کے مسئلہ قطعیہ یقینیہ کے سراسر خلاف۔ اس کا قول نہ کرے گا مگر گمراہ۔ مذہب مہذب اہلسنت وجماعت میں، اب تک ان پر موت طاری نہ ہوئی۔ زندہ ہی آسمان پر اٹھالئے گئے اور بعد نزول، دنیا میں سالہا سال، تشریف رکھ کر، اتمام نصرت اسلام فرمائیں گے اور پھر کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۔ کے ماتحت وفات پائیں گے۔ اس کے ثبوت کو اسی قدر کافی ووافی کہ رب جل وعلا نے فرمایا وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۔ جس کی تفسیر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمائی کہ "ہر کتابی، عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ضرور ان پر ایمان لانے والا ہے اور وہ" وہ یہود ونصاریٰ ہیں جو بعد نزول عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے زمانہ میں ہوں گے تو تمام روئے زمین پر صرف ایک دین ہوگا دین اسلام وبس (بخاری ومسلم) یہی تفسیر بسند صحیح دوسرے صحابی جلیل الشان ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی مروی اور یہی تفسیر امام حسن بصری سے مروی ہوئی۔ اور یہی، احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور یہی اجماع اہل حق ہے۔ اور اسی لئے امام شمس الدین ابو عبداللہ محمد ذہبی نے تجرید الصحابہ اور امام تاج الدین سبکی نے کتاب القواعد اور امام ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں، سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہمارے نبی اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں شمار کیا کہ وہ شب معراج، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دیدار سے بہرہ اندوز ہوئے ظاہر ہے کہ ان کی تخصیص اسی بنا پر ہے کہ انہیں یہ دولت، موت کے طاری ہونے سے قبل نصیب ہوئی۔ ورنہ شب معراج حضور کی زیارت کس نبی نے نہ کی۔ صلی اللہ تعالیٰ علیٰ نبینا سیدنا محمد و علیہم وبارک وسلم۔

امام سبکی نے اس مضمون کو ایک چیستاں (پہیلی) میں ادا فرمایا کہ "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت سے وہ کون ساجوان ہے جو بالاتفاق، تمام جہان کے حضرت افضل الصحابہ صدیق اکبر وفاروق اعظم وعثمان غنی وعلی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سب سے افضل ہے" اور اس کا جواب ہے۔

سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

بلکہ امام ذہبی کی عبارت میں یہ بھی تصریح ہے کہ "عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے صحابی ہیں جن کا انتقال، سب صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد ہوگا"۔

لہٰذا یہ بالیقین ثابت کہ وہ زندہ بیدار اٹھا لیے گئے نہ ان کا انتقال ہوا اور نہ اس وقت وہ سوتے تھے۔ قول صحیح یہی ہے۔ اور یہ کہ وہ عنقریب قیام قیامت سے پہلے ضرور نزول فرمائیں گے۔ رہا یہ سوال کہ کس وقت آسمان سے رجوع کریں گے اس کا جواب وہی ہے کہ ما المسئول عنھا باعلم من السائل۔ اتنا یقینی ہے کہ وہ وقت بہت قریب آپہنچا ہے کہ وہ آفتاب ہدایت وکمال۔ افق رحمت و جمال وقہر وجلال سے طلوع فرماکر اس زمین تیرہ وتار پر تجلی فرمائے اور ایک جھلک میں تمام کفر وبدعت نصرانیت، یہودیت، شرک، مجوسیت، نیچریت قادیانیت رفض وغیرھا اقسام ضلالت، سب کا سویرا کردے۔ تمام جہاں میں ایک دین اسلام ہو اور دین اسلام میں صرف ایک مذہب اہلسنت۔ باقی سب تہ تیغ۔ مگر تعیین وقت کہ آج سے کئی سال کے ماہ باقی ہیں نہ ہمیں بتائی گئی نہ ہم جان سکتے ہیں جس طرح قیامت کے آنے پر ہمارا ایمان ہے اور اس کا وقت معلوم نہیں (الصارم الربانی ملتقطاً)

تین خسف ہوں گے

یعنی آدمی زمین میں دھنس جائیں گے جیسے کوئی پانی میں غرق ہو جائے۔ ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں اور تیسرا جزیرۃ العرب میں، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے مابین "البیداء" میں۔ حدیث مرفوع میں ہے کہ اہل مکہ ایک خلیفہ راشد کے ہاتھوں پر اسلام کے لئے بیعت کریں گے تو ان پر ایک لشکر، جانب شام سے حملہ آور ہوگا وہ ابھی "البیداء" پر ہی ہوگا کہ زمین دھنس جائے گی اور وہ سب لشکر اسی سرزمین پر فنا ہو جائے گا۔

دھواں ظاہر ہوگا

جس سے زمین سے آسمان تک اندھیرا ہو جائے گا، مشرق سے مغرب تک تمام دنیا تاریک ہو جائے گی۔ یہ کیفیت چالیس روز رہے گی، یہ ایام مسلمانوں پر ایسے گزریں گے جیسے کسی کو زکام ہو

جائے اور آواز بیٹھ جائے اور کافروں پر ایک قسم کی بے ہوشی اور مستی سے طاری رہے گی۔

دَابَّۃُ الاَرض کا نکلنا

دابّۃ الارض، یہ ایک عجیب شکل کا چوپایہ ہوگا جو کوہ صفا سے برآمد ہوکر، تمام شہروں میں بہت جلد پھرے گا اور ایسی تیزی سے دورہ کرے گا کہ کوئی اسے پا نہ سکے گا اور کوئی بھاگنے والا اس سے بچ نہ سکے گا۔ وضاحت کے ساتھ کلام کرے گا اور بزبان فصیح کہیگا۔ ھٰذا مُؤمنٌ (یہ صاحب ایمان ہے) وھٰذا کافِرٌ (یہ کافر ہے) اس کے ایک ہاتھ میں حضرت موسٰی علیہ السلام کا عصا، اور دوسرے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری ہوگی۔ عصا سے ہر مسلمان کی پیشانی پر ایک نورانی خط کھینچے گا جس جس سے تمام چہرہ نورانی ہوجائے گا۔ اور انگشتری سے ہر کافر کی پیشانی پر سیاہ مہر لگائے گا۔ جس سے اس کا چہرہ سیاہ بے رونق ہوجائے گا۔ اس وقت تمام مسلم و کافر علانیہ ظاہر ہوں گے۔ یہ علامت کبھی نہ بدلے گی۔ جو کافر ہے ہرگز ایمان نہ لائے گا اور جو مسلمان ہے ہمیشہ ایمان پر ثابت قدم رہے گا۔

تشریح:۔ قرب قیامت، بہت سی عجیب و غریب چیزوں کا ظہور صحیح احادیث کریمہ سے ثابت ہے اور ایسی عجیب و غریب چیزوں کا یہ خاصہ ہے کہ وہ اپنے ظہور سے قبل سمجھ میں نہیں آتیں۔ ریل، تار ٹیلیفون، ریڈیو، وائرلیس وغیرہ تمام مادی ایجادیں ایسی ہیں جو پہلے سمجھ ہی میں نہیں آتی تھیں اور جب ظہور میں آگئیں اور انسانی احساس و شعور نے انہیں پالیا تو سمجھ میں بھی آگئیں۔ دابۃ الارض کا ذکر قرآن میں بھی ہے۔ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْاَرْضِ الآیۃ اور احادیث بیان فرماتی ہیں کہ اس کا ظہور انتہائی قرب قیامت کی علامات میں سے ہے یعنی اس کا ظہور بالکل آخر میں ہوگا اور الفاظ قرآنی بھی اسی معنی پر رہنمائی کرتے ہیں۔ یہ آخر ترین علامت اگر عجیب ترین بھی ہو تو اس میں عجب کیا ہے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

اور آیۂ کریمہ میں مِنَ الْاَرْضِ کا لفظ بہت قابل غور ہے۔ اس سے ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ اس حیوان کی پیدائش، عام حیوانات کی طرح بہ طریق توالد و تناسل نہ ہوگی بلکہ یہ از خود ہو جائے گا چنانچہ روایات میں ہے کہ آفتاب کے مغرب سے طلوع ہونے کے دوسرے روز، لوگ اسی کا چرچا کرتے ہوں گے کہ کوہ صفا زلزلہ سے پھٹ جائے گا اور یہ جانور نکلے گا۔ پہلے یمن میں، پھر نجد

میں ظاہر ہوکر غائب ہو جائے گا اور تیسری بار مکہ معظمہ میں کوہ صفا سے ظاہر ہوگا۔

مسلم شریف میں ہے کہ آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا اور ایک روز دن دہاڑے یہ جانور نکل آئے گا۔ ان میں سے جو نشانی بھی پہلے ہو وہ بہر حال دوسری سے قریب ہی ظاہر ہوگی۔" اور دوسری روایات میں ہے کہ قیامت کے قریب زمانے میں دجال کا خروج۔ دابۃ الارض کا ظہور، دخان، اور آفتاب کا مغرب سے طلوع۔ وہ نشانیاں ہیں جو یکے بعد دیگرے ظاہر ہوں گی۔"

رہا کسی جانور کا انسانوں سے، انسانی زبان میں کلام کرنا تو یہ بھی خدائے قدیر کی قدرت کا ایک کرشمہ ہے۔ وہ جس چیز کو چاہے نطق و گویائی کی طاقت بخش سکتا ہے۔ قیامت سے پہلے تو دابۃ الارض ہی کا بزبان فصیح گویا ہونا، اور کلام کرنا منقول ہے مگر جب قیامت قائم ہو جائے گی تو اللہ جل جلالہ کی عدالت میں خود انسانی اعضاء، گویا ہوکر، اس کی بدکاری کے گواہ ہوں گے۔ جس پر قرآن گواہ ہے۔

آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا

روزانہ آفتاب، بارگاہِ الٰہی میں سجدہ کر کے اِذنِ طلوع چاہتا ہے جب طلوع ہوتا ہے قرب قیامت جب حسب معمول، طلوع کی اجازت چاہے گا تو اجازت نہ ملے گی اور حکم ہوگا کہ واپس جا۔" وہ واپس ہو جائے گا۔ اور اس کے بعد ماہ ذی الحجہ میں یوم نحر کے بعد رات اس قدر طویل ہو جائے گی کہ بچے چلا اٹھیں گے۔ مسافر تنگدل اور مویشی چراگاہ کے لئے بے قرار ہوں گے۔ یہاں تک کہ لوگ بے چینی کی وجہ سے نالہ وزاری کریں گے اور توبہ توبہ پکاریں گے۔ آخر تین چار رات کی مقدار، دراز ہونے کے بعد، اضطراب کی حالت میں، آفتاب مغرب سے، چاند گرہن کی مانند، آب و تاب اور تیز روشنی سے محروم، تھوڑی روشنی کے ساتھ نکلے گا اور نصف آسمان تک آکر لوٹ جائے گا اور جانب مغرب غروب ہوگا۔ اس کے بعد بدستور سابق، مشرق سے طلوع کیا کرے گا۔

تشریح:۔ قرآن کریم کا ارشاد گرامی ہے هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ الآیہ۔ (توحید و رسالت اور بعث پر ایمان نہ لانے والے) کاہے کے انتظار میں ہیں۔ مگر یہ کہ آئیں ان کے پاس فرشتے (ان کی ارواح قبض کرنے کے لیے) یا تمہارے رب کا عذاب یا تمہارے رب کی ایک نشانی آئے (قیامت کی نشانیوں میں سے)

جس دن تمہارے رب کی وہ نشانی آئے گی، کسی جان کو ایمان لانا کام نہ دے گا، جو پہلے ایمان نہ لائی تھی یا اپنے ایمان میں کوئی بھلائی نہ کمائی تھی۔

جمہور مفسرین کے نزدیک "رب کی اس نشانی" سے آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا مراد ہے۔ ترمذی کی حدیث میں بھی ایسا ہی وارد ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک آفتاب مغرب سے طلوع نہ کرے۔ اور جب وہ مغرب سے طلوع کرے گا اور اسے لوگ دیکھیں گے تو سب ایمان لائیں گے اور یہ ایمان نفع نہ دے گا۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ قیامت کی ہولناک علامتوں کے مشاہدے سے، عالم غیب شروع ہوگیا تو ایمان اختیاری اب باقی ہی کہاں رہا۔ یہ تو ایمان اضطراری ہوا اور ایمان اضطراری معتبر نہیں۔ جیسا کہ نزع و سکرات، کے موت، فرشتوں کو دیکھ کر ایمان کا دم بھرنا کہ شرعاً مقبول و معتبر نہیں تو آفتاب کا مغرب سے طلوع کرنا بھی انہیں نشانیوں میں سے ہے جنہیں دیکھ لینے کے بعد اگر کوئی کافر اپنے کفر سے توبہ کر کے ایمان لے آئے تو اس کا ایمان لانا بے معنی ہے۔ اس لئے کہ ایمان کی قدر و قیمت اور اس کا اعتبار و قبول تو اسی وقت تک ہے جب تک حقیقت پردے میں ہے۔ مہلت کی رسی دراز نظر آرہی ہے اور دنیا اپنی تمام تر آرائشوں آسائشوں اور متاع غرور کے ساتھ آنکھ میں بس رہی ہے اور جب پردے اٹھ جائیں گے اور غیب، شہادت میں بدل جائے گا تو ایمان بالغیب کہاں رہا۔

تنبیہ جلیل

مغرب سے طلوع آفتاب کو، ہیئت و فلکیات کے کسی قاعدے کے ماتحت محال قرار دینا بجائے خود ایک جہالت ہے۔ ہیئت و فلکیات کے تو جتنے بھی قوانین ہیں، سب موجودہ نظام تکوینی ہی کے ماتحت ہیں۔ لیکن جب خود یہ نظام ہی شکست کھا جائے گا تو اس کے کسی مخصوص جزئیہ کے باقی رہ جانے پر اصرار سراسر بے معنی ہے (ماخوذ)

(۹) توبہ کا دروازہ بند ہونا

آفتاب کے مغرب سے طلوع ہوتے ہی توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ کسی کافر کا اسلام لانا

اور کسی نافرمان و بدکار کو اپنی نافرمانیوں اور بدکاریوں سے باز آکر، اطاعت، گزار بن جانا بارگاہ الہٰی میں مقبول نہ ہوگا۔ جیسا کہ ابھی گذرا۔

(۱۰) آگ کا نمودار ہونا

ان تمام علامات کے وقوع پر آجانے کے بعد، یمن کی طرف سے ایک آگ نمودار ہوگی جو لوگوں کو سمیٹ کر، سرزمین شام کی طرف ہانکتی لے جائے گی۔ جب شام کے وقت لوگ ٹھہر جایا کریں گے۔ یہ بھی ٹھہر جایا کرے گی اور جب آفتاب، بلند ہوگا یہ آگ پھر ان کے پیچھے پیچھے چلے گی یہاں تک کہ لوگ جب میدان حشر میں پہنچ جائیں گے یہ غائب ہو جائے گی۔

اور اب حشر و نشر کا سلسلہ قائم ہوگا۔

اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ کُلِّ بَلَاءِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاسْتُرْنَا بِسِتْرِکَ الْجَمِیْلِ آمین

عالم آخرت کے کچھ تفصیلی اشارے

(۱) قیام قیامت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات شریف کے بعد جب قیام قیامت کو وقت چالیس رہ جائیں گے۔ ایک خوشبودار ٹھنڈی ہوا چلے گی جو لوگوں کی بغل کے نیچے سے نکلیں گی جس کا اثر یہ ہوگا کہ مسلمان کی روح قبض ہوجائے گی اگرچہ وہ کسی پہاڑ کی گھاٹی میں موجود ہو۔ یہاں تک کہ کوئی اہل ایمان اہل خیر سے روئے زمین پر باقی نہ رہے گا۔ کافر ہی کافر رہ جائیں گے جو فسق وفجور اور نفسانی خواہشات کی تکمیل میں بڑے سبک بڑے تیز رو۔ اور ظلم وخون ریزی میں درندوں کے مانند ہوں گے۔ ان کی نگاہوں میں نہ نیکی نیکی ہوگی نہ برائی برائی۔ کفار حبشہ کا غلبہ ہوگا اور انہیں کی حکومت۔ انہیں کا قبضہ۔ حتی کہ وہ خانہ کعبہ کو ڈھادیں گے۔ خداترسی اور حیاء وشرم اٹھ جائے گی۔ حکام کا ظلم رعیت پر۔ اور رعایا کی ایک دوسرے پر دست درازی رفتہ رفتہ بڑھ جائے گی۔ عوام وخواص میں باغوائے شیطان بت پرستی عام ہوجائے گی۔ قحط ووبا کا ظہور ہوگا۔ اس وقت ملک شام میں کچھ ارزانی وامن ہوگا۔ دیگر ممالک کے لوگ اہل وعیال سمیت شام کو روانہ ہوں گے۔ اسی اثناء میں ایک بڑی آگ جنوب سے نمودار ہوگی۔ وہ ان کا تعاقب کرے گی یہاں تک کہ وہ شام میں پہنچ جائیں گے اور وہ آگ غائب ہوجائے گی۔

یہ چالیس سال کا زمانہ ایسا گزرے گا کہ اس میں کسی کے اولاد نہ ہوگی یعنی چالیس سال سے کم کا کوئی نہ ہوگا۔ دنیا میں کافر ہی کافر ہوں گے اللہ کہنے والا کوئی نہ ہوگا۔ کوئی اپنی دیوار لیپتا ہوگا کوئی کھانا کھاتا ہوگا۔ غرض لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوں گے کہ دفعۃً جمعہ کے روز جو یوم عاشورا بھی ہوگا۔ اسرافیل علیہ السلام کو سور پھونکنے کا حکم ہوگا اور کافروں پر قیامت ہوگی۔

ایک عجوبہ

امام الوہابیہ کا اقراری کفر

رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے ایک حدیث میں ختم دنیا کا حال

ارشاد فرمایا ہے کہ زمانہ فنا نہ ہوگا جب تک لات و عزّیٰ دو بڑے بتوں، کی پھر پرستش نہ ہو اور وہ یوں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا جو ساری دنیا سے مسلمانوں کو اٹھا لے گی۔ جس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہوگا وہ اٹھا لیا جائے گا۔ جب زمین میں نرے کافر رہ جائیں گے پھر بتوں کی پوجا بدستور شروع ہو جائے گی۔ تقویۃ الایمان مطبع فاروقی دہلی ۱۲۹۳ھ صفحہ ۴۴ پر یہ حدیث نقل کی اور خود اس کا ترجمہ کیا کہ "پھر بھیجے گا اللہ ایک باؤ اچھی، سو جان نکال لے گی جس کے دل میں ہوگا۔ ایک رائی کے دانے کے برابر ایمان۔ سو رہ جائیں گے وہی لوگ کہ جن میں کچھ بھلائی نہیں۔ سو پھر جائیں گے اپنے باپ دادوں کے دین پر۔" حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی صراحۃً ارشاد فرمادیا تھا کہ وہ ہوا، خروج دجال لعین و نزول عیسیٰ مسیح علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بعد آئے گی۔ تقویۃ الایمان میں حدیث کے یہ لفظ بھی خود نقل کئے اور اس کا ترجمہ کیا صفحہ ۴۵ "نکلے گا دجال، سو بھیجے گا اللہ، عیسیٰ بیٹے مریم کو۔ سو وہ ڈھونڈیگا اس کو۔ تباہ کر دے گا اس کو۔ پھر بھیجے گا اللہ ایک باؤ ٹھنڈی، شام کی طرف سے۔ سو نہ باقی رہے گا زمین پر کوئی۔ کہ اس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو مگر کہ مار ڈالے گی اسکو" بایں ہمہ حدیث مذکور لکھ کر اسی صفحہ پر صاف لکھ دیا "سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا۔"

اب نہ خروج دجال کی حاجت رہی۔ نہ نزول مسیح کی ضرورت۔ بلکہ ان کے نصیبوں کے لئے وہ ہوا بھی چل گئی۔ تمام مسلمانوں کو کافر مشرک بنانے کے لئے ختم دنیا کی حدیث، صاف صاف اپنے زمانہ موجودہ پر جمادی اور کچھ پرواہ نہ کی کہ جب یہ وہی زمانہ ہے جس کی اس حدیث نے خبر دی اور وہ ہوا چل چکی اور جس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان تھا مر گیا۔ اب تمام دنیا میں نرے کافر ہی کافر رہ گئے ہیں تو یہ شخص خود اور اس کے سارے پیرو، کیا دنیا کے پردے سے کہیں الگ بستے ہیں۔ تو یہ خود اپنے اقرار سے ٹھیٹ کافر پکے بت پرست ہیں۔ اور یہ خود ان کا اقراری کفر تھا اور ہے کہ جو اپنے کفر و الحاد کا اقرار کرے وہ کافر ہے اگرچہ کہے کہ میں نہ جانتا تھا۔" (الکوکبۃ الشہابیہ)

(۲) نفخۂ اُولیٰ

قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے مَا يَنظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ الآیۃ۔

"اور راہ نہیں دیکھتے (منکرین قیامت) مگر ایک چیخ کی، کہ انہیں آلے گی جب وہ دنیا کے جھگڑے میں

پھنسے ہوں گے۔ تو نہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر پلٹ کر جائیں (قیامت فرصت ومہلت نہ دے گی)"

آیۂ کریمہ میں قیامت کے فوری اور ناگہانی وقوع اور اس کی ہولناکیوں کا بیان ہے۔ اور مراد صَیْحَۃً وَّاحِدَۃً (ایک چیخ) سے، صور کا نفخۂ اُولیٰ (پہلی بار پھونکنا) ہے جو حضرت اسرافیل علیہ السلام پھونکیں گے۔ لوگ خرید وفروخت میں، کھانے پینے میں، اور بازاروں مجلسوں میں، دنیا کے کاموں میں پھنسے ہوں گے پورے اطمینان کے ساتھ اپنی دنیا کے کاروبار چلا رہے ہوں گے اور ان کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ ہوگی کہ دنیا کے خاتمے کی گھڑی آپہنچی ہے۔ اسی حالت میں اچانک ایک زور کا کڑاکا ہوگا اور جو جہاں تھا وہیں دھرا کا دھرا رہ جائے گا۔ یہاں تک کہ لقمہ اٹھا کر منہ تک لے جانے کی بھی مہلت نہ ملے گی۔

حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "خریدار اور بائع کے درمیان کپڑا پھیلا ہوگا۔ نہ سودا تمام ہونے پائے گا نہ کپڑا لپیٹ سکے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی یعنی لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوں گے اور وہ کام ویسے ہی ناتمام رہ جائیں گے۔ نہ انہیں خود پورا کر سکیں گے نہ کسی دوسرے سے پورا کرنے کو کہہ سکیں گے اور جو گھر سے باہر گئے ہوں گے وہ واپس نہ آسکیں گے وہیں مر جائیں گے اور قیامت فرصت ومہلت نہ دے گی۔

حدیث شریف میں ہے کہ اسرافیل، صور پر منہ رکھے، عرش کی طرف دیکھ رہے ہیں اور گوش برآواز منتظر ہیں کہ کب نفخ صور (صور میں پھونک مارنے) کا حکم ہوتا ہے۔"

عقیدہ:۔ اسی حالت میں حضرت اسرافیل علیہ السلام بحکم الٰہی صور پھونکیں گے۔ شروع شروع میں اس کی آواز بہت باریک ہوگی اور رفتہ رفتہ بہت تیز اور بلند ہوتی جائے گی۔ لوگ کان لگا کر اس کی آواز سنیں گے اور بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے اور مر جائیں گے، آسمان زمین پہاڑ۔ سارا عالم کائنات جو اس وقت تک آباد ہوگا صور کی پہلی آواز پر یوں ہلاک وبرباد ہونا شروع ہوگا کہ بڑی سے بڑی مضبوط ومستحکم موجودات درہم برہم اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گی یہاں تک کہ صور اور اسرافیل اور تمام ملائکہ فنا ہو جائیں گے۔ اس وقت سوا اس واحد حقیقی کے کوئی نہ ہوگا وہ فرمائے گا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ آج اس کی بادشاہت ہے؟ کہاں ہیں جبارین؟ کہاں ہیں متکبرین؟ مگر ہے کون جو جواب

دے پھر خود ہی فرمائے گا لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ صرف اللہ واحد قہار کی سلطنت ہے۔

تشریح:۔ جمہور اہلسنت کا مسلک یہ ہے کہ ملائکہ اجسام لطیفہ ہیں جن سے نفوس شریفہ متعلق ہیں اور احادیث کریمہ سے ثابت کہ بے شمار فرشتے جو روزانہ بنتے ہیں قیامت تک زندہ رہیں گے اور اصلاً کسی حدیث سے یہ ثابت نہ ہوا کہ کسی فرشتے کو موت لاحق ہوئی ہو۔ یونہیں ملائکہ مقربین کا روز قیامت تک زندہ رہنا معلوم و ثابت ہے بلکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے صاف ظاہر ہے کہ آیۂ کریمہ کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ کے نزول تک فرشتے اپنی موت سے خبردار ہی نہ تھے کہ ہمیں بھی موت ہوگی۔ لہذا ظاہر یہی ہے کہ ملائکہ کے لئے قیامت سے پہلے موت نہیں۔

رہا روز قیامت ان کی موت کا حال۔ تو بیہقی و فریابی نے بروایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک حدیث میں تفصیلاً ان کی کیفیت موت روایت کی ہے کہ جب سب فنا ہو جائیں گے (اور ملک الموت مسلمانوں اور فرشتوں کی روحیں قبض کرلیں گے اور) جبرائیل و میکائیل و ملک الموت باقی رہ جائیں گے رب تبارک و تعالیٰ کہ دانا تر ہے ارشاد فرمائے گا "اے ملک الموت! اب کون باقی ہے؟ عرض کریں گے "باقی ہے تیرا وجہ کریم کہ ہمیشہ رہے گا اور تیرے بندے جبرائیل و میکائیل و ملک الموت"۔ حکم ہوگا "میکائیل کی روح قبض کر"۔ وہ عظیم پہاڑ کی طرح گریں گے۔ پھر فرمائے گا اور وہ خوب جانتا ہے "اب کون باقی ہے؟ عرض کریں گے "تیرا وجہ کریم کہ ہمیشہ رہے گا۔ اور تیرے بندے جبرائیل و ملک الموت"۔ فرمائے گا "جبرائیل کی روح قبض کر"۔ وہ اپنے پر پھڑپھڑاتے ہوئے سجدے میں گر جائیں گے۔ پھر فرمائے گا اور وہ خوب جانتا ہے "اب کون رہا" عرض کریں گے "تیرا وجہ کریم کہ ہمیشہ رہے گا اور تیرا بندہ ملک الموت کہ وہ بھی مرے گا" فرمائے گا "مُتْ۔ مرجا"۔ وہ بھی مرجائیں گے۔ پھر فرمائے گا ابتداء میں میں نے خلق بنائی اور میں پھر اسے زندہ کروں گا۔ کہاں ہیں سلاطین مغرور؟ جو ملک کا دعویٰ کرتے تھے۔ کوئی جواب دینے والا نہ ہوگا خود فرمائے گا لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ آج بادشاہی ہے اللہ غالب کی"۔

اور یہ جو کہا گیا کہ صور کی آواز جب دمبدم بلند ہوگی تو لوگ اسے سن کر بے ہوش ہو جائیں گے اور جیسا کہ خود قرآن عظیم میں فرمایا گیا فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

(اور صور پھونکا جائے گا تو بے ہوش ہو جائیں گے جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں)

تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس نفخۂ اولیٰ سے جو بے ہوشی طاری ہو گی اس کا یہ اثر ہو گا کہ ملائکہ اور زمین والوں میں سے اس وقت تک جو لوگ زندہ ہوں گے جن پر موت نہ آئی ہو گی وہ اس سے مر جائیں گے اور جن پر موت وارد ہو چکی پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں حیات عنائت کی اور وہ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں جیسے کہ انبیاء و شہداء، ان پر اس نفخہ سے بے ہوشی کی سی کیفیت طاری ہو گی۔ اور جو لوگ قبروں میں پڑے ہیں انہیں اس نفخہ کا شعور بھی نہ ہو گا (خزائن العرفان)

(۳) نفخۂ ثانیہ

عقیدہ:۔ ساری کائنات کے فنا ہو جانے کے بعد، پھر جب اللہ تعالیٰ چاہے گا اسرافیل کو زندہ فرمائے گا اور صور کو پیدا کر کے، دوبارہ پھونکنے کا حکم دے گا۔ صور پھونکتے ہی تمام اولین و آخرین، ملائکہ، انس و جن و حیوانات موجود ہو جائیں گے۔

تشریح:۔ اول حاملان عرش، پھر جبرئیل، پھر میکائیل پھر عزرائیل علیہم السلام جی اٹھیں گے پھر از سر نو، زمین، آسمان اور چاند سورج موجود ہو جائیں گے۔ پھر ایک مینہ برسے گا جس سے سبزہ کے مثل، زمین کا ہر ذی روح، جسم کے ساتھ زندہ ہو گا۔ سب سے پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قبر اطہر سے یوں برآمد ہوں گے کہ آپ کے ساتھ ساتھ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اور ان دونوں حضرات علیہ کے دائیں بائیں ابوبکر و عمر ہوں گے رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کے دائیں ہاتھ میں صدیق اکبر رضہ کا ہاتھ ہو گا اور بائیں ہاتھ میں فاروق اعظم کا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما پھر مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ کے مقابر میں جتنے مسلمان دفن ہیں سب کو اپنے ہمراہ لے کر میدان حشر میں تشریف لے جائیں گے۔

عقیدہ:۔ قیامت کے دن لوگ اپنی اپنی قبروں سے، ننگے بدن ننگے پاؤں اور ناختنہ شدہ اٹھیں گے۔ کوئی پیدل کوئی سوار۔ اور ان میں بعض تنہا سوار ہوں گے۔ اور کسی سواری پر دو۔ کسی پر تین۔ کسی پر چار اور کسی پر دس ہوں گے۔ کافر منہ کے بل چلتا ہوا میدان حشر کو جائے گا۔ کسی کو ملائکہ گھسیٹ کر لے جائیں گے۔ کسی کو آگ جمع کرے گی۔ یہ میدان حشر، ملک شام کی زمین

پر قائم ہوگا۔ زمین ایسی ہموار ہوگی کہ اس کنارہ پہ رائی کا دانا گر جائے تو دوسرے کنارے سے دکھائی دے۔ اس دن زمین تانبے کی ہوگی اور آفتاب ایک میل کے فاصلہ پہ ہوگا۔ راوی حدیث نے فرمایا "معلوم نہیں میل سے مراد سرمہ کی سلائی ہے یا میل مسافت"۔ اگر میل مسافت بھی ہو تو کیا بہت فاصلہ ہے۔

سورج اب چار ہزار برس کی راہ کے فاصلہ پر ہے اور اس طرف اس کی پیٹھ ہے پھر بھی جب سر کے مقابل آجاتا ہے گھر سے باہر نکلنا دشوار ہو جاتا ہے۔ اس وقت کہ ایک میل کے فاصلہ پر ہوگا اور اس کا منہ اس طرف کو ہوگا تپش اور گرمی کا کیا پوچھنا۔ اور اب مٹی کی زمین ہے مگر گرمیوں کی دھوپ میں، زمین پر پاؤں نہیں رکھا جاتا۔ اس وقت جب زمین تانبے کی ہوگی اور آفتاب کا اتنا قرب ہوگا اس کی تپش کون بیان کر سکے۔ اللہ پناہ میں رکھے۔ بھیجے کھولتے ہوں گے پیاس کی وہ شدت ہوگی کہ خدا نہ دکھلائے۔ گرمی وہ قیامت کی کہ اللہ بچائے بانسوں پسینہ زمین میں جذب ہو کر اوپر چڑھے گا یہاں تک کہ گلے گلے سے بھی اونچا ہوگا۔ جہاز چھوڑیں تو بہنے لگیں۔ لوگ اس میں غوطے کھائیں گے گھبرا گھبرا کر دل حلق میں آجائیں گے اور زبانیں پیاس سے باہر نکل آئیں گی۔

پھر باوجود ان مصیبتوں کے کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا۔ بھائی سے بھائی بھاگے گا۔ ماں باپ اولاد سے پیچھا چھڑائیں گے۔ بی بی بچے الگ جان چرائیں گے۔ ہر ایک اپنی اپنی مصیبت میں گرفتار۔ کون کس کا مددگار ہوگا۔ لوگ انبیائے کرام کے پاس حاضر ہوں گے لیکن کار برآری نہ ہوگی اور آخر میں دستگیر بیکساں حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نیازمندوں اور امیدواروں کی شفاعت فرمائیں گے۔

خلاصہ احادیث شفاعت

روز قیامت اللہ تعالیٰ اولین و آخرین کو ایک میدان وسیع و ہموار میں جمع کرے گا کہ سب دیکھنے والے کے پیش نظر ہوں اور پکارنے والے کی آواز سنیں۔ دن طویل ہوگا اور آفتاب کو اس روز، دس برس کی گرمی دیں گے۔ پھر لوگوں کے سروں سے نزدیک کریں گے۔ یہاں تک کہ بقدر دو کمانوں کے فرق رہ جائے گا۔ پسینے آنے شروع ہوں گے۔ قد آدم پسینہ تو زمین میں جذب ہو جائے گا۔ پھر

اوپر چڑھنا شروع ہوگا یہاں تک کہ آدمی غوطے کھانے لگیں گے اور غڑپ غڑپ کریں گے جیسے کوئی ڈبکیاں لیتا ہے۔ قرب آفتاب سے غم وکرب اس درجہ کو پہنچے گا کہ طاقت طاق ہوگی۔ تاب تحمل باقی نہ رہے گی۔ رہ رہ کر گھبراہٹیں لوگوں کو اٹھیں گی۔ آپس میں کہیں گے دیکھتے نہیں تم کس آفت میں ہو۔ کس حال کو پہنچے کوئی ایسا کیوں نہیں ڈھونڈتے جو رب کے پاس شفاعت کرے کہ ہمیں اس مکان سے نجات دے۔

پھر خود ہی تجویز کریں گے کہ آدم علیہ السلام ہمارے ماں باپ ہیں ان کے پاس چلنا چاہیئے پس آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جائیں گے اور پسینہ کی وہی حالت ہے کہ منہ میں لگام کی طرح ہوا چاہتا ہے۔ عرض کریں گے "اے باپ ہمارے! اے آدم! آپ ابو البشر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دست قدرت سے بنایا اور اپنی روح آپ میں ڈالی اور اپنے ملائکہ سے آپ کو سجدہ کرایا اور اپنی جنت میں آپ کو رکھا۔ اور سب چیزوں کے نام آپ کو سکھلائے اور آپ کو اپنا صفی کیا آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیوں نہیں کرتے کہ ہمیں اس مکان سے نجات دے۔ آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس آفت میں ہیں اور کس حال کو پہنچے"۔

آدم علیہ السلام فرمائیں گے "میں اس قابل نہیں" مجھے آج اپنی جان کے سوا کسی کی فکر نہیں۔ آج میرے رب نے وہ غضب فرمایا ہے کہ نہ ایسا پہلے کبھی کیا نہ آئندہ کبھی کرے۔ مجھے اپنی جان کی فکر ہے۔ مجھے اپنی جان کا خوف ہے تم اور کسی کے پاس جاؤ"۔ عرض کریں گے پھر آپ ہمیں کس کے پاس بھیجتے ہیں"۔ فرمائیں گے "اپنے پدر ثانی نوح کے پاس جاؤ کہ وہ پہلے نبی ہیں جنہیں اللہ تعالےٰ نے زمین پر بھیجا۔ وہ خدا کے شاکر بندے ہیں"۔

لوگ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے "اے نوح! اے نبی اللہ! آپ اہل زمین کی طرف پہلے رسول ہیں۔ اللہ نے آپ کا نام "عبد شکور" رکھا۔ اور آپ کو برگزیدہ کیا اور آپ کی دعا قبول فرمائی کہ زمین پر کسی کافر کا نشان نہ رکھا۔ آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس بلا میں ہیں آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس حال کو پہنچے۔ آپ اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کیوں نہیں کرتے کہ ہمارا فیصلہ کردے"۔

نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے "میں اس قابل نہیں۔ یہ کام مجھ سے نہ نکلے گا۔ آج مجھے

اپنی جان کے سوا کسی کی فکر نہیں۔" میرے رب نے آج وہ غضب فرمایا ہے جو نہ اس سے پہلے کیا اور نہ اس کے بعد کرے۔ مجھے اپنی جان کی فکر ہے۔ مجھے اپنی جان کا کھٹکا ہے۔ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ تم کسی اور کے پاس جاؤ۔" عرض کریں گے "پھر آپ ہمیں کس کے پاس بھیجتے ہیں۔ فرمائیں گے خلیل الرحمٰن ابراہیم کے پاس جاؤ کہ اللہ نے انہیں اپنا دوست کیا ہے۔" لوگ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حاضر ہوں گے۔ عرض کریں گے "اے خلیل الرحمٰن! اے ابراہیم! آپ اللہ کے نبی اور اہل زمین میں اس کے خلیل ہیں۔ آپ اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کیجیے کہ ہمارا فیصلہ کر دے آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس مصیبت میں گرفتار ہیں آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس حال کو پہنچے۔"

ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے "میں اس قابل نہیں۔ یہ کام میرے کرنے کا نہیں آج مجھے بس اپنی جان کا تردد ہے تم کسی اور کے پاس جاؤ۔" عرض کریں گے "پھر آپ ہمیں کس کے پاس بھیجتے ہیں۔" فرمائیں گے "تم موسیٰ کے پاس جاؤ وہ بندہ جسے خدا نے توراۃ دی اور اس سے کلام فرمایا۔ اور اپنا رازدار بنا کر قرب بخشا اور اپنی رسالت دے کر برگزیدہ کیا۔"

لوگ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حاضر ہو کر عرض کریں گے۔ اے موسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی رسالتوں اور اپنے کلام سے لوگوں پر فضیلت بخشی۔ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجیے۔ آپ دیکھتے نہیں ہم کس حال کو پہنچے۔ آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس صدمہ میں ہے۔" موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے "میں اس لائق نہیں۔ یہ کام مجھ سے نہ ہوگا۔ مجھے آج اپنے سوا دوسرے کی فکر نہیں میرے رب نے آج وہ غضب فرمایا ہے کہ ایسا کبھی نہ کیا تھا اور نہ کبھی کرے۔ مجھے اپنی جان کی فکر ہے۔ مجھے اپنی جان کا خیال ہے۔ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ تم کسی اور کے پاس جاؤ۔" عرض کریں گے۔ "پھر آپ ہمیں کس کے پاس بھیجتے ہیں۔" فرمائیں گے "تم عیسیٰ کے پاس جاؤ۔ وہ اللہ کے بندے ہیں اور اس کے رسول۔ اور اس کے کلمہ۔ اور اس کی روح کہ مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتے اور مردے جلاتے تھے۔"

لوگ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حاضر ہو کر عرض کریں گے "اے عیسیٰ! آپ اللہ کے رسول اور اس کے وہ کلمہ ہیں کہ اس نے مریم کی طرف القاء فرمایا۔ اور اس کی طرف کی روح ہیں۔ آپ نے گہوارے میں لوگوں سے کلام کیا۔ اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کیجیے کہ وہ ہمارا فیصلہ

فرمادے۔ آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس اندوہ میں ہیں۔ آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس حال کو پہنچے۔" مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے:" میں اس لائق نہیں۔ یہ کام مجھ سے نہ نکلے گا۔ آج مجھے اپنی جان کے سوا کسی کا غم نہیں۔ میرے رب نے آج وہ غضب فرمایا ہے کہ نہ کبھی ایسا کیا نہ کرے۔ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ مجھے اپنی جان کا غم ہے۔ مجھے اپنی جان کا سوچ ہے۔ تم اور کسی کے پاس جاؤ"

عرض کریں گے" پھر آپ ہمیں کس کے پاس بھیجتے ہیں؟ فرمائیں گے:" تم اس بندے کے پاس جاؤ جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے فتح رکھی ہے۔ اور آج کے دن بے خوف و مطمئن ہے۔ اس کی طرف چلو جو تمام بنی آدم کا سردار اور سب سے پہلے زمین سے باہر تشریف لانے والا ہے تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ بھلا کسی سربمہر ظرف میں کوئی متاع ہو۔ اس کے اندر کی چیز بے مہر اٹھائے مل سکتی ہے؟ لوگ عرض کریں گے:" نہ" فرمائیں گے" اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کے خاتم ہیں (تو جب تک وہ فتح باب نہ فرمائیں گے باب شفاعت نہ کھولیں گے کوئی نبی کچھ نہیں کر سکتا) اور آج وہ یہاں تشریف فرما ہیں تم انہیں کے پاس جاؤ۔ چاہیئے کہ وہ تمہارے رب کے حضور، تمہاری شفاعت کریں۔ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(اب وہ وقت آیا کہ لوگ تھکے ہارے مصیبت کے مارے۔ ہاتھ پاؤں چھوڑے چار طرف سے امیدیں توڑے، بارگاہ عرش جاہ، بیکس پناہ، خاتم دورۂ رسالت فاتح باب شفاعت، محبوب باوجاہت مطلوب بلند عزت، ملجاء عاجزاں، ماوائے بیکساں، مولائے دوجہاں، حضور پر نور محمد رسول اللہ شفیع یوم النشور، افضل صلوات اللہ واکمل تسلیمات اللہ واذکی تحیات اللہ وانمی برکات اللہ علیہ وعلیٰ الہ وصحبہ وعیالہ۔ میں حاضر آئے۔ اور باہزاراں ہزار، نالہائے زار، و دل بیقرار، وچشم اشکبار یوں عرض کرتے ہیں)

" اے محمد! اے اللہ کے نبی! آپ وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فتح باب کیا۔ اور آج آپ آمن و مطمئن تشریف لائے۔ حضور، اللہ کے رسول اور انبیاء کے خاتم ہیں۔ اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے کہ ہمارا فیصلہ فرمادے حضور نگاہ تو کریں ہم کس درد میں ہیں۔ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں گے اَنَا لَہَا وَاَنَا صَاحِبُکُم میں شفاعت کے لئے ہوں۔ میں تمہارا وہ مطلوب ہوں جسے تمام موقف میں ڈھونڈتے پھرے۔ (تجلی الیقین)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحابہ وبارک وسلم فرماتے ہیں کہ جب لوگ میرے پاس آئیں گے میں اپنے رب کے حضور حاضر ہوکر اذن چاہوں گا اور مجھے حضوری کی اجازت ملے گی جب میں اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہوں گا سجدہ میں گر جاؤں گا اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا اسی حال میں رہوں گا۔ پھر فرمائے گا۔

یَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَاسَکَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ

"اے محمد اپنا سر اٹھائیے اور کہئے آپ کی بات سنی جائے گی۔ اور سوال کیجئے جو آپ مانگیں گے وہ آپ کو دیا جائے گا اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی"۔ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم" پھر میں اپنے رب کی ان محامد کے ساتھ حمد کروں گا جو اس نے مجھے تعلیم فرمائی۔ پھر میں شفاعت کروں گا اور میرے لئے حد مقرر کی جائے گی۔ بس میں ان لوگوں کو جنت میں داخل کروں گا۔ پھر میں رجوع کروں گا اور جب مجھے میرے رب کا دیدار ہوگا سجدہ میں گر جاؤں گا اور جب تک وہ چاہے گا سجدہ میں رہوں گا۔ پھر کہا جائے گا" اے محمد سر اٹھائیے جو فرمانا ہو فرمایئے سنا جائے گا جو مانگنا ہو مانگیئے دیا جائے گا۔ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔" پھر میں اپنے رب کی ان محامد کے ساتھ حمد کروں گا جو میرے رب نے مجھے تعلیم فرمائے۔ پھر میں شفاعت کروں گا۔ میرے لئے ایک حد مقرر فرمائی جائے گی۔ بس میں ان کو جنت میں داخل کروں گا پھر رجوع فرماؤں گا۔ پھر جب مجھے اپنے رب کا دیدار ہوگا سجدہ میں گر جاؤں گا اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا سجدہ میں رہوں گا۔ پھر فرمایا جائے گا" اے محمد سر اٹھائیے جو کہنا ہو کہیئے سنا جائے گا۔ شفاعت کیجئے قبول کی جائے گی۔ مانگیئے جو آپ مانگیں گے دیا جائے گا۔"

پھر میں اپنے رب کی ان محامد کے ساتھ حمد کروں گا جو اس نے مجھے تعلیم فرمائی۔ پھر میں شفاعت کروں گا۔ پھر میرے لئے حد مقرر کی جائے گی۔ پھر میں لوگوں کو جنت میں داخل کروں گا۔ پھر اپنے رب کی طرف رجوع کر کے عرض کروں گا "یارب دوزخ میں سوائے ان کفار کے کوئی باقی نہ رہا جو بحکم قرآن جہنمی ہیں اور جن کا خلود یعنی ہمیشہ جہنم میں رہنا واجب ہے۔

حضور نے فرمایا جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں جو برابر بھی نیکی ہے وہ جہنم سے نکال لیا جائے گا۔ پھر وہ بھی جہنم سے نکال لیا جائے گا جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو اور اس

کے دل میں دانۂ گندم کی برابر بھلائی ہو۔ پھر وہ بھی جہنم سے نکال لیا جائے گا جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں ذرہ کی برابر بھلائی ہو یعنی ایمان۔ (بخاری شریف وغیرہ)

احادیث شفاعت کے راوی بیسیوں صحابہ، صدہا تابعین، ہزارہا محدثین ہیں اور احادیث کی ہر گونہ کتابیں ان سے مالا مال۔ اہلسنت کا ہر متنفس یہاں تک کہ عورتیں بچے بلکہ دیہاتی جہلاء بھی اس عقیدے سے آگاہ اور خدا کا دیدار، محمد کی شفاعت ایک ایک بچے کی زبان پر جاری ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وبارک وشرّف ومجد وکرّم۔ اب بھی اگر کوئی بدبخت کلمہ پڑھ کر انہیں شفیع المذنبین نہ مانے، اور ان سے شفاعت نہ چاہے اسے بدبختی کی آگ میں جلنا مبارک۔ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ان کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائے آمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

چند لطیف اشارے

(۱) حق جلّ وعلا کی یہ حکمت جلیلہ مسلمان بنگاہِ ایمان دیکھے اور خیال کرے کہ کیونکر اہل محشر کے دلوں میں، ترتیب وار انبیائے عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں جانا الہام فرمائے گا اور دفعۃً بارگاہِ اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر نہ لائے گا کہ حضور تو یقیناً شفیع مشفع ہیں ابتداءً یہیں آتے تو شفاعت تو پاتے مگر اوّلین وآخرین، موافقین ومخالفین، خلق اللہ اجمعین پر کیونکر کھلتا کہ یہ منصب افخم، اسی سید اکرم، مولائے اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ خاصہ ہے جس کا دامن رفیع، جلیل ومنیع، تمام انبیاء ومرسلین کے دست ہمت سے بلند وبالا ہے اور شفاعت اسی سرکار کا خاصہ ہے دوسرے کی مجال نہیں کہ اس کا دروازہ کھول سکے والحمد للہ رب العٰلمین۔

(۲) پھر خیال کیجیے کہ دنیا میں لاکھوں کروڑوں کان، اس حدیث سے آشنا، اور بے شمار بندے اس حال کے شناسا، عرصات محشر میں صحابہ وتابعین وائمہ محدثین واولیائے کاملین وعلمائے عاملین سبھی موجود ہوں گے۔ پھر کیونکر یہ جان پہچانی بات، دلوں سے ایسی بھلادی جائے گی کہ اتنی کثیر جماعتوں میں ان طویل مدتوں تک، کسی کو اصلا یاد نہ آئے گی۔

(۳) پھر نوبت بہ نوبت حضرات انبیاء سے جواب سنتے جائیں گے جب بھی مطلق دھیان نہ آئے گا کہ یہ وہی واقعہ ہے جو سچے مخبر نے پہلے ہی بتا دیا تھا۔

(۴) پھر حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء کو دیکھیے وہ بھی یکے بعد دیگرے انبیائے ما بعد کے پاس بھیجتے جائیں گے یہ کوئی نہ فرمائے گا کہ کیوں بیکار ہلاک ہوتے ہو تمہارا مطلوب اس پیارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ہے۔ یہ سارے سامان اسی اظہار عظمت واشتہار وجاہت محبوب باشوکت کی خاطر ہیں۔ لِیَقْضِیَ اللّٰہُ اَمْرًا کَانَ مَفْعُوْلًا صلی اللہ علیہ وسلم وبارک شرف وکرم

(۵) سوال شفاعت پر حضرات انبیاء کے جواب اور ہمارے حضور کا مبارک ارشاد، ملا دیکھئے ہمیں مقام محمود کا مزا آتا اور ابھی کالشمس کھلا جاتا ہے کہ سب نجوم رسالت و مصابیح نبوت میں افضل و اعلیٰ واجلّ واجلیٰ واعظم واولیٰ وبلند وبالا، وہی عرب کا سورج، حرم کا چاند ہے جس کے نور کے حضور ہر روشنی ماند ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وبارک وشرف ومجد وکرم۔

(۶) اور انبیائے خمسہ کی وجہ تخصیص ظاہر کہ حضرت آدم اوّل انبیاء و پدر انبیاء ہیں اور مرسلین اربعہ اولوا العزم مُرسل اور سب انبیائے سابقین سے اعلیٰ وافضل، تو ان پر تفضیل سب پر تفضیل والحمد للہ الملک الجلیل۔

(۴) مقام محمود

حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "میں شفیع مقرر کر دیا گیا اور شفاعت خاص مجھی کو عطا ہوگی۔ میرے سوا کسی کو یہ منصب نہ ملا" اور ابھی آپ سن چکے پڑھ چکے کہ جب تک حضور فتح باب شفاعت نہ فرمائیں گے کسی کو مجال شفاعت نہ ہوگی۔ علمائے کرام فرماتے ہیں بلکہ حقیقۃً جتنے شفاعت کرنے والے ہیں حضور کے دربار میں شفاعت لائیں گے اور اللہ عزوجل کے حضور، مخلوقات میں صرف حضور شفیع ہیں (اشعۃ اللمعات) اور یہی شفاعت کبریٰ ہے۔ اور یہ شفاعت کبریٰ مومن کافر مطیع عاصی، سب کے لئے ہے کہ وہ انتظار حساب جو سخت جانگزا ہوگا جس کے لئے لوگ تمنائیں کریں گے کہ کاش جہنم میں پھینک دئے جاتے اور اس انتظار سے نجات پاتے۔ اس بلا سے چھٹکارا۔ کفار کو بھی حضور کی بدولت ملے گا۔ جس پر اوّلین و آخرین، موافقین و مخالفین، مومنین و کافرین، سب حضور کی حمد کریں گے۔ اسی کا نام مقام محمود ہے۔ جہاں تمام اوّلین و آخرین میں حضور کی تعریف وحمد وثنا کا غلغلہ پڑ جائے گا اور موافق مخالف سب پر کھل جائے گا کہ بارگاہ الٰہی میں جو وجاہت

ہمارے آقا کی ہے کسی کی نہیں۔ اور ملک عظیم جل جلالہ کے یہاں جو عظمت ہمارے مولیٰ کے لئے ہے کسی کے لئے نہیں۔ قرآن کریم گواہ ہے کہ عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ قریب ہے کہ تیرا رب تجھے مقام محمود میں بھیجے۔ اور احادیث کریمہ سے ثابت کہ مقام محمود، یہی مرتبۂ شفاعت کبریٰ ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفاعت کئی قسم پر ہے مثلاً (۱) شفاعت کبریٰ۔ (۲) بہتوں کو بلا حساب جنت میں داخل فرمائیں گے جن میں ستر ہزار در ستر ہزار یعنی چار ارب نوّے کروڑ کی تعداد، احادیث سے ثابت ہے۔ اور اس سے بہت زائد اور ہیں جو اللہ و رسول کے علم میں ہیں (۳) بہتیرے وہ ہوں گے جو مستحق جہنم ہو چکے ان کو جہنم سے نکالیں گے (۵) بعضوں کے درجات بلند فرمائیں گے (۶) بعضوں سے تخفیف عذاب فرمائیں گے (۷) جن کے حسنات (نیکیاں) وسیات (بدیاں) برابر ہوں گی انہیں بہشت میں داخل فرمائیں گے (۸) اہل مدینہ کی خصوصیت سے شفاعت فرمائیں گے (۹) قبر انور کی زیارت کرنے والوں کی امتیازی شفاعت فرمائیں گے (۱۰) دروازہ جنت کھولنے کے لئے شفاعت فرمائیں گے۔ (اشعۃ اللمعات)

اللّٰھم انا امنا بشفاعۃ حبیبك محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاجعلنا من اھلھا فی الدنیا والاخرۃ یا اھل المغفرۃ۔

عقیدہ: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک جھنڈا مرحمت ہوگا جس کو "لواء الحمد" کہتے ہیں، تمام مومنین حضرت آدم علیہ السلام سے آخر تک، سب اسی کے نیچے ہوں گے۔

انبیاء وصلحاء وغیرہم کی شفاعت

فتح باب شفاعت کے بعد تمام انبیائے کرام اپنی اپنی امت کی شفاعت فرمائیں گے۔ اولیائے کرام، شہداء، علماء، حفاظ، حجاج، بلکہ ہر وہ شخص جس کو کوئی منصب دینی عنائت ہوا، اپنے اپنے متعلقین کی شفاعت کرے گا۔ نابالغ بچے جو مر گئے ہیں اپنے ماں باپ کی شفاعت کریں گے۔ یہاں تک کہ علماء کے پاس کچھ لوگ آکر عرض کریں گے ہم نے آپ کے وضو کے لیے فلاں وقت پانی بھر دیا تھا۔ کوئی کہے گا کہ میں نے آپ کو استنجے کے لئے ڈھیلا دیا تھا۔ علماء ان تک کی شفاعت کریں گے۔ اور مولائے کریم اپنے فضل و کرم سے، اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کے توسل سے ان کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ بلکہ حدیث شریف میں ہے کہ مومن جب آتش دوزخ سے خلاصی پائیں گے تو اپنے ان بھائیوں کی رہائی کے لئے جو آتش دوزخ میں ہوں گے اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت وسوال مغفرت میں مبالغہ کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے اذن پاکر، مسلمانوں کی کثیر تعداد کو پہچان پہچان کر دوزخ سے نکالیں گے۔ چنانچہ مروی ہے کہ جب مومن آتش دوزخ سے خلاصی پائیں گے تو اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی اپنا حق پانے کے لئے اپنے مقابل سے ایسا سخت تقاضہ اور مخاصمت کرنے والا نہیں ہے جیسا کہ مومن اپنے ان بھائیوں کی رہائی کے لئے جو آتش دوزخ میں ہیں، اللہ تعالیٰ کے حضور، شفاعت وسوال میں مبالغہ کرنگے عرض کرینگے "رب وہ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے تھے روزے رکھتے تھے حج کرتے تھے"۔ فرمایا جائے گا جنہیں پہچانو انہیں نکال لو۔ پھر ان (دوزخ والوں) کی صورتیں آگ پر حرام کردی جائے گی (تاکہ یہ ان کو پہچان لیں) پھر خلق کثیر کو وہ دوزخ سے نکالیں گے۔ (مسلم شریف)

ایک عظیم فائدہ

صحیح مسلم میں مروی کہ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالےٰ نے مجھے تین سوال عطا فرمائے۔ میں نے دوبار تو دنیا میں عرض کرلی اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّتِیْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّتِیْ، الٰہی میری امت کی مغفرت فرما الٰہی میری امت کی مغفرت فرما وَاَخَّرْتُ الثَّالِثَةَ لِیَوْمٍ یَرْغَبُ اِلَیَّ فِیْهِ الْخَلْقُ حَتّٰی اِبْرَاهِیْمُ۔ اور تیسری عرض اس دن کے لئے اٹھا رکھی جس میں تمام مخلوق الٰہی میری طرف نیاز مند ہوگی۔ یہاں تک کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

اللہ اکبر! اے گناہگاران امت

کیا تم نے اپنے مالک ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ کمال رافت ورحمت اپنے حال پر دیکھی کہ بارگاہ عزت جل جلالہ سے تین سوال حضور کو ملے کہ جو چاہو مانگ لو۔ عطا ہوگا۔ حضور نے ان میں سے کوئی سوال اپنی ذات پاک کے لئے نہ رکھا سب تمہارے ہی کام میں صرف فرمادیئے

دو سوال دنیا میں کئے۔ وہ بھی تمہارے ہی واسطے۔ تیسرا آخرت کو اٹھا رکھا وہ تمہاری اس عظیم حاجت کے واسطے جب اس مہربان مولیٰ، رؤف و رحیم آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی کام آنے والا، بگڑی بنانے والا نہ ہوگا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ حق فرمایا حضرت حق عز وجل نے عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ واللہ العظیم قسم اس کی جس نے انہیں آپ مہربان کیا کہ ہرگز ہرگز کوئی ماں، اپنے عزیز پیارے اکلوتے بیٹے پر زنہار اتنی مہربان نہیں، جس قدر وہ اپنے ایک امتی پر مہربان ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

الٰہی تو ہمارا عجز و ضعف اور ان کے حقوق عظیمہ کی عظمت جانتا ہے۔ اے قادر! اے واحد! اے ماجد ہماری طرف سے ان پر اور ان کی آل پر وہ برکت والی درودیں نازل فرما جو ان کے حقوق کو وافی ہوں اور ان کی رحمتوں کو مکافی۔ اللہم صل وسلم وبارک علیہ وعلی الہ وصحبہ قدر رافتہ ورحمتہ بامتہ وقدر رافتک ورحمتک بہ امین امین الہ الحق امین۔

(۵) نامۂ اعمال

ہر مسلمان جانتا ہے کہ انسان کے سرائر و ضمائر جنہیں وہ اپنے دل کی گہرائیوں میں روپوش رکھتا ہے کبھی زبان پر نہیں آنے دیتا وہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ سے چھپے ہوتے نہیں۔ رب قدیر بندوں کے احوال کو خود ان سے زیادہ جانتا ہے اور انسان کی حرکات و سکنات بلکہ اس کے خیالات تک اس سے پوشیدہ نہیں سب کچھ اس کے احاطہ علم میں ہے لیکن وہ مولائے کریم، آخرت کی عدالت میں کسی کو محض اپنے علم ذاتی، ازلی، ابدی حضوری، کی بنا پر جزا سزا نہ دے گا۔ بلکہ وہ احکم الحاکمین عدل کی تمام شرائط محض اپنے فضل وعدل سے پوری فرمائے گا۔ اسی لئے دنیا میں ہر شخص کے اقوال وافعال کا مکمل ریکارڈ تیار کرایا جا رہا ہے تاکہ اس کی کارگزاریوں کا پورا ثبوت، ناقابل انکار شہادتوں سے پورا پورا فراہم کر دیا جائے اور کسی کو عذر تراشیوں، بہانہ جوئیوں کی مجال نہ رہے۔ احادیث کریمہ بلکہ خود آیات قرآنیہ سے یہ بات ثابت ہے کہ دو فرشتے ہر وقت اور ہر حال میں، انسان کے ساتھ رہتے اور اس کے ہر چھوٹے سے چھوٹے عمل کو، نیک ہو یا بد، دیکھتے رہتے ہیں۔ اور کسی حال میں اس کا ساتھ نہیں چھوڑتے اور اس کا کوئی قول وفعل۔ ان کے ریکارڈ سے نہیں چھوٹتا۔ منہ سے

ادھر بات نکلی اور ادھر فرشتوں نے اسے نوٹ کیا۔ غرض یہ فرشتے آدمی کی ہر بات لکھتے ہیں۔ حتی کہ بیماری کا کراہنا تک بھی داہنی طرف والا نیکیاں لکھتا ہے اور بائیں طرف والا بدیاں۔

امام بغوی نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ جب آدمی ایک نیکی کرتا ہے تو داہنی طرف والا فرشتہ دس لکھتا ہے اور جب بدی کرتا ہے تو دہنی طرف والا فرشتہ، بائیں جانب والے فرشتے سے کہتا ہے کہ ابھی توقف کر، شاید یہ شخص استغفار کر لے۔"

تو انہیں اچھے برے تمام اعمال کے مکمل ریکارڈ کا نام "اعمال نامہ" ہے فرشتوں کی، حسب اقتضائے حکمت ہے کہ روز قیامت، نامہ ہائے اعمال ہر شخص کے، اس کے ہاتھ میں دے دیئے جائیں اس کے معنی یہ ہیں کہ جس وقت اس احکم الحاکمین کی عدالت میں انسان کی پیشی ہو گی اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کو خود بھی معلوم ہو گا اور وہ آج بھی جانتا ہے کہ کون کیا کر کے لایا اور آیا ہے اور اس پر شہادت دینے کے لئے دو گواہ بھی موجود ہوں گے جو اس کے تمام نیک وبد اعمال واقوال کا دستاویزی ثبوت لا کر سامنے رکھ دیں گے اور اس کا عمر بھر کا کیا دھرا اس کے روبرو ہو گا۔ جن کی صحت سے انکار کرنا اس کے لئے ممکن نہ ہو گا۔

عقیدہ: قیامت کے دن ہر شخص کو اس کا نامۂ اعمال دیا جائے گا۔ نیکوں کے دہنے ہاتھ میں اور بدوں کے بائیں ہاتھ میں۔ اور کافر کا سینہ توڑ کر، اس کا بایاں ہاتھ اس کے پس پشت نکال کر، پیٹھ کے پیچھے دیا جائے گا کہ خود پڑھ کر فیصلہ کر لے کہ جو کام عمر بھر اس نے کئے تھے کوئی رہا تو نہیں یا زیادہ تو نہیں لکھا گیا۔ ہر آدمی اس وقت یقین کرے گا کہ ذرہ ذرہ بلا کم وکاست اس میں موجود ہے۔ اس میں اپنے گناہوں کی فہرست پڑھ کر مجرم خوف کھائیں گے کہ دیکھئے آج کیسی سزا ملتی ہے اور کافر کا تو خوف کے مارے برا حال ہو گا۔ پھر میزان پر لوگوں کے نیک وبد اعمال تولے جائیں گے۔

(۶) میزان

اللہ تعالیٰ کی عدالت عالیہ میں، کل بروز محشر، جزاء وسزا کا فیصلہ اس بنیاد پر ہو گا کہ آدمی اعمال کی جو پونجی لے کر آیا ہے وہ وزنی ہے یا بے وزن۔ یا اس کی بھلائیوں کا وزن، اس کی برائیوں

کے وزن سے زیادہ ہے یا کم۔ اور اعمال کے وزن یا تول کے لئے جو میزان ترازو قیامت میں نصب کی جائے گی اس کا کچھ اجمالی مفہوم جو شریعت نے بیان فرمایا ہے یہ ہے کہ وزن ایسی میزان سے کیا جائے گا جس میں کفتین (یعنی پلّے) اور لسان (یعنی چوٹی) وغیرہ موجود ہیں اور اس کا ہر پلّہ اتنی وسعت رکھے گا جیسی مشرق و مغرب کے درمیان ہے۔ ابن جوزی نے کہا کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہ الٰہی میں میزان دیکھنے کی درخواست کی۔ جب میزان دکھائی گئی اور آپ نے ان کے پلّوں کی وسعت دیکھی تو عرض کیا "یارب کس کا مقدور ہے کہ ان کو نیکیوں سے بھر سکے" ارشاد ہوا کہ "اے داؤد! میں جب اپنے بندوں سے راضی ہوتا ہوں تو ایک کھجور سے اسے بھر دیتا ہوں" یعنی تھوڑی نیکی بھی مقبول ہو جائے تو فضل الٰہی سے اتنی بڑھ جاتی ہے کہ میزان کو بھر دے۔" اسی لئے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ "ہر شخص کے عمل، وزن کے موافق لکھے جاتے ہیں۔ ایک ہی کام ہے اگر اخلاص و محبت سے کیا اور حکم شرعی کے موافق کیا اور برمحل کیا تو اس کا وزن بڑھ گیا۔ اور دکھاوے کو یا ریس کو کیا یا حکم شرع کے موافق نہ کیا یا موقع و محل پر نہ کیا تو وزن گھٹ گیا۔

الغرض اتنا تو معلوم اور نصوص سے ثابت ہے کہ اعمال کا وزن، میزان سے کیا جائے گا لیکن وہ میزان کس نوعیت کی ہوگی اور اس کے دونوں پلے کس کیفیت پر ہوں گے اور ان سے وزن معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہوگا، یہ وہ باتیں ہیں جن کا ادراک و احاطہ کرنا اور اس کی حقیقت کا دریافت کر لینا ہماری رسائی سے باہر ہے۔

اسی دنیا میں وزن و مقدار معلوم کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔ سونے چاندی اور جواہرات تولنے کی میزان جدا ہے۔ غلہ وغیرہ اجناس اور ایسی ہی دوسری چیزوں کی میزان اور ہے۔ ایک میزان، وزنی چیزوں کو تولنے کی وہ ہے جو عام ریلوے اسٹیشنوں پر ہوتی ہے۔ جس سے مسافروں کا سامان تولتے ہیں۔ ایک میزان کانٹے کے نام سے یاد کی جاتی ہے اس سے بھی عموماً وزنی چیزیں تولی جاتی ہیں۔ ان کے سوا "مقیاس الہواء" یا "مقیاس الحرارۃ" وغیرہ بھی ایک طرح کی میزانیں ہیں جن سے ہوا اور حرارت وغیرہ کے درجات اور ان کی مقدار معلوم کی جاتی ہے۔ تھرمامیٹر ہمارے بدن کی اندرونی حرارت کو جو اعراض میں سے ہے اور کوئی جسم یا وزن بظاہر اس کا معلوم نہیں ہوتا تول کر بتاتا ہے کہ اس وقت ہمارے بدن میں اتنے ڈگری حرارت پائی جاتی ہے۔

جب دنیا میں بیسیوں قسم کی میزانیں جو جسمانی ہیں روزانہ ہمارے مشاہدہ میں آتی ہیں اور
اور ہمیں ان پر ایمان ویقین ہے کہ ان سے اعیان واعراض، جسمانی وغیر جسمانی اشیاء کے اوزان
اور درجات کا تفاوت وفرق معلوم ہو جاتا ہے تو اس قادر مطلق کے لئے کیا مشکل ہے کہ ایک
ایسی میزان قائم کر دے جس سے ہمارے اعمال و درجات کا تفاوت، صورۃً وحسًا ظاہر ہو کر، نگاہوں
کے روبرو آجائے اور ہر شخص پر اس کے اعمال حسنہ کی حقیقت اور برے کرتوتوں کا حال روشن ہو
جائے۔ جبکہ ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ یوم حشر، کشف حقائق کا دن ہوگا اور ہر مجاز عین
حقیقت بن جائے گا اور اس عالم میں مجرّدات بھی، محسوسات کے لباس میں ملبوس ہوں گے۔ اعمال کی
صفت وزن آج ہمارے موجودہ قویٰ کے لئے غیر محسوس ہے یہی کل ہمارے لئے مدرک ومحسوس ہو جائے
گی۔ غرض وزن خود اعمال وعقائد کا ہو یا ان صحیفوں کا جو کراماً کاتبین لکھتے ہیں۔ وہ برحق ہے۔ یہ بھی ممکن
ہے کہ وہاں اعمال حسنہ کسی نورانی شکل وجسم میں تبدیل کر دیئے جائیں اور اعمال قبیحہ کسی ظلمانی شکل و
جسم میں۔ اور پھر ان اجسام کا وزن کیا جائے نیکی کا پلہ بھاری ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اوپر اٹھے۔ دنیا
کا سا معاملہ نہیں کہ جو بھاری ہوتا ہے نیچے کو جھکتا ہے یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ سارے انتظامات
بندوں کے مزید اطمینان کے لئے ہوں گے کہ کسی کو کوئی مجال عذر نہ رہے ورنہ رتی رتی کے حساب
سے تو وہ علیم وخبیر خود ہی واقف ہے کہ کون کیا کر رہا ہے اور کل کیا لے کر آئے گا۔

(۷) حساب کتاب

عقیدہ:- حساب حق ہے اعمال کا حساب ہونے والا ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔

تشریح:- قرآن نے جا بجا، احوال محشر کے سلسلہ میں یہ بات بیان فرمائی ہے کہ قیامت
کا دن کافروں کے حق میں بڑا سخت دن ہوگا "علی الکافرین غیر یسیر۔" اور یہ کہ ان کے نامۂ
اعمال، ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ یوں کہ اس کا داہنا ہاتھ تو، اس کی گردن کے ساتھ ملا
کر، طوق میں باندھ دیا جائے گا اور بایاں ہاتھ پس پشت دیا جائے گا اس میں اس کا نامۂ اعمال
تھما دیا جائے گا۔ اس حال کو دیکھ کر وہ خود ہی جان لے گا کہ وہ اہل نار سے ہے۔ انہیں کے حق
میں وارد ہوا کہ اُولٰئِكَ لَهُمْ سُوْءُ الْحِسَابِ۔ ان کا برا حساب ہوگا اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔

اور بڑی حساب فہمی یا سخت حساب فہمی کا مطلب یہ ہے کہ ہر امر پر اس سے مواخذہ کیا جائے گا اس کی کسی خطا کسی لغزش کو معاف نہ کیا جائے گا اور کوئی قصور جو اس نے کیا ہو مواخذے کے بغیر نہ چھوڑا جائے گا۔

اسکے برخلاف اطاعت گزار مسلمان بندوں کے حق میں وارد ہوا کہ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا۔ اس سے عنقریب سہل حساب لیا جائے گا ان کی طاعات اور اطاعت گزاریوں کے مقابلہ میں ان کی خطاؤں سے درگذر کیا جائے گا۔ اور ان کے مجموعی طرز عمل کی بھلائی کو ملحوظ رکھ کر ان کی بہت سی کوتاہیوں سے صرف نظر کر لیا جائے گا اور ان کا نامۂ اعمال ان کے دائیں ہاتھوں میں دیا جائے گا جو علامت ہو گی بارگاہِ الٰہی سے عزت و کرامت کی اور یہ اعمال نامہ اس کے لئے گویا قبالۂ بخشش ہو گا۔ مولائے کریم روز قیامت ہمیں اور تمام اہلسنت کو اس عزت و کرامت سے نوازے۔ آمین

حِسَابًا يَّسِيْرًا کی چند جلوہ طرازیاں

(۱) بندہ مسلمان پر اس کے اعمال پیش کئے جائیں گے کہ وہ اپنی طاعت و معصیت اپنی خدمت گزاری اور نافرمانی کو پہچانے۔ پھر طاعت پر ثواب دیا جائے گا اور معصیت سے تجاوز فرمایا جائے گا۔ نہ اس میں شدت مناقشہ ہے کہ اس سے سخت بازپرس ہو اور کرید کرید کر بات پوچھی جائے کہ ایسا کیوں کیا۔ نہ عذر کی طلب ہو گی۔ نہ اس پر حجت قائم کی جائے گی۔ کیونکہ جس سے مطالبہ کیا گیا اسے کچھ ہاتھ نہ آئے گا اور رسوا ہو گا۔

(۲) کسی سے یوں حساب لیا جائے گا کہ خفیۃً اس سے پوچھا جائے گا تو نے یہ کیا اور یہ کیا؟ عرض کرے گا "ہاں اے میرے رب"۔ یہاں تک کہ تمام گناہوں کا اقرار لے لے گا۔ یہ اپنے دل میں سمجھے گا کہ اب گئے۔ اور مولائے کریم فرمائے گا کہ ہم نے دنیا میں تیرے عیب چھپائے اور آج بھی بخشتے ہیں۔

(۳) اس امت میں وہ مسلمان شخص بھی ہو گا جس کے ننانوے دفتر گناہوں کے ہوں گے اور ہر دفتر اتنا ہو گا جہاں تک نگاہ پہنچے۔ وہ سب کھولے جائیں گے۔ اور رب عزوجل فرمائے گا۔

سے تجھے کسی امر کا انکار تو نہیں ہے۔ میرے فرشتوں کراماً کاتبین نے تجھ پر ظلم تو نہیں کیا؟ عرض کرے گا "نہیں اے میرے رب"۔ پھر فرمائے گا تیرے پاس کوئی عذر ہے۔ عرض کرے گا "نہیں اے رب میرے"۔ فرمائے گا تیری ایک نیکی ہمارے حضور میں ہے اور تجھ پر آج ظلم نہ ہوگا"۔ اس وقت ایک پرچہ میں اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله لکھا ہوگا، نکالا جائے گا اور حکم ہوگا "جا تُلوا" عرض کرے گا "اے رب یہ پرچہ ان دفتروں کے سامنے کیا ہے۔ فرمائے گا "تجھ پر ظلم نہ ہوگا"۔ پھر ایک پلے پر یہ سب دفتر رکھے جائیں گے اور ایک میں وہ پرچہ۔ وہ پرچہ ان دفتروں سے بھاری ہو جائے گا۔ بالجملہ اس کی رحمت کی کوئی انتہا نہیں جس پر رحم فرمائے تھوڑی چیز بھی بہت کثیر ہے۔

ایک حدیث شریف

حضرت عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے نزدیک سب سے زیادہ دہشت انگیز وہ آیت ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا من یعمل سوءً یجز بہ۔ جو بھی کوئی برائی کرے گا اس کا بدلہ اسے دیا جائے گا"۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "کیا تم یہ بات نہیں جانتی ہو کہ اللہ تعالیٰ کے نیک اور اطاعت گزار بندوں کو دنیا میں جو تکلیف بھی پہنچتی ہے حتی کہ کوئی کانٹا بھی جو اس کو چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کی کسی نہ کسی لغزش یا کوتاہی کا بدلہ قرار دے کر، دنیا ہی میں اس کا حساب صاف فرما دیتا ہے۔ آخرت میں جس سے بھی محاسبہ (سخت حساب) ہوگا وہ سزا پائے بغیر نہ بچ سکے گا"۔ عرض کیا "پھر اس ارشاد ربانی کا کیا مطلب ہے فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا۔ ــــــــ کہ جس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اس سے سہل حساب لیا جائے گا؟ ارشاد فرمایا اس سے مراد بارگاہِ الٰہی میں "عرض" (پیشی) ہے (یعنی اس کی برائیاں بھلائیاں سب بارگاہ احدیث میں پیش ہوں گی) مگر جس سے سختی سے بازپرس ہوئی (ایک ایک بات کی) بس سمجھ لو کہ وہ مارا گیا"۔

حساب جانگزا کی چند جھلکیاں

(۱) کسی سے اس طرح حساب لیا جائے گا کہ اس سے فرمائے گا "اے فلاں! کیا میں نے تجھے عزت نہ دی۔ تجھے سردار نہ بنایا۔ اور تیرے لئے گھوڑے اور اونٹ وغیرہ کو مسخر نہ کیا۔ ان کے علاوہ اور نعمتیں یاد دلائے گا۔ عرض کرے گا، "ہاں تو نے سب کچھ دیا تھا۔" پھر فرمائے گا "تو کیا تیرا خیال تھا کہ مجھ سے ملنا ہے"۔ عرض کرے گا کہ "نہیں" فرمائے گا تو جیسے تو نے ہمیں یاد نہ کیا ہم بھی تجھے عذاب میں چھوڑتے ہیں"۔

(۲) بعض کافر ایسے بھی ہوں گے کہ جب نعمتیں یاد دلا کر فرمائے گا کہ "تو نے کیا کیا؟ عرض کرے گا۔ تجھ پر اور تیری کتاب اور تیرے رسولوں پر ایمان لایا۔ نماز پڑھی روزے رکھے۔ صدقہ دیا۔ اور ان کے علاوہ جہاں تک ہو سکے گا نیک کاموں کا ذکر کر جائے گا۔" ارشاد ہوگا " تو اچھا ٹھہر جا تجھ پر گواہ پیش کئے جائیں گے۔" یہ اپنے جی میں سوچے گا مجھ پر میرے خلاف کون گواہی دے گا۔ اس وقت اس کے منہ پر مہر کر دی جائے گی اور اعضا کو حکم ہوگا بول چلو۔ اس وقت اس کی ران اور ہاتھ پاؤں، گوشت، پوست، ہڈیاں سب اس کے خلاف گواہی دیں گے کہ یہ تو ایسا تھا اور پھر وہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا انہیں سے روز قیامت فرمایا جائے گا اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰی ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ۔ چلو اس دھوئیں کے سائے کی طرف جس کی تین شاخیں کہ نہ سایہ دیں۔ نہ آتش دوزخ کی لپیٹ سے بچائیں۔ جس سے اس دن کی گرمی سے کچھ امن پا سکیں۔ اس سے مراد جہنم کا دھواں ہے جو اپنی شدت اور کثرت کے باعث اوپر جا کر تین ٹکڑوں میں پھٹ جائے گا۔ ایک کفار کے سروں پر۔ ایک ان کے دائیں اور ایک ان کے بائیں اور حساب سے فارغ ہونے کے وقت تک، کافر اسی دھوئیں کے احاطہ میں گھرے رہیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے عرش عظیم کے سایہ میں ہوں گے۔ دھوئیں کے بادل سے جو صورت، سایہ کے پیدا ہو جاتی ہے کافروں کے حق میں وہ بھی کام سایہ کا نہ دے گی بلکہ اور اذیت رساں ہی ہوں گی اور وبال جان بن کر انہیں ہر طرف سے گھیرے گی اور جہنم کی ہولناکیوں کا جنہیں آج انکار ہے کل انہیں کوئی عذر و حیلہ بھی ہاتھ نہ آئے گا کہ پیش کر سکیں۔

فائدہ:۔ محققین نے کہا ہے کہ علم صحیح کی راہ میں حجابات تین ہوتے ہیں۔

حسؔ۔خیالؔ۔ وہمؔ اور عمل صحیح کی راہ میں بھی تین حجابات، ہوتے ہیں۔ قوت وہمیہ۔ قوتؔ غضبیہ اور قوت شہویہ۔ جدید نفسیات کی اصطلاحات میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ انسان کو عذاب الہی کی طرف لے جانے والی تین ہی قوتوں کے غلط استعمال ہیں۔ عقل و ادراک کی گمراہیاں۔ جذبات و شہوات کی لغزشیں اور قوت ارادی کی کجراہیاں۔

قرآن کریم کا ارشاد گرامی ہے

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤی اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْهِمْ الایۃ ۔ آج ہم ان کے مونھوں پر مہر کر دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں ان کے کئے کی گواہی دیں گے"۔ یہ حکم ایسے ہیکٹر مجرموں کے معاملے میں ہے جو اپنے جرائم کا اقبال کرنے سے انکار کر دیں گے۔ گواہوں کو بھی جھٹلا دیں گے اور نامۂ اعمال کی صحت بھی تسلیم نہ کریں گے۔ حالانکہ عمر بھر خدا کی نافرمانیاں کرتے رہے۔ مگر اس بات سے غافل رہے کہ بدکاریوں اور گناہ کوشیوں کا یہ سارا انبار، خود انہیں کی ذات میں محفوظ ہے جو وقت پر کھول دیا جائے گا اور ہر عضو اس کے خلاف شہادت دے گا اور جن جرائم کا اس نے ارتکاب کیا تھا، اعضائے بدن ان جرموں کی شہادت دیں گے۔ اور اس کے سارے کرتوت، اس کے سامنے آجائیں گے۔ غرض یہ کہ ان کافروں کی پوری زندگی کی روئداد رتی رتی حق تعالیٰ کے سامنے انہیں کی زبانوں، ہاتھوں پیروں اور دوسرے اعضاء کی زبانی پیش ہوگی مثلاً زبان یوں کہے گی کہ اس نے میرے ذریعہ سے فلاں فلاں باتیں کہلوائیں فلاں فلاں قولی کفر صادر کئے۔ ہاتھ پیر یہ کہیں گے کہ اس نے فلاں فلاں کام ہم سے کرایا فلاں فلاں کفر عملی میں ہم سے مدد لی۔ تو آج جو اعضاء خاموش اور غیر گویا ہیں کل بحکم ایزدی گویا ہو کر اس کا کچا چٹھا دربار احکم الحاکمین میں پیش کر دیں گے اور اہل دوزخ دنگ۔ رہ جائیں گے۔

فوائد جلیلہ

وقوع قیامت کے بعد، اپنے انجام اور ثمرات عمل کے لحاظ سے، نسل انسانی، آخرت میں تین طبقوں میں تقسیم کر دی جائے گی۔

(۱) خواص مقربین یعنی اپنی اپنی طاعت وعبدیت کے لحاظ سے درجہ اوّل والے یا یوں کہیئے کہ اپنے اجر وصلہ اور مرتبۂ اخروی کے لحاظ سے سب میں پیش پیش۔ جو جنت کے اعلیٰ درجات پر فائز ہوں گے اور بارگاہِ خداوندی میں اعلیٰ درجہ کے مقامات قرب پر متمکن۔ یعنی حضرات انبیاء کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اور پھر ان کے بعد اولیائے امت اور متقین کاملین۔ انہیں متقین کاملین کے بارے میں فرمایا گیا کہ میری امت سے ستر ہزار بے حساب جنت میں داخل ہوں گے اور ان کے طفیل میں ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار۔ اور رب عزّوجل ان کے ساتھ تین جماعتیں اور دے گا۔ معلوم نہیں ہر جماعت میں کتنے ہوں گے۔ اس کا شمار وہی جانے۔ تہجد پڑھنے والے بھی انہیں میں ہیں جو بلا حساب جنت میں جائیں گے۔

(۲) **عوام مومنین:** جنہیں قرآن کریم میں جابجا اَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ اور اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ فرمایا گیا یعنی وہ لوگ جن کے نامۂ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ وہ بڑی شان رکھتے ہیں سعید ہیں جنت میں داخل ہوں گے اور نجات پا جانے والے، نیک بخت خوش نصیب اہل ایمان۔

(۳) **منکرین یا کفار:** جنہیں قرآن کریم میں کہیں اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ اور کہیں اصحاب الۡمَشۡئَمَۃِ فرمایا گیا یعنی وہ لوگ جن کا نامۂ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ شقی وبدبخت اور بدنصیب، جن کو کفر وکفر دوستی وسرکشی کی پاداش میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔

دوزخی جنہیں قرآن کریم نے اصحاب الشمال فرمایا ہے یعنی بائیں جانب والے، اور جو میثاق کے وقت آدم علیہ السلام کے بائیں پہلو سے نکالے گئے، عرش کی بائیں جانب کھڑے کئے جائیں گے۔ ان کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں ہوگا اور فرشتے بائیں طرف سے ان کو پکڑیں گے۔ ان کی بدبختی اور نحوست کا کیا ٹھکانا۔ اور عام جنتی جنہیں قرآن مجید میں اصحٰب الیمین فرمایا گیا ہے اور جن کو اخذ میثاق کے وقت آدم علیہ السلام کے دائیں پہلو سے نکالا گیا تھا، وہ عرش عظیم کے دائیں طرف ہوں گے۔ ان کا اعمال نامہ بھی داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اور فرشتے بھی ان کو داہنی طرف سے ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ اس روز ان کی خوبی ویمن وبرکت کا کیا کہنا۔ حسن عشرت کے ساتھ، باشان وشوکت ایک دوسرے کو دیکھ کر مسرور ودل شاد ہوں گے اور من مانی مسرتوں میں شاداں وفرحاں۔ شب معراج حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں دونوں گروہوں کی نسبت دیکھا تھا

کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی داہنی جانب دیکھ کر ہنستے ہیں اور بائیں طرف کو دیکھ کر روتے ہیں اور خواص مقربین جنہیں قرآن کریم میں السّٰبِقُوْنَ فرمایا وہ تو سبقت لے ہی گئے، اسی لئے وہ حق تعالیٰ کی رحمتوں اور مراتب قرب و وجاہت میں آج سب سے آگے ہیں کل سب سے پیش پیش رہینگے

(۲) حدیث شریف میں وارد ہے کہ اہل محشر کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی جن میں چالیس پہلی تمام امتوں کی اور اسی[۸۰] اس امت مرحومہ کی۔

(۳) یہ قیامت کا دن کہ حقیقۃً قیامت کا دن ہے جو پچاس ہزار برس کا دن ہوگا اور جس کے مصائب بے شمار ہوں گے۔ مولیٰ عزوجل کے جو خاص بندے ہیں ان کے لئے اتنا ہلکا کر دیا جائے گا کہ معلوم ہو اس میں اتنا وقت صرف ہوا جتنا ایک وقت کی نماز فرض میں صرف ہوگا۔ بلکہ اس سے بھی کم۔ یہاں تک کہ بعضوں کے لئے تو پلک جھپکنے میں سارا دن طے ہو جائے گا وَمَآ اَمْرُ السَّاعَۃِ اِلَّا کَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ ھُوَ اَقْرَبُ۔ قیامت کا معاملہ نہیں مگر جیسے پلک جھپکنا بلکہ اس سے بھی کم یعنی ایسا ہی آناً فاناً۔

(۸) الکوثر

عقیدہ: حوض کوثر کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو مرحمت ہوا، حق ہے۔ اس حوض کی مسافت ایک مہینے کی راہ ہے۔ اس کے کنارے پر موتی کے قبے ہیں۔ چاروں گوشے برابر۔ یعنی زاویئے قائمہ ہیں۔ اس کی مٹی نہایت خوشبودار، مشک کی سی ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا، اور مشک سے زیادہ پاکیزہ ہے۔ اور اس پر برتن، ستاروں سے بھی زیادہ۔ جو اس کا پانی پئے گا کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ اس میں جنت سے دو پرنالے ہر وقت گرتے ہیں۔ ایک سونے کا دوسرا چاندی کا۔

تشریح: قرآن کریم کا نازل فرمانے والا رب عزوجل ارشاد فرماتا ہے۔ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ۔ اے محبوب بے شک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں۔ یعنی مولیٰ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیا و آخرت دونوں میں فضائل کثیرہ، انعامات لامتناہیہ اور عطیات غیر محدودہ، محامد جمیلہ اور نعوت متکاثرہ عنایت فرما کر تمام خلائق سے افضل واکمل

احسن و اجمل، اکرم و اجمل کیا۔ حسن ظاہر بھی دیا حسن باطن بھی اور نسبت عالی بھی۔ نبوت جامعہ ریاست عامہ اور دعوت کاملہ رہبریت بالغہ بھی۔ مقام محمود بھی۔ شفاعت کبریٰ بھی اور لواء الحمد بھی۔ کثرت امت بھی، کثرت فتوحات بھی اور اعدائے دین پر غلبہ بھی۔

غرض کوثر کے لفظی معنی خیر کثیر کے ہیں اور یہ لفظ دنیا و آخرت دونوں کی ساری بھلائیوں کا جامع ہے، اور اس کے تحت میں دنیا و عقبیٰ کی ساری نعمتیں سارے انعامات الٰہی آجاتے ہیں اور مفسرین نے اس کے ذیل میں کثرت علوم، کثرت معارف، کثرت حسنات وغیرھا جو معانی و مفاہیم ذکر کئے ہیں سب ہی اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔

لفظ کوثر تو خود ہی فراوانی افزونی کے معنی کے لئے ہوا اور جب اسے بھی فوعل کے وزن پر، جو مبالغہ کے لئے آتا ہے استعمال کیا گیا تو اس کے معنی کثرت بالائے کثرت، فراوانی بیش از فراوانی اور افزونی پر افزونی ٹھہرے۔ اور ہمارا اس پر ایمان ہے کہ دینے والے نے انہیں دونوں جہاں کے خزانوں کی کنجیاں دے کر مختار کل کر دیا صلی اللہ علیہ وسلم انہیں نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت وہ حوض کوثر بھی ہے جو اسی نام سے مسلمانوں میں مشہور ہے اور اس کا ثبوت بعض محدثین کے نزدیک، حد تواتر تک پہنچ چکا ہے، ہر مسلمان کو اس پر اعتقاد رکھنا لازم ہے۔ حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے حوض کوثر کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہے؟ انہوں نے کہا "ایک نہیں، دو نہیں، تین نہیں، چار نہیں، پانچ نہیں، بار بار سنا ہے اور جو اس کو جھٹلائے اللہ اسے اس کا پانی پینا نصیب نہ کرے۔ (ابوداؤد)

تنبیہ

روایات اس باب میں، کوئی قطعی فیصلہ نہیں فرماتی ہیں کہ یہ حوض، میدان حشر میں ہے دخول جنت سے قبل جیسا کہ احادیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وہ ایک حوض ہے جس پر میری امت بروز قیامت وارد ہوگی۔ (مسلم) میں تم سے پہلے اس حوض پر پہنچا ہوا ہوں گا (بخاری) میں تم سے پہلے حوض پر پہنچنے والا ہوں اور تم پر گواہی دوں گا اور خدا کی قسم میں اپنے حوض کو اس وقت دیکھ رہا ہوں (بخاری) میں قیامت کے روز حوض کے وسط کے

پاس ہوں گا (مسلم) خبردار ہو میری اور تمہاری ملاقات کی جگہ میرا حوض ہے (احمد) ایک حدیث میں ہے کہ اس میں جنت سے دو پرنالوں کے ذریعے پانی ڈالا جاتا ہے (مسلم) ایک روایت میں ہے کہ جنت کی نہر کوثر سے، ایک نہر اس حوض کی طرف کھول دی جائے گی (احمد) اس مضمون کی بکثرت روایات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حوض میدان حشر میں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نام لیوؤں کو اس سے سیراب فرمائیں گے جبکہ ہر شخص پیاس کی شدت میں اَلْعَطَشُ اَلْعَطَشُ (پیاس پیاس) پکارتا ہوگا۔

جبکہ بعض احادیث کریمہ اس باب میں صریح ہیں کہ کوثر ایک نہر کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مرحمت فرمائی ہے (احمد) حدیث معراج بھی اسی کی تائید فرماتی ہے کہ وہ جنت میں ایک نہر ہے۔ صحابہ اور تابعین کے بکثرت اقوال بھی اسی قول کی تائید میں ہیں۔

ان روایات کی تطبیق میں کہا گیا ہے کہ اصل نہر کوثر، جنت میں ہے اور اسی کا پانی میدان حشر میں لاکر کسی حوض میں جمع کر دیا جائے گا۔ غالباً اسی کو ملحوظ رکھ کر نبراس، شرح شرح العقائد میں فرمایا وَالْاَحْسَنُ اَنَّ الْوُرُوْدَ عَلَی الْحَوْضِ مَرَّتَیْنِ قَبْلَ الصِّرَاطِ وَبَعْدَہٗ بہترین قول اسی باب میں یہ ہے کہ حوض کوثر پہ ورود، دوبار ہوگا۔ صراط پر گذرنے سے پہلے (میدان حشر میں) اور دوسری بار صراط سے گذر کر (دخول جنت کے بعد)" واللہ سبحانہ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

ایک نفیس وجلیل فائدہ

بعض احادیث میں وارد کہ جو حوض کوثر پر میرے حضور حاضر ہوگا وہ پیئے گا اور اور جو پیئے گا کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ اور کچھ لوگ آئیں گے جنہیں میں پہچانوں گا اور وہ مجھے پہچانیں گے۔ پھر مجھ تک پہنچنے سے روک دیئے جائیں گے۔ میں فرماؤں گا یہ بھی مجھ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس پر عرض کیا جائے گا۔ حضور کو خبر نہیں کہ انہوں نے حضور کے بعد کیا کیا۔ میں فرماؤں گا دور ہو دور ہو وہ جس نے میرے بعد تبدیلی کر دی۔" اس حدیث شریف سے بعض ائمہ وہابیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان باتوں کا علم نہ ذاتی تھا نہ عطائی۔" حالانکہ ہر ذی عقل جانتا ہے کہ یہ حدیث کس کی ہے۔ اس کی خبر دینے والے کون ہیں یہ بات خود حضور پرنور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم ہی تو فرما رہے ہیں کہ یوں

ہوگا اور یوں ہوگا۔ تو جب حضور ہی خود اس واقعہ کی آج اطلاع دے رہے ہیں تو علم نہ ہوگا کیا معنی بلکہ کہیئے کہ قطعاً علم ہے۔ تو حدیث ان کے مخالف ہے کہ مؤید جبکہ یہی حدیث صحیح مسلم شریف میں حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے یوں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "کچھ لوگ مجھ تک پہنچنے سے پہلے پکڑ لئے جائیں گے۔ میں عرض کروں گا۔ اے میرے رب! یہ میرے ہیں اور میرے امتی اس پر کہا جائے گا اَمَا شَعَرْتَ مَا عَمِلُوْا بَعْدَکَ۔ کیا حضور کو معلوم نہیں کہ انہوں نے حضور کے بعد کیا کیا؟ اس کے صاف معنی یہی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہے۔ یہ استفہام انکاری ہے اور نفی کی نفی اثبات۔ دوسری حدیث صحیح مسلم ہر روایت ابوہریرہ رضی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں فَيَجِيئُنِيْ مَلَكٌ فيقول وهل تدرى ما احدثوا بعدك۔ بھی بلا دقت اس کے موافق ہے۔ کلمہ ھل اثبات میں بکثرت اخبار و تقریر کے لئے آتا ہے۔ یہی حدیث اسماء صحیح بخاری میں بلفظ هَلْ شَعَرْتَ مَا عَمِلُوْا بَعْدَكَ ہے معلوم ہوا کہ یہاں ھل کا وہی مفاد ہے جو استفہام انکاری اماشعرت کا یعنی اثبات علم۔ غرض سب حدیثوں کا مطلب یہ ہوگیا کہ فرشتہ عرض کرے گا۔ حضور کو تو خود معلوم ہے کہ انہوں نے حضور کے بعد کیا کیا؟

بالخصوص جبکہ احادیث کریمہ سے روشن ہوا کہ امت کا ہر عمل بارگاہِ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں تین بار عرض کیا جاتا ہے۔ ہر رات کے عمل صبح کو۔ اور ہر دن کے شام کو۔ پھر جمعرات سے اتوار تک کے اعمال پیر کو۔ اور پیر سے بدھ تک کے جمعرات کو۔ پھر ہفتہ بھر کے اعمال جمعہ کو۔ تو جو لوگ اپنی بداعمالیوں کے باعث حوض سے روکے جائیں گے ان کے وہ اعمال کم از کم تین بار حضور پر پیش ہوئے۔ پھر یہ کہنا کہ قیامت تک یہ باتیں حضور پر ظاہر نہیں ہوں گی کیسا صریح جھوٹ اور حدیثوں کی تکذیب ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ "میری امت مجھ پر پیش کی گئی یہاں تک کہ میں ان میں ہر شخص کو اس سے زیادہ پہچانتا ہوں جیسا تم میں سے کوئی اپنے یار کو (طبرانی) مسلمانو! دیکھا تم نے کہ وہابیہ میں نفی فضائل مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی خوئے ناپاک ہے۔

(ادخال السنان ملخصاً)

---

(۹) الصراط

عقیدہ:۔ صراط حق ہے۔ یہ ایک پل ہے۔ کہ پشت جہنم پر نصب کیا جائے گا۔ بال سے زیادہ باریک۔ اور تلوار سے زیادہ تیز ہو گا۔ جنت میں جانے کا یہی راستہ ہے۔ سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم گزر فرمائیں گے پھر اور انبیاء و مرسلین۔ پھر یہ امت مرحومہ۔ پھر اور امتیں گزریں گی۔ اور حسب اختلاف اعمال پل صراط پر لوگ مختلف طرح سے گزریں گے۔ بعض تو ایسی تیزی سے گزریں گے جیسے بجلی کا کوندا۔ کہ ابھی چمکا ابھی غائب ہو گیا۔ اور بعض تیز ہوا کی طرح۔ کوئی ایسے جیسے پرند اڑتا ہے۔ اور بعض ایسے جیسے گھوڑا دوڑتا ہے اور بعض ایسے جیسے آدمی دوڑتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض شخص سرین پر گھسٹتے ہوئے اور کوئی چیونٹی کی چال جائے گا اور پل صراط کے دونوں جانب بڑے بڑے آنکڑے (اللہ ہی جانے کہ وہ کتنے بڑے ہوں گے) لٹکتے ہوں گے۔ جس شخص کے بارے میں حکم ہو گا اسے پکڑ لیں گے۔ مگر بعض تو زخمی ہو کر نجات پا جائیں گے اور بعض کو جہنم میں گرا دیں گے اور یہ ہلاک ہوا۔

تشریح:۔ مولیٰ عزوجل ارشاد فرماتا ہے وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا "اور تم میں کوئی ایسا نہیں جس کا گزر دوزخ پر نہ ہو"۔ یعنی دوزخ سے گذر تو بہر حال سب ہی کا ہو گا۔ نیک ہو یا بد یہ اور بات ہے کہ نیک سلامت رہیں اور اس سے انہیں ضرر ذرا بھی نہ پہنچے جس طرح خود ملائکہ دوزخ کو، دوزخ سے تکلیف مطلق نہ ہو گی جیسا کہ بعد والی آیت بتا رہی ہے کہ جو مومن کامل ہیں انہیں تو کسی تکلیف کی ہوا بھی نہ لگنے پائے گی۔ بلکہ دوزخ کی حالت کا معائنہ، اور پھر اس سے اپنی محفوظیت کا تقابل، تو اور زیادہ ان میں فرح و سرور کی کیفیت پیدا کر دے گا۔ بلکہ جب ان کا گزر دوزخ پر ہو گا تو دوزخ سے صدا اٹھے گی کہ جُزْ یَا مُؤْمِنُ فَاِنَّ نُوْرَكَ اَطْفَأَ لَهَبِيْ (طبرانی) اے مومن گزر جا کہ تیرے نور نے میری لپٹ سرد کر دی؛ البتہ جو مومنین ناقص ہیں، انہیں کچھ تکلیف اٹھانے کے بعد ہی نجات ملے گی۔ اور وہ جو بالکل ظالم ہیں کافر ہی ہیں وہ اس میں جھونک دیئے جائیں گے وہ اس میں پڑے سڑا کریں گے۔ حسن وقتادہ سے مروی ہے کہ دوزخ پر گزرنے سے مراد، پل صراط سے گزرنا ہی ہے جو دوزخ پر ہے۔ (خزائن العرفان وغیرہ)

کرم مصطفٰے کی تجلیاں

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم

یہ تمام اہل محشر تو پل سے گذرنے میں مشغول۔ مگر وہ بے گناہ، گناہگاروں کا شفیع، پل کے کنارے کھڑا ہوا بہ کمال گریہ وزاری، اپنی امت عاصی کی نجات کی فکر میں اپنے رب سے دعا کر رہا ہے۔ رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ۔ الٰہی انہیں سلامتی سے پار اتار۔ الٰہی ان گناہگاروں کو بچالے۔ الٰہی ان سیاہ کاروں کو سلامت رکھ۔

اور ایک اسی جگہ کیا، حضور اس دن، کہ باپ بیٹے سے بھاگتا ہے۔ بیٹا باپ کو نہیں پہچانتا جن سے کچھ امید تھی وہ سب جواب دے چکے۔ ہاتھ پاؤں چھوٹ گئے۔ ٹوٹی ہوئی کمریں اور اوپر سے گناہوں کا بوجھ۔ گرے تو اٹھا نہیں جاتا۔ پھسلے تو سنبھلنا کیسا۔ اب ان سب کا بار ان پر آن پڑا۔ ایک اکیلی جان اور جہان بھر کا سامان، وہ اس روز تمام مواطن کا دورہ فرماتے رہیں گے۔ کبھی میزان پر تشریف لے جائیں گے۔ میزان قائم ہے نامۂ اعمال کھولے جا رہے ہیں ہنگامۂ دار وگیر گرم ہے اور وہ وہاں، جس کے حسنات میں کمی دیکھیں گے اس کی شفاعت فرما کر نجات دلوائیں گے۔ اور فوراً ہی دیکھو تو حوض کوثر پر جلوہ فرما ہیں پیاسوں کو سیراب فرما رہے ہیں۔ پانی بد بد تو ہی پلائیں۔ ادھر نہیں جاتے تو خدا جانے آفت رسیدوں پر کیا گزرے کون سا پلہ بھاری ٹھہرے۔ ادھر نہ آئیں تو یہ بیکس بے یار وبے مددگار، برباد ہو جائیں۔ پھر وہاں سے پل پر رونق افروز ہوئے اور گرتوں کو بچایا۔ غرض ہر جگہ انہیں کی دہائی۔ ایک ان کا دم، اور جہان بھر کی خبر گیری۔ اتنا عظیم ازدہام اور اس قدر مختلف کام۔ اور اس درجہ فاصلوں پر مقام۔ اور انہیں ایک ایک، اس سے زیادہ پیارا، جیسے ماں کا اکلوتا بچہ۔ دل پر ہجوم آلام۔ زبان پر خدا کا نام۔ آنکھوں سے اشک رواں اور ہر طرف بتیابانہ دواں۔ ادھر گرتے کو سنبھالا ادھر ڈوبتے کو نکالا۔ یہاں روتے کے آنسو پونچھے وہاں جلتے کو بچایا۔ غرض ہر جگہ انہیں کی دہائی ہر شخص انہیں کو پکارتا۔ انہیں سے فریاد کرتا ہے۔ اور ان کے سوا کس کو پکارے کہ ہر ایک اپنی فکر میں ہے۔ دوسروں کو کیا پوچھے، صرف ایک یہی ہیں جنہیں اپنی کچھ فکر نہیں اور تمام عالم کا بار ان کے ذمے۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ ھُوَ مَحْبُوْبٌ وَّ مَرْضِیٌّ لَّدَیْہِ، وَبَارَکَ وَسَلَّمْ۔

ان تمام مرحلوں کے بعد اب بنی آدم کو ہمیشگی کے گھر میں جانا ہے۔ کسی کو آرام کا گھر ملے گا جس کی آسائش کی کوئی انتہا نہیں اس کو جنت کہتے ہیں۔ کسی کو تکلیف کے گھر میں جانا پڑے گا جس کی تکلیف کی کوئی حد نہیں۔ اسے جہنم کہتے ہیں۔

جنت کا بیان

اہل ایمان کے لئے، ان کی طاعات پر ثواب اور انعامات کی خاطر، اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ بنائی ہے جس میں تمام قسم کی جسمانی و روحانی لذتوں کے وہ تمام سامان مہیا فرمائے ہیں جو شاہاں ہفت اقلیم کے تصور و خیال و وہم میں بھی نہیں آ سکتے۔ اسی کا نام جنت ہے۔ جو کوئی مثال ان نعمتوں کی تعریف میں دی جائے وہ محض تقریب فہم یعنی سمجھانے کے لئے ہے، ورنہ دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ شے کو جنت کی کسی چیز کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں۔ ظاہر ہے کہ جن نعمتوں کو نہ آنکھوں نے دیکھا، نہ کانوں نے سنا، نہ کسی آدمی کے دل پر بے دیکھے ان کا خطرہ گذرا تو وہ تمثیل و تشبیہ سے اپنی پوری حقیقت ثابتہ کے ساتھ کیونکر نگاہوں میں سما سکتی اور ذہنوں میں جگہ پا سکتی ہیں اس لئے کوئی انسانی دماغ پورا تصور بھی ان راحتوں اور مسرتوں کا نہیں کر سکتا اور جنت کی نعمتوں کا پورا اندازہ، انسان کو اپنے ان ناسوتی حواس کے ساتھ ہو ہی نہیں سکتا۔

جنت کے لفظی معنی ہر اس باغ کے ہیں جس کے درخت زمین کو چھپالیں۔ اور اصطلاح شرع میں مراد وہ عظیم الشان باغ ہے جو بے شمار نعمتیں لئے ہوئے، عالم آخرت میں اہل ایمان کے لئے مخصوص ہے اور آج ہماری نگاہوں سے مستور۔ اس کا نام "جنت" اس لئے پڑا کہ وہ دنیا کے باغوں سے مشابہ ہے، گو مشابہت، بہت دور کی سہی۔ اور یا اس لئے کہ اس کی نعمتیں ابھی مستور ہیں۔

عقیدہ: جنت و دوزخ حق ہیں۔ ان کا انکار کرنے والا کافر ہے۔

عقیدہ: جنت و دوزخ کو بنے ہوئے ہزارہا سال ہوئے اور وہ اب موجود ہیں۔ یہ نہیں کہ اس وقت مخلوق نہ ہوئیں۔ قیامت کے دن بنائی جائیں گی۔

عقیدہ: قیامت و بعث و حشر و ثواب و عذاب و حساب کتاب و جنت و دوزخ۔ سب کے وہی معنی ہیں جو مسلمانوں میں مشہور ہیں۔ جو شخص ان چیزوں کو تو حق کہے مگر ان کے نئے معنی گڑھے مثلاً

ثواب کے معنی، اپنے حسنات کو دیکھ کر خوش ہونا اور عذاب کے معنی اپنے برے اعمال کو دیکھ کر غمگین ہونا۔ بتائیے یا کہے کہ حشر فقط روحوں کا ہوگا، وہ حقیقۃً ان چیزوں کا منکر ہے اور ایسا شخص کافر ہے۔ ہمارے بلاد یا دیگر ممالک و امصار میں جن جدید اہل علم نے جنت کی جسمانی لذات کی تاویلیں کرکر کے انہیں خواہ مخواہ بدل دینا چاہا ہے وہ درحقیقت خود مسیحیت اور دوسرے باطل نظریات سے کسی حد تک مرعوب وادئ ضلالت و کفر میں محصور اور روشنی اسلام سے محروم ہیں۔ قرآن کریم بار بار صراحۃً یہ بات بیان فرما رہا ہے کہ اہل جنت کو ہر نعمت، ہر سرور، ہر لذت، مادی و معنوی جسمانی و روحانی ہر قسم کی حاصل ہوں گی۔ اس میں کوئی استثناء نہیں۔ پھر یہ نعمتیں علاوہ بے اندازہ و بے حساب ہونے کے، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دائمی ہوں گی جن کے قطع ہونے اور جن سے بے دخل کیے جانے کا کبھی خطرہ ہی نہیں۔

جنت کی نعمتیں

اس باب میں یہ بات خوب ذہن نشین رکھیں کہ اہل جنت کو دی جانے والی نعمتوں کے متعلق قرآن کریم کی گواہی ہے اور صاف صریح الفاظ میں کہ:۔ وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ ۔ "اور وہاں وہ سب کچھ ہے جو جی چاہے اور جس سے آنکھ کو لذت پہنچے"۔ نفس اور عین کی لذات، اور ہر من بھاتی اور آنکھوں میں سماتی لذتوں، کا اہل جنت کے لئے میسر آنا، اس آیت کریمہ میں صاف صریح الفاظ میں بیان فرمانا، بتا رہا ہے کہ وہاں ہر حسی اور بصری نعمتیں موجود ہوں گی اور اس صراحت نے ان باطل پرستوں، مغرب کی خوشنودی کے لئے، من گھڑت تفسیریں کرنے والوں کی جڑ کاٹ دی جو یہ سمجھے اور سمجھاتے ہیں کہ جنت صرف روحانی کیفیات کا محل ہے اور لذات مادی کا وہاں وجود بھی نہ ہوگا۔

یوہیں قرآن کریم نے ارشاد فرمایا کہ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ۔ اور تمہارے لئے ہے اس (جنت) میں جو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لئے اس میں (ہر وہ کرامت ونعمت اور لذت وراحت) ہے جو تم مانگو"

ان الفاظ کا عموم اور جامعیت تو ملاحظہ فرمائیں" ارشاد ہو رہا ہے کہ جو کچھ بھی تم طلب کروگے

ہر چیز تمہارے لئے حاضر و مہیا ہو گی۔ اور اس میں ساری ہی مادی و روحانی لذتیں اور حسی و معنوی راحتیں آ گئیں۔ اس پر مزید کرم یہ کہ فرمایا کہ "جو کچھ تمہارا جی چاہے گا وہ بھی" خواہ زبان سے مانگو یا نہ مانگو۔ حق ہے کہ مومن ناظران بشارتوں کو پڑھ کر وجد میں آ جائے "مَا تَشْتَهِيْ اَنْفُسُكُمْ"، اس کے اندر وہ ساری لذتیں اور راحتیں آ گئیں، جن کی طلب انسان کے لئے طبعی و اضطراری ہے۔ اور مَا تَدَّعُوْنَ کے تحت میں وہ ساری نعمتیں۔ کرامتیں، عزتیں، مرحمتیں شامل ہیں، جن کی طلب انسان کے لئے عقلی و اختیاری ہے۔

تو جنت کی ایک خاص اور امتیازی خصوصیت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ وہ جگہ ایسی ہوگی جہاں سب کچھ انسان کی اپنی مرضی و خواہش کے مطابق ہو گا۔ جو ہوا بھی چلے گی اس کی مرضی کے موافق جو موسم بھی وہ چاہے گا وہی پیدا ہو جائے گا۔ جو غذا بھی وہ چاہے گا وہی حاضر ہو گی۔ جو مشغلہ اسے پسند ہو گا وہی اس کے لئے موجود ہو گا۔ وعلیٰ ہذا۔

پھر یہ بے انداز و بے حساب ملیں گی بھی، تو اس طرح نہیں جیسے سائل یا گداگر کو بھیک مل جایا کرتی ہے بلکہ بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ ملیں گی جیسے معزز مہمان کو، کریم میزبان کی طرف سے پیش ہوتی رہتی ہیں نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ۔ مہربانی بخشش والے مہربان کی طرف سے۔

غفور رحیم کی مرحمتوں، مہربانیوں اور بخششوں کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ اب ان بخششوں کرامتوں۔ مہربانیوں اور نعمتوں کا قدرے بیان بھی سن لیں، جن کا ذکر، احادیث کریمہ کے علاوہ قرآن کریم کی صدہا آیات میں آیا ہے:۔

(۱) جنتی لوگ ہمیشہ کے سایوں میں ہوں گے۔

(۲) ایک ایک جنتی کے لئے چار چار باغ ہوں گے۔

(۳) اور ان باغوں میں شراب طہور، کبھی خراب نہ ہونے والے دودھ، صاف کئے ہوئے شہد اور ٹھنڈے خوشگوار پانی کی نہریں ہیں۔

(۷ تا ۱۱) ان میں کھجور۔ انار۔ انگور۔ کیلے۔ اور ہر قسم کے میوے ہیں۔

(۱۲ تا ۱۳) ان باغوں میں خیمے استادہ ہیں اور ان میں بالا خانوں کے اوپر بالا خانے بنے ہیں۔

(۱۴) ان باغوں میں پردہ نشین، نوخیز، بڑی بڑی آنکھوں والی، ایک عمر والی حوریں ہیں جو اپنے شوہروں پر

پیاری ۔ انیس، پیار دلاتی ہیں۔ ان کو ان کے شوہر ہمیشہ کوآری پائیں گے ، عادت کی نیک ، صورت کی حسین ہوگی۔ حسن و لطافت میں یاقوت و مرجان کی مثل ہوں گی۔ ان کے حسن کی چمک دمک چھپے ہوئے موتیوں کی آب و تاب، کی طرح ہو گی۔ ان کو ان کے شوہروں سے پہلے نہ کسی آدمی نے ہاتھ لگایا ہوگا نہ کسی جن نے۔

(۵) ان میں جنتیوں کی خدمت کے لئے ، نہایت خوبصورت ، کمسن ، لڑکے ہوں گے جو کبھی جنتیوں کی خدمت سے نہ تھکیں گے اور نہ کبھی ان کی خوبصورتی و کمسنی میں فرق آئے گا ۔

(۱۶ تا ۲۰) وہ غلمان جنتیوں کے گرد ۔ کوزے ، آفتابے ، جام ، اور چاندی سونے کے برتن لئے پھریں گے

(۲۱) ان باغوں میں آنکھوں کے سامنے بہتی شراب ہوگی جس سے نہ تو سر میں درد ہوگا نہ ہوش میں فرق آئے گا ۔

(۲۲ تا ۲۳) ان میں پسند کے مطابق میوے ، مرضی کے موافق پرندوں کے گوشت ہوں گے ۔

(۲۴) ہر ایک برتن میں کھانا پینا ، اندازے کے مطابق بھرا ہوگا ۔ جو خواہش سے نہ تو زائد ہوگا نہ کم ۔

(۲۵) وہ باغ نہایت سبزی کے سبب ، سیاہی کی جھلک دے رہے ہوں گے ۔

(۲۶) ان کے سائے جنتیوں پر جھکنے والے ہوں گے کہ جنتی جس طرف جائے گا ۔ جنت کے درخت کا سایہ ، اسی طرف جھک جایا کرے گا ۔

(۲۷) ان کے گچھے ، جھکا کر نیچے کر دیئے گئے ہوں گے کہ جب جنتی کوئی میوہ کھانا چاہے گا ، اس کی شاخ اس کے منہ تک ، جھک کر نیچی ہو جایا کرے گی ۔

(۲۸) ان باغوں میں نہ دھوپ کی حدت ہوگی ۔ نہ سردی کی شدت ۔

(۲۹ تا ۳۴) جنتیوں کو سبز کریب کے قریب اور قنا دیز کے دبیز ریشمی کپڑے ۔ اور سونے چاندی کے کنگن اور موتیوں کے زیور پہناتے جائیں گے ۔

(۳۵ تا ۳۷) اونچے اونچے جڑاؤ تختوں پر ، ایسے ریشمی نرم بچھونوں پر ، جن کا استر قنا دیز کا ہوگا ۔ اور خوبصورت منقش چاندنیوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے ۔

(۳۸) اہل جنت ، جنت میں پہلی موت کے سوا ، پھر موت نہ چکھیں گے ۔

(۳۹) ان کے سینے کینہ و کدورت سے پاک ہوں گے اور سب اہل جنت ، آپس میں ایک دوسرے کی طرف سے بالکل صاف دل ہو کر ، آپس میں شیر و شکر ہو کر رہیں گے ۔

(۴۰) اہل جنت سے ارشاد خداوندی ہوگا کہ تمہیں اس وقت بھی ہر مکروہ سے سلامتی ہے اور آئندہ بھی کسی شر کا اندیشہ نہیں عیش جنت کے دوام کے باوجود، وہاں تکان مطلق نہ ہوگا اور جبین کی تازگی ہمیشہ ان کے چہروں سے روشن ہوگی۔

قرآن کریم کی آیات کریمہ کے ان مضامین بالاکی روشنی میں یہ بات بالکل عیاں، اور آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہے کہ جنت کو روحانی مسرت قرار دے کر اس کا راگ الاپنے والے، اسلام سے دور کفر وضلالت کی وادیوں میں بھٹک رہے ہیں۔ اور ایسوں کی پیروی کرنے والے، بھی ان کے ساتھ عذاب الٰہی کے مستحق ہیں۔ مولائے کریم صدقہ اپنے حبیب رؤف ورحیم کا، ایسے "دوست نما دشمنان اسلام سے اپنی پناہ میں رکھے اور ہر فتنہ وفتین سے ہمیشہ بچائے۔ آمین۔

فائدہ:۔ مسلمان عمر بھر کتنی ہی تنگی ومصائب میں رہے ایک ہوا جنت کی دیں گے اور پوچھیں گے تم نے دنیا میں کیا تکلیف اٹھائی کہے گا، واللہ کوئی تکلیف نہ اٹھائی۔" اور کافر کو ہزار برس تک ناز ونعم میں رکھا جائے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ گرم ہوا بھی نہ لگنے پائے۔ قبر میں ایک جھونکا اسے جہنم کا دیں گے۔ کہے گا۔ "واللہ مجھے دنیا میں کوئی آرام نہ ملا۔" (الملفوظ ۴)

اور احادیث کریمہ کے مطالعہ سے روشن کہ

(۱) جنت میں سو درجے ہیں۔ ہر دو درجوں میں وہ مسافت ہے جو زمین وآسمان کے درمیان ہے۔ اور خود اس درجہ کی مسافت کے بارے میں وارد کہ اگر تمام عالم (ارب درارب، کھرب درکھرب) ایک درجہ میں جمع ہو تو سب کے لئے وسیع ہے۔

(۲) جنت میں قسم قسم کے جواہر کے محل ہیں۔ ایسے صاف شفاف کہ اندر کا حصہ باہر سے اور باہر کا اندر سے دکھائی دے۔

(۳) جنت کی دیواریں، سونے اور چاندی کی اینٹوں اور مشک کے گارے سے بنی ہیں۔ زمین زعفران کی۔ کنکریوں کی جگہ موتی اور یاقوت۔

(۴) جنت میں ایک ایک موتی کا خیمہ ہوگا۔ جس کی بلندی ساٹھ میل ہوگی۔

(۵) جنت کی نہریں جو ہر ایک جنتی کے مکان میں جاری ہیں، ان کا ایک کنارہ موتی کا، دوسرا یاقوت

کا ہے اور نہروں کی زمین، خالص مشک کی۔

(۶) وہاں نجاست گندگی پاخانہ پیشاب وغیرہ بلکہ بدن کا میل اصلاً نہ ہوگی۔ ایک خوشبودار فرحت بخش ڈکار آئے گی، خوشبودار فرحت بخش پسینہ نکلے گا اور سب کھانا ہضم ہو جائے گا اور ڈکار اور پسینے سے مشک کی خوشبو نکلے گی۔

(۷) ہر وقت زبان سے تسبیح و تکبیر، بالقصد اور بلا قصد، مثل سانس کے جاری ہوگی۔

(۸) ہر شخص کے سرہانے، کم از کم دس ہزار خادم کھڑے ہوں گے۔ قسم قسم کی نعمتوں کے ساتھ۔

(۹) ہر نوالے میں ستر مزے ہوں گے اور ہر مزہ دوسرے سے ممتاز۔

(۱۰) پہلا گروہ جو جنت میں جائے گا، ان کے چہرے ایسے روشن ہوں گے جیسے چودھویں رات کا چاند۔ اور دوسرا گروہ جیسے کوئی نہایت روشن ستارہ۔

(۱۱) سر کے بال اور پلکوں اور بھوؤں کے سوا، جنتی کے بدن پہ کہیں بال نہ ہوں گے۔ سب بے ریش ہوں گے، سرمگیں آنکھیں ہمیشہ تیس برس کی عمر کے معلوم ہوں گے۔

(۱۲) ادنیٰ جنتی کے لئے اسی ہزار خادم اور بہتر بیبیاں ہوں گی اور ان کو ایسے تاج ملیں گے کہ ان میں کا ادنیٰ موتی، مشرق و مغرب کو روشن کر دے۔

(۱۳) اگر مسلمان اولاد کی خواہش کرے گا تو اس کا حمل اور پوری عمر (یعنی تیس سال کی) خواہش کرتے ہی ایک ساعت میں ہو جائے گی۔

(۱۴) جب کوئی بندہ جنت میں جائے گا تو اس کے سرہانے اور پائنتی میں، دو حوریں نہایت اچھی آواز سے گائیں گی۔ مگر ان کا گانا، یہ شیطانی مزامیر نہیں بلکہ اللہ عزوجل کی حمد و پاکی ہوگا۔ وہ ایسی خوش گلو ہوں گی، کہ مخلوق نے ویسی آواز کبھی نہ سنی ہوگی اور یہ بھی گائیں گی کہ ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں۔ کبھی نہ مریں گے۔ ہم چین والیاں ہیں کبھی تکلیف میں نہ پڑیں گے۔ ہم راضی ہیں ناراض نہ ہوں گے۔ مبارکباد اس کے لئے جو ہمارا اور ہم اس کے ہوں۔

(۱۵) جنت میں نیند نہیں کہ نیند ایک قسم کی موت ہے اور جنت میں موت نہیں۔

(۱۶) جنتی باہم ملنا چاہیں گے تو ایک کا تخت دوسرے کے پاس چلا جائے گا یا نہایت اعلیٰ درجہ کی سواریوں پر۔

(۱۷) سب سے کم درجہ کا جو جنتی ہے اس کے باغات بی بیاں اور نعمتیں اور خدام، ہزار برس کی مسافت تک ہوں گے۔

وجہ کریم کی زیارت

سب سے اعظم و اعلیٰ نعمت جو مسلمانوں کو نصیب ہوگی وہ اللہ عزوجل کا دیدار ہے کہ اس کے برابر کوئی نعمت نہیں۔ جسے ایک بار دیدار میسّر ہوگا۔ ہمیشہ ہمیشہ اس کے ذوق میں مستغرق رہے گا۔ کبھی نہ بھولے گا۔ سب سے پہلے دیدارِ الٰہی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہوگا۔

جنتی جب جنت میں چلے جائیں گے۔ ہر ایک اپنے اعمال کی مقدار سے مرتبہ پائے گا اور اس کے فضل کی انتہا نہیں۔ پھر انہیں دنیا کے ایک ہفتہ کی مقدار کے بعد اجازت دی جائے گی کہ اپنے پروردگار کی زیارت کریں۔ اور عرشِ الٰہی ظاہر ہوگا اور رب عزوجل جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں تجلی فرمائے گا۔ جنتیوں کے لئے منبر بچھائے جائیں گے۔ نور کے منبر۔ موتی کے منبر۔ یاقوت کے منبر۔ زبرجد کے منبر۔ سونے کے منبر۔ چاندی کے منبر۔ اور ان میں کا ادنیٰ مشک وکافور کے ٹیلے پر بیٹھے گا۔ اور ان میں ادنیٰ کوئی نہیں اپنے گمان میں کرسی والوں کو کچھ اپنے سے بڑھ کر نہ سمجھیں گے۔ اور خدا کا دیدار ایسا صاف ہوگا۔ جیسے آفتاب اور چودھویں رات کے چاند کو، ہر ایک اپنی اپنی جگہ سے دیکھتا ہے کہ ایک کا دیکھنا دوسرے کیلئے مانع نہیں۔

اللہ عزوجل ہر ایک پر تجلّی فرمائے گا۔ ان میں سے کسی کو فرمائے گا اے فلاں بن فلاں! تجھے یاد ہے جس دن تو نے ایسا ایسا کیا تھا۔ دنیا کے معاصی یاد دلائے گا۔ بندہ عرض کرے گا "تو اے رب! کیا تو نے مجھے بخش نہ دیا۔" فرمائے گا "ہاں میری مغفرت کی وسعت ہی کی وجہ سے تو اس مرتبہ کو پہنچا۔"

وہ سب اسی حالات میں ہوں گے کہ ابر چھائے گا اور ان پر خوشبو برسائے گا کہ اس کی سی خوشبو، ان لوگوں نے کبھی نہ پائی تھی اور عزوجل فرمائے گا کہ "جاؤ اس کی طرف، جو میں نے تمہارے لئے عزت تیار کر رکھی ہے۔ جو چاہو لو" پھر لوگ ایک بازار میں جائیں گے جسے ملائکہ گھیرے ہوئے ہیں۔ اس میں وہ چیزیں ہوں گی کہ ان کی مثل نہ آنکھوں نے دیکھی نہ کانوں نے سنی۔ نہ قلوب پر ان کا خطرہ گزرا۔ اس میں سے جو چاہیں گے ان کے ساتھ کر دی جائے گی اور خرید و فروخت نہ ہوگی۔ اور جنتی اس بازار میں باہم ملیں گے۔ چھوٹے مرتبے والا بڑے مرتبے والے کو دیکھے گا۔ اس کا لباس پسند کرے گا ہنوز گفتگو ختم بھی نہ ہوگی کہ خیال کرے گا

میرا لباس اس سے اچھا ہے۔ اور یہ اس وجہ سے کہ جنت میں کسی کے لئے غم نہیں۔

پھر وہاں سے اپنے اپنے مکانوں کو واپس آئیں گے۔ ان کی بی بیاں استقبال کریں گی اور مبارکباد کہیں گی کہ آپ واپس ہوئے اور آپ کا جمال پہلے سے بہت زائد ہے کہ آپ ہمارے پاس سے گئے تھے۔ جواب دیں گے کہ پروردگار جبار کے حضور بیٹھنا ہمیں نصیب ہوا تو ہمیں ایسا ہی ہو جانا سزاوار تھا۔ اور ان میں اللہ عزوجل کے نزدیک سب میں معزز وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے وجہ کریم کے دیدار سے صبح شام مشرف ہوگا۔ جب جنتی جنت میں جالیں گے اللہ عزوجل ان سے فرمائے گا کچھ اور چاہتے ہو جو تم کو دوں۔" عرض کریں گے" تو نے ہمارے منہ روشن کئے۔ جنت میں داخل کیا۔ جہنم سے نجات دی۔" اس وقت پردہ کہ مخلوق پر تھا اٹھ جائے گا تو دیدار الٰہی سے بڑھ کر انہیں کوئی چیز نہ ملی ہوگی۔

لطائف الاحادیث

(۱) قیامت کے روز دو بندے، دوزخ سے نکالے جائیں گے رب عزوجل فرمائے گا جو کچھ تمہیں پہنچا تمہارے اعمال کا بدلہ تھا میں کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ تم پھر جہنم میں چلے جاؤ۔" ان میں سے ایک، تو دوڑتا ہوا جہنم کی طرف جائے گا اور دوسرا آہستہ۔ حکم ہوگا "واپس لاؤ اور اس شتابی اور آہستگی کا سبب پوچھو۔ جلدی کرنے والا عرض کرے گا "اے رب میرے! نافرمانی کے سبب یہ سب کچھ دیکھ چکا تھا۔ کیا اب بھی نافرمانی کرتا۔" دوسرا عرض کرے گا الٰہی مجھے امید نہ تھی کہ جہنم سے نکال کر مجھے پھر اس میں بھیجے گا: حکم ہوگا۔" دونوں کو جنت میں لے جاؤ۔"

(۲) ایک بندہ حاضر ہوگا رب العزت کا حکم ہوگا۔ اس کا نامۂ اعمال اسے دیا جائے گا تو حد نگاہ تک طویل، اور سراپا، گناہوں سے بھرا ہوگا۔ اپنا نامۂ اعمال خود پڑھے گا اس میں صغائر و کبائر سب لکھے ہوں گے۔ یہ چھوٹے چھوٹے گناہ ظاہر کرے گا اور کبائر کو چھوڑتا جائے گا۔ رب العزت فرمائے گا۔ پڑھ لیا۔ کہے گا ہاں سب پڑھ لیا۔ فرمائے گا "اے میرے فرشتو! اس کے ہر گناہ کے بدلے ایک نیکی لکھو۔ اس وقت چلا اٹھے گا کہ الٰہی میرے بڑے گناہ تو رہ ہی گئے۔ میں نے تو صرف صغائر پڑھے۔" یہ سب صدقہ ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا۔

روز قیامت، داروغۂ دوزخ علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

۲ شفاعتیں دیکھ کر عرض کر دیں گے۔ حضور نے اپنی امت میں غضب الٰہی کا کوئی حصہ نہ چھوڑا۔

(الملفوظ ۲)

(۳) اہل جنت کے جنت میں دخول کے بعد ایک شخص ایسا بھی رہ جائے گا جو نہ جنت میں ہوگا نہ دوزخ میں، البتہ ان کا منہ جہنم کی طرف ہوگا۔ وہ بارگاہ الٰہی میں عرض کرے گا اے میرے رب! میرا منہ جہنم سے پھیر دے۔ اس کی بدبو نے مجھے بڑی اذیت میں ڈال رکھا ہے اور اس کی تپش مجھے جلائے دے رہی ہے۔ ارشاد ہوگا "ایسا تو نہیں ہوگا کہ تیرا مقصود، تجھے مل جائے تو پھر اور کچھ مانگنے لگے" عرض کرے گا "نہیں تیری عزت کی قسم (اور کچھ نہیں مانوں گا) اور اللہ سے عہد و پیمان کرے گا مولائے کریم اس کا رخ، جہنم کی بجائے جنت کی طرف کر دے گا۔ اب وہ جنت کی تر و تازگی دیکھے گا۔ اور جب تک اللہ چاہے گا وہ خاموش رہے گا۔ اور پھر عرض کرے گا۔ اے میرے رب بس ذرا جنت کے دروازے کے قریب کر دے" مولائے کریم فرمائے گا "کیا ابھی تو نے عہد و پیمان نہ کیا تھا کہ اور کچھ طلب نہ کروں گا عرض کرے گا۔ رب مجھے اپنی مخلوق میں سب سے بڑھ کر بدبخت تو نہ بنا" ارشاد ہوگا "اچھا اگر ایسا کر دیا جائے تو پھر اور کچھ تو نہ طلب کرے گا" عرض کرے گا۔ نہیں میرے مولی نہیں۔" اور پھر عہد و پیمان کرے گا۔ چنانچہ اسے دروازۂ جنت کے قریب کر دیا جائے گا۔ اب اس کے سامنے جنت کی بہاریں اور نعمتیں اور خوشیاں ہوں گی۔ لیکن خاموش رہے گا جب تک اللہ چاہے گا۔ آخر عرض کرے گا "اے میرے خدا! مجھے جنت ہی میں داخل فرما دے" ارشاد ہوگا "آخر کون سی چیز تجھے اس عہد شکنی پر آمادہ کر رہی ہے۔ ابھی تو نے عہد و پیمان کیا تھا کہ کچھ اور نہ مانگے گا" عرض کرے گا "الٰہی مجھے مخلوقات میں سب سے بڑا بدبخت نہ بنا (کہ سب جنت میں ہوں اور میں اس سے باہر) وہ برابر دعا کرتا رہے گا یہاں تک کہ رحمت الٰہی کو جوش آئے گا اور اسے جنت میں داخلہ کی اجازت مل جائے گی اور پھر اس سے فرمایا جائے گا "اور جو خواہش ہو وہ ظاہر کر۔ اب وہ اپنی خواہشات بیان کرے گا یہاں تک کہ کوئی خواہش باقی نہ رہے گی تو ارشاد ہوگا "فلاں فلاں خواہش اور کر۔ رحمت الٰہی اس کے دل میں خواہشیں پیدا فرمائے گی اور انہیں پورا فرما کر ارشاد ہوگا۔ اتنی ہی نعمتیں تیرے لئے اور ایک روایت میں ہے۔ اس سے دس گنا اور تیرے لئے۔

---

(۱۲) دوزخ کا بیان

یہ ایک مکان ہے کہ اس قہار و جبار کے جلال و قہر کا مظہر ہے۔ جس طرح اس کی رحمت و نعمت کی انتہاء نہیں، اسی طرح اس کے غضب و قہر کی کوئی حد نہیں کہ ہر وہ تکلیف واذیت جو سرکشوں، باغیوں اور ڈھیٹ نافرمانوں کے لئے ادراک کی جاسکتی ہے ایک ادنیٰ حصہ ہے اس کے بے انتہا عذاب کا۔ جہنم یعنی دوزخ میں تمام قسم کے اذیت دہ، طرح طرح کے وہ عذاب مہیا کئے گئے ہیں جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور حواس گم۔

البتہ وہ سب گناہگار جنہوں نے سچے اعتقاد سے کلمہ طیبہ پڑھا تھا اور ایمان و یقین کا انہیں حصہ ملا تھا، کچھ مدت کے بعد، اپنے اپنے عمل کے موافق، سزا پاکر، یا انبیائے کرام و ملائکہ و صالحین کی شفاعت سے اور آخر میں براہ راست اس ارحم الراحمین کی مہربانی سے، دوزخ سے نکال لئے جائیں گے صرف کافر باقی رہ جائیں گے اور دوزخ کا منہ بند کر دیا جائے گا۔ دوزخیوں کے چہرے سیاہ، بے رونق اور آنکھیں نیلی ہوں گی۔

قرآن مجید اور احادیث میں دوزخ کی جو سختیاں مذکور ہیں اور جن کا اجمالاً بیان آگے آتا ہے اسے مسلمان دیکھیں اور اس سے پناہ مانگیں اور ان اعمال سے بچیں جن کی جزا جہنم ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو بندہ جہنم سے پناہ مانگتا ہے جہنم کہتا ہے "اے رب! یہ مجھ سے پناہ مانگتا ہے تو اس کو پناہ دے" قرآن مجید میں بکثرت ارشاد ہوا کہ جہنم سے بچو۔ دوزخ سے ڈرو۔ ہمارے آقا و مولیٰ کہ سید المعصومین ہیں ہماری تعلیم کے لئے بکثرت جہنم سے پناہ مانگتے۔

جہنم کے شرارے (پھول) اونچے اونچے محلوں کی برابر اڑیں گے گویا زرد اونٹوں کی قطار کہ پیہم آتے رہیں گے۔ آدمی اور پتھر اس کا ایندھن ہے۔ یہ جو دنیا کی آگ ہے اس آگ کے ستر جزوں میں سے ایک جز ہے۔ جس کو سب سے کم درجہ کا عذاب ہوگا اسے آگ کی جوتیاں پہنا دی جائیں گی۔ جس سے اس کا دماغ ایسا کھولے گا جیسے تانبے کی پتیلی کھولتی ہے۔ وہ سمجھے گا کہ سب سے زیادہ عذاب اسی پر ہو رہا ہے حالانکہ اس پر سب سے ہلکا ہے۔ سب سے ہلکے درجہ کا، جس پر عذاب ہوگا۔ اس سے اللہ عزوجل پوچھے گا کہ اگر ساری زمین تیری ہو جائے تو کیا اس عذاب سے بچنے کے لئے تو سب فدیہ میں دے گا

عرض کرے گا "ہاں" فرمائے گا "جب تو پشت آدم میں تھا تو ہم نے اس سے بہت آسان چیز کا حکم دیا تھا کہ کفر نہ کرنا۔ مگر تو نے نہ مانا۔ جہنم کی آگ ہزار برس تک دہکائی گئی یہاں تک کہ سرخ ہو گئی پھر ہزار برس اور، یہاں تک کہ سفید ہو گئی۔ پھر ہزار برس اور یہاں تک کہ سیاہ ہو گئی۔ تو اب وہ بالکل سیاہ ہے جس میں روشنی کا نام نہیں۔ دوزخ کی گہرائی کو خدا ہی جانے کہ کتنی گہری ہے۔ پھر اس میں مختلف طبقات، مختلف وادیاں اور مختلف کوئیں ہیں۔ بعض وادی ایسی ہیں کہ جہنم بھی ہر روز ستر مرتبہ یا زیادہ ان سے پناہ مانگتا ہے۔ یہ خود اس مکان کی حالت ہے اگر اس میں کچھ اور عذاب نہ ہوتا تو یہی کیا کم تھا مگر کفار کی سرزنش کے لئے اور طرح طرح کے عذاب مہیا کئے گئے ہیں۔ لوہے کے ایسے بھاری گرزوں سے فرشتے ماریں گے کہ اگر کوئی گرز زمین پر رکھ دیا جائے تو تمام جن و انس جمع ہو کر اس کو نہیں اٹھا سکتے۔

جہنم میں عقوبتوں کا مجمل بیان

قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں صدہا مقامات پر، مصائب جہنم کی تفصیل بیان فرمائی گئی ہے ان کا مختصر اور اجمالی ذکر یہ ہے:۔

(۱ تا ۳) دوزخیوں کے لئے، آگ کے کپڑے، آگ کے بچھونے اور آگ کے اوڑھنے ہوں گے۔

(۴ تا ۶) ان کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ ہوگی۔ اوپر آگ کے پہاڑ۔ نیچے آگ کے پہاڑ۔

(۷) ان کے چہروں کو دوزخ کی آگ جھلس دے گی اور ان کی صورتیں بگڑ جائیں گی۔

(۸) تلچھٹ کی مثل، سخت کھولتا ہوا پانی پینے کو دیا جائے گا کہ منہ کے قریب آتے ہی اس کی تیزی سے چہرے کی کھال گر جائے گی۔

(۹) سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔

(۱۰) جہنمیوں کے بدن سے جو پیپ نکلے گی وہ انہیں پلائی جائے گی۔

(۱۱) جہنم کا خاردار تھوہڑ کھانے کو دیا جائے گا اور زخموں کا دھوون ان کی خوراک ہوگی۔

(۱۲) وہ گلے میں جا کر پھندا ڈالے گا تو اس کے اتارنے کے لئے پانی مانگیں گے اور ان کو وہ کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا جو پیٹ میں جاتے ہی آنتوں کو ٹکڑے کر دے گا۔

(۱۳) لوہے کے گرزوں سے ان کے سروں کو کچلا جائے گا۔

(۱۴) اسے جہنم کی ایک پہاڑی صعود پر چڑھایا جائے گا پھر گرایا جائے گا پھر چڑھے گا پھر گرے گا اور عذاب کی یہ صورت بھی دائمی رہے گی۔

(۱۵) دوزخیوں کو آگ کی بیڑیوں میں ایک، دوسرے کیساتھ جکڑ دیا جائے گا۔

(۱۶) آتشیں زنجیروں میں جکڑ کر، گلوں میں آگ کا طوق ڈال دیا جائے گا۔

(۱۷) بختی اونٹ کی گردن برابر بچھو، اور بڑے بڑے اژدہے انہیں ڈستے ہوں گے۔ اس قدر بڑے سانپ کہ اگر ایک مرتبہ کاٹ لیں تو اس کی سوزش ہزار برس رہے۔

(۱۸) دوزخی طرح طرح کی بڑی بڑی دردناک آوازوں سے چیخیں چلائیں گے۔

(۱۹) جان سے عاجز آ کر، باہم مشورہ کر کے، جہنمی کفار، مالک، داروغہ جنت کو پکاریں گے کہ ہمارا قصہ ہی تمام ہو جائے اور موت ہی آجائے اور اس اذیت کا خاتمہ ہو جائے۔ لیکن ان کی شنوائی نہ ہوگی۔ آخر ان کی چیخ پکار پر ہزار برس کے بعد جواب دیں گے کہ مجھ سے کیا کہتے ہو اس سے کہو جس کی نافرمانی کی ہے۔

(۲۰) ہزار برس تک رب العزت کو اس کے رحمت کے ناموں سے پکاریں گے۔ وہ ہزار برس تک جواب نہ دے گا۔ اس کے بعد فرمائے گا تو یہ فرمائے گا "دور ہو جاؤ۔ جہنم میں پڑے رہو۔ مجھ سے بات نہ کرو۔ اس وقت کفار ہر قسم کی خیر سے نا امید ہو جائیں گے اور گدھے کی آواز کی طرح چلا کر روئیں گے۔ ابتداءً آنسو نکلیں گے۔ جب آنسو ختم ہو جائیں گے تو خون روئیں گے روتے روتے گالوں میں خندقوں کی مثل گڑھے پڑ جائیں گے رونے کا خون اور پیپ اس قدر ہو گا کہ اگر اس میں کشتیاں ڈالی جائیں تو چلنے لگیں۔

(۲۱) جہنمیوں کی شکلیں ایسی کریہہ ہوں گی کہ اگر دنیا میں کوئی جہنمی اسی صورت پر لایا جائے تو تمام لوگ اس کی بدصورتی اور بدبو کی وجہ سے مر جائیں۔

(۲۲) جہنمیوں کا جسم اتنا بڑا کر دیا جائے گا کہ ایک شانے سے دوسرے تک، تیز سوار کے لئے، تین دن کی راہ ہے۔

(۲۳) ایک ایک داڑھ احد کے پہاڑ برابر ہو گی۔

(۲۴) کھال کی موٹائی بیالیس ذراع (ہاتھ) ہو گی۔

(۲۵) زبان ایک کوس دو کوس تک، منہ سے باہر گھسٹتی ہو گی کہ لوگ اسے روندیں گے۔

(۲۶) بیٹھنے کی جگہ اتنی ہو گی جیسے مکہ سے مدینہ تک (اور وہ بھی اس پر تنگ پڑے گی)

(۷) جہنمی جہنم میں منہ سکوڑے ہوں گے کہ اوپر کا ہونٹ سمٹ کر بیچ سر کو پہنچ جائے گا اور نیچے کا لٹک کر ناف کو آلگے گا۔

فائدہ:۔ ان مضامین سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی شکل جہنم میں، انسانی شکل نہ ہوگی کہ یہ شکل احسن تقویم ہے اور یہ اللہ عزوجل کو محبوب ہے کہ اس کے محبوب سے مشابہ ہے بلکہ جہنمیوں کا وہ حلیہ ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

عذاب بالائے عذاب

پھر آخر میں کفار کے لئے یہ ہوگا کہ اس کے قد برابر، آگ کی صندوق میں، اسے بند کریں گے پھر اس میں آگ بھڑکائیں گے اور آگ کا قفل لگائیں گے۔ پھر یہ صندوق، آگ کے دوسرے صندوق میں رکھا جائے گا اور ان دونوں کے درمیان آگ جلائی جائے گی اور اس میں آگ کا قفل لگایا جائے گا۔ پھر اسی طرح اس کو ایک صندوق میں رکھ کر اور آگ کا قفل لگا کر آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ تو اب ہر کافر یہ سمجھے گا کہ اس کے سوا اور کوئی آگ کے عذاب میں نہ رہا اور یہ عذاب بالائے عذاب ہے۔

یاددہانی

کافروں کے کفر اور ان کے ہر ایک عمل بد کے بدلے میں جہنم کی وہ عقوبتیں اور سزائیں قرآن و حدیث میں ذکر فرمائی گئی ہیں۔ ان کے بارے میں اتنا اور ذہن نشین کرلیں کہ جس طرح جنت کے دودھ، شہد، بہشت کی شراب اور نہروں اور عورتوں کا نام تو دہی دودھ شہد شراب نہر اور عورت ہی ہے مگر وہاں کے دودھ شہد وہاں کی شراب، اور نہروں اور حوروں کی کیفیت دنیا کی نہروں، عورتوں اور شراب اور دنیا کے دودھ اور شہد سے بالکل علیحدہ ہے اور اسی بیان پر جنت کی دوسری لذیذ نعمتوں اور بہشت کے لطیف میووں کو قیاس کرلیا جائے۔ اسی طرح جہنم میں جو تھوہڑ کا درخت، اور زنجیریں اور سانپ بچھو وغیرہ ہیں ان کے نام تو یہی تھوہڑ کا درخت اور زنجیریں اور سانپ، بچھو وغیرہ ہیں۔ لیکن دوزخ کے تھوہڑ کے اور زنجیروں اور سانپ بچھو وغیرہ کی حقیقتیں، دنیا کی زنجیروں اور دنیا کے تھوہڑ کے درخت، اور دنیا کے سانپ بچھو وغیرہ کی ماہیتوں سے بالکل جدا ہیں۔ تو جو نیچر پرست، مغرب کی دہریت والحاد کا شکار

یہ کہے کہ نہ دوزخ کا کوئی وجود خارجی ہے نہ دوزخ میں سانپ بچھو اور زنجیروں اور تھوہڑ کے درخت ہیں۔ بلکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جو کلفت روح کو ہوئی تھی بس اسی روحانی اذیت کا اعلیٰ درجہ پر محسوس ہونا۔ اسی کا نام دوزخ اور جہنم ہے۔ سمجھ لیجئے کہ وہ مسلمانوں کو ملحد و زندیق بنانا اور انہیں صراط مستقیم سے ہٹانا چاہتا ہے۔ اور مصداق ہے۔

"چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد" کا۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ

منافقوں کا مقام۔

قرآن میں جا بجا ایک ایسے گروہ کا بیان فرمایا گیا ہے جو کہتے یہ ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں لیکن قرآن کریم ہی نے گواہی دی کہ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ۔ یعنی ان کے دل میں ایمان کا گذر ذرہ برابر نہیں۔ ایمان انہیں چھو بھی نہیں گیا۔ درحقیقت وہ مفسد ہیں مگر اپنے آپ کو مصلح کہتے ہیں۔ وہ راست بازی کو بے وقوفی اور اپنے نفاق کو دانشمندی سمجھتے ہیں۔ راست بازوں کی تحقیر اور ایمان والوں کا تمسخر ان کا شیوہ ہے اور حق کی مخالفت، اہل حق کی تکذیب ان کا دستور، اور قرآن کریم ہی نے فرمایا کہ ان کے نفاق سے نقصان کسی اور کا نہیں خود انہیں کا ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا۔ ان کے منافقانہ چالوں کا وبال دنیا میں رسوائی، فضیحت اور منافقت کی پردہ پردری کی صورت پر ان پر پڑے گا اور آخرت میں سخت اور دردناک عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔ "بے شک منافق دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں ہیں" تو منافق کا عذاب، کافر سے بھی زیادہ ہے۔ چونکہ ہر منافق اصلاً کافر ہی ہوتا ہے البتہ وہ اپنے جرم کفر پر، ایک مزید جرم مکر و فریب کا اضافہ کئے ہوئے رہا ہے اور کفر کے باوجود، مسلمانوں کو مغالطہ دینا اس کا شیوہ رہا ہے۔ اس لئے اسے کھلے ہوئے کافر کے مقابلہ میں سخت سے سخت تر، سزا ملے تو یہ عین تقاضائے عدل ہے اور منافق اسی کا مستحق۔

(۱۳) اعراف کا بیان

قرآن کریم کا ارشاد گرامی ہے وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ (جنت و دوزخ کے بیچ میں ایک پردہ ہے) یہ پردہ بطور دیوار کے ہے۔ جس کا خاصہ یہ ہوگا کہ نہ جنت کی لذتوں اور نعمتوں کا اثر دوزخ تک پہنچ سکے اور نہ دوزخ

کی سختیوں اور کلفتوں کا اثر جنت تک۔ اس کا نام اعراف ہے اور یہ آڑ صرف اسی لئے ہوگی کہ ایک مقام کی لذت یا اذیت دوسرے مقام تک نہ پہنچ سکے۔ نظر کے لئے یہ آڑ رکاوٹ نہ بنے گی یعنی ایسی نہ ہوگی کہ ایک جگہ کا حال، دوسری جگہ نہ دکھائی دے بلکہ ایک دوسرے کو صرف دیکھنا ہی نہیں قرآن کریم فرماتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے مخاطب بھی ہوں گے۔ باہم ان میں گفتگوئیں بھی ہوں گی۔

بہرحال قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ عَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ "اعراف پر کچھ مرد ہوں گے۔ یہ کس طبقہ کے ہوں گے اس میں اقوال مختلف ہیں اور ظاہر ومشہور تر قول یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے۔ جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں وہ اعراف پر ٹھہرے رہیں گے۔ جب اہل جنت کی طرف دیکھیں گے تو انہیں سلام کریں گے اور دوزخیوں کی طرف دیکھیں گے تو کہیں گے۔ یارب ہمیں ظالم قوم کے ساتھ نہ کر۔ چنانچہ ان کی یہ آرزو پوری کر دی جائے گی اور جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے۔

یہی اعراف والے" غریب مسلمانوں کی طرف اشارہ کر کے، ان کافروں سے (جن کی پیشانیوں پر ظلمت وکدورت ہوگی اور ذریعۂ شناخت بھی) کہیں گے کہ کیا یہی وہ لوگ ہیں جن پر تم قسمیں کھاتے تھے کہ اللہ ان پر اپنی رحمت کچھ نہ کرے گا۔ اب دیکھ لو کہ یہاں انہیں کیسا اعزاز وتکریم کا مقام ملا ہے اور جنت کے دائمی عیش وراحت میں کس عزت واحترام کے ساتھ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب اعراف والے جنت میں چلے جائیں گے تو دوزخیوں کو بھی طمع دامنگیر ہوگی اور وہ عرض کریں گے یارب جنت میں ہمارے رشتہ دار ہیں۔ اجازت فرما کہ ہم انہیں دیکھیں اور ان سے بات چیت کریں۔ اجازت دی جائے گی تو وہ اپنے رشتہ داروں کو جنت کی نعمتوں میں دیکھیں گے اور پہچانیں گے۔ لیکن اہل جنت ان دوزخی رشتہ داروں کو نہ پہچانیں گے کیونکہ دوزخیوں کے منہ کالے ہونگے صورتیں بگڑ گئی ہوں گی تو وہ جنتیوں کو نام لے کر پکاریں گے۔ کوئی اپنے باپ کو پکارے گا۔ کوئی بھائی کو۔ اور کہے گا میں جل گیا مجھے پانی دو۔ اور تمہیں اللہ نے دیا ہے۔ ہمیں بھی کھانے کو دو۔ اس پر اہل جنت کہیں گے کہ اللہ نے ان دونوں چیزوں کو کافروں پر حرام کیا ہے جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا لیا (کہ حرام وحلال میں اپنے ہوائے نفس کے تابع ہوئے) اور دنیا کی لذتوں میں ڈوب کر، آخرت کو بھول گئے۔ (خزائن العرفان وغیرہ)

انجامِ کار

جب سب جنتی جنت میں داخل ہو لیں گے اور جہنم میں صرف وہی رہ جائیں گے جن کو ہمیشہ کے لئے اس میں رہنا ہے اس وقت جنت و دوزخ کے درمیان، موت کو مینڈھے کی طرح لا کر کھڑا کریں گے۔ پھر منادی جنت والوں کو پکارے گا۔ وہ ڈرتے ہوئے جھانکیں گے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہاں سے نکلنے کا حکم ہو۔ پھر جہنمیوں کو پکارے گا۔ وہ خوش ہوتے ہوئے جھانکیں گے کہ شاید اس مصیبت سے رہائی مل جائے۔ پھر ان سب سے پوچھے گا کہ اسے پہچانتے ہو۔ سب کہیں گے۔ ہاں یہ موت ہے۔ وہ ذبح کر دی جائے گی اور منادی کہے گا اے اہل جنت ہمیشگی ہے۔ اب مرنا نہیں۔ اور اے اہل نار ہمیشگی ہے اب موت نہیں اس وقت ان کے لئے خوشی پر خوشی ہے اور ان کے لئے غم بالائے غم۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ وَالْمُعَافَاةَ فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ بِجَاهِ حَبِیْبِكَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْمُخْتَارِ عَلَیْهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اِلٰی یَوْمِ الْقَرَارِ۔

امامت کا بیان

امامت دو قسم ہے۔ صغریٰ۔ کبریٰ۔

امامت صغریٰ، امامت نماز ہے جس کا بیان فقہ کی کتابوں میں ہے۔

امامت کُبریٰ، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیابت مطلقہ کا نام ہے۔

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیابت، اور جانشینی سے مسلمانوں کے تمام دینی و دنیاوی امور میں، شریعت محمدیہ کے احکام کے مطابق۔ تصرف عام کا مختار ہونا۔ اس تصرف عام کا اختیار رکھنے والا امام المسلمین ہوتا ہے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری، تمام جہان کے مسلمانوں پر فرض ہے بشرطیکہ وہ معصیت نہ ہو اور اس کا حکم، شریعت کے خلاف نہ ہو۔ خلاف شرع کسی امر میں، کسی کی اطاعت نہیں۔

اس امام کے لئے۔ مسلمان۔ آزاد۔ عاقل۔ بالغ۔ قادر اور قرشی ہونا شرط ہے۔ ہاشمی، علوی، معصوم ہونا اس کی شرط نہیں۔ ان کا شرط کرنا روافض کا مذہب ہے۔ جس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ برحق امرائے مومنین، وائمہ مسلمین، خلفائے ثلثہ ابوبکر صدیق و عمر فاروق و عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خلافت سے جدا کر دیں۔ حالانکہ ان کی خلافتوں پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع ہے۔ خود مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم و حضرات حسنین کریمین (امام حسن و امام حسین) رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان کی خلافتیں تسلیم کیں اور انہیں اپنا خلیفہ مانا۔

اور علویت کی شرط نے مولیٰ علی کو بھی خلیفہ ہونے سے خارج کر دیا۔ مولیٰ علی، علوی کیسے ہو سکتے ہیں رہی عصمت، تو یہ انبیاء و ملائکہ کا خاصہ ہے کہ نبی اور فرشتہ کے سوا کوئی معصوم نہیں۔ اماموں کو انبیاء کی طرح معصوم سمجھنا روافض کا مذہب اور گمراہی و بددینی ہے۔ مسلمان کسی کے بہکائے میں نہ آئیں۔

محض مستحق امامت ہونا۔ امام ہونے کے لئے کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ اہل حل و عقد نے اسے امام مقرر کیا ہو جیسے حضرت ابوبکر صدیق کی امامت یا امام سابق نے جیسے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت۔ جنہیں حضرت صدیق اکبر نے مقرر فرمایا۔ امام ایسا شخص مقرر کیا جائے جو شجاع اور عالم ہو یا علماء کی مدد سے کام کرے۔

عقائد متعلقہ

(۱) نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بعد خلیفۂ برحق و امام مطلق حضرت سیدنا ابوبکر صدیق ہیں۔ پھر حضرت عمر فاروق اعظم۔ پھر حضرت عثمان غنی۔ پھر حضرت مولیٰ علی۔ پھر چھ مہینے کے لئے حضرت امام حسن مجتبیٰ خلیفہ ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ ان حضرات کو خلفائے راشدین اور ان کی خلافت کو خلافت راشدہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضور کی سچی نیابت کا پورا حق ادا فرمادیا۔

(۲) منہاج نبوت پر خلافت راشدہ حقہ تیس سال رہی کہ سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ کے چھ مہینے پر ختم ہوگئی۔ پھر امیر المومنین عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت، راشدہ ہوئی اور آخر زمانہ میں حضرت سیدنا امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۂ راشد ہوں گے۔

(۳) بعد انبیاء و مرسلین، تمام مخلوقات الٰہی، انس و جن و ملک سے افضل صدیق اکبر ہیں۔ پھر عمر فاروق اعظم۔ پھر عثمان غنی۔ پھر مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ جو شخص مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو، صدیق یا فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے افضل بتائے گمراہ بدمذہب ہے کہ اس نے جمہور اہلسنت کا خلاف کیا۔

(۴) افضل کے یہ معنیٰ ہیں کہ اللہ عزوجل کے یہاں زیادہ عزت و منزلت والا ہو۔ اسی کو کثرت ثواب سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی اعمال خیر پر جزائے عظیم اگرچہ ان کی مقدار قلیل ہو۔ نہ کہ شرافت نسبی ورنہ لازم آئے کہ نبی کا بیٹا، اس نبی سے افضل ہو جس کا باپ نبی نہ تھا۔ اور نہ طاعات ظاہرہ کی کثرت۔ کہ ثواب کا دار و مدار، طاعات کی مقدار پر نہیں۔ اس لئے کہ ہمارا کوہ احد کے برابر سونا، راہ مولیٰ میں خرچ کرنا صحابہ کرام کے ایک مد بلکہ اس کے نصف کو بھی نہیں پہنچتا۔ اور نہ کثرت اجر کہ بارہا مفضول کے لئے ہوتی ہے۔ حدیث میں ہمراہیان سیدنا امام مہدی کی نسبت آیا کہ ان میں سے ایک ایک کے لئے پچاس کا اجر ہے صحابہ نے عرض کیا۔ ان میں کے پچاس کا یا ہم میں کے:۔ فرمایا" بلکہ تم میں کے:"۔ تو اجر ان کا زائد ہوا۔ مگر فضیلت میں وہ صحابہ کے ہمسر بھی نہیں ہو سکتے۔ زیادت درکنار۔ کہاں امام مہدی کی رفاقت اور کہاں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیت۔ اس کی نظیر بلاتشبیہ یوں سمجھے کہ سلطان نے کسی مہم پر وزیر اور دیگر افسروں کو بھیجا اس کی فتح پر ہر افسر کو لاکھ روپے انعام دیئے اور وزیر کو خالی پروانۂ خوشنودی مزاج دیا تو انعام انہیں کو زیادہ ملا مگر کہاں وہ اور کہاں وزیر اعظم کا اعزاز۔

اور نکتہ اس میں یہ ہے کہ تمام اعمال خیر کی اصل ہے۔ عمل میں اخلاص۔ حق سبحانہ کی محبت اور اس کی بارگاہ میں دوام حضور۔ اور یہ امور باطنہ ہیں تو کثرت ثواب کا علم نہیں ہو سکتا جب تک شرع مطہر بیان نہ فرمائے۔ اور اس میں نہ عقل کا دخل ہے نہ مناقب ظاہرہ کا۔ یہ بات خوب ذہن نشین کر لیں سے روافض نابکار کے بہت سے وسوسوں سے نجات ملے گی۔ اور اس کی موید ہے وہ حدیث شریف جس میں فرمایا وَلٰکِنْ بِشَیْءٍ وُقِرَ فِیْ قَلْبِہٖ۔ یعنی صدیق کو تم پر فضیلت کثرت صوم وصلوٰۃ کے باعث نہیں بلکہ اس چیز کے باعث ہے جو ان کے دل میں جاگزیں کی گئی۔ یعنی اخلاص عمل اور حق کی کما حقہ بلا تامل طرفداری اور صدیق تو صدیق اسی لئے ہیں کہ آپ نے بلا توقف اسلام قبول کیا۔ اور لوگوں کے شدت انکار کے باوجود، واقعہ معراج کی بلا تردد تصدیق کی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا۔

(۵) ان کی خلافت، بر ترتیب فضیلت ہے یعنی جو عند اللہ افضل و اعلیٰ و اکرم تھا وہی خلافت پاتا گیا۔ نہ کہ افضلیت بر ترتیب خلافت۔ یعنی یہ افضلیت ملک داری و ملک گیری میں زیادہ سلیقہ کے باعث نہیں۔ یوں ہوتا تو فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے افضل ہوتے کہ ان کی خلافت کو فرمایا لَمْ اَرَ عَبْقَرِیًّا یَفْرِیْ فَرْیَہٗ حَتّٰی ضَرَبَ النَّاسُ بِعَطَنٍ۔ میں نے کسی قوی الجثہ کو اس طرح پانی کھینچتا نہیں دیکھا۔ جیسا عمر نے کھینچا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے اپنے اونٹوں کو بٹھانے کی جگہ ٹھیک ٹھاک کر لی اور صدیق اکبر کی خلافت کو فرمایا فِیْ نَزْعِہٖ ضُعْفٌ وَاللّٰہُ یَغْفِرُ لَہٗ۔ ان کے پانی کھینچنے میں کچھ کمزوری تھی اللہ انہیں مغفرت سے نوازے۔ یہ اشارہ ہے اس طرف کہ صدیق اکبر کی مدت خلافت قلیل ہوگی۔ اور عمر فاروق کا زمانہ خلافت طویل اور لوگ اس دور میں کثیر منافع حاصل کریں گے۔

فائدہ مہمہ

امام کا مقرر کرنا کہ مسلمانوں کے تمام دینی و دنیاوی امور میں، شریعت مطہرہ محمدیہ کے احکام کے مطابق تصرف فرمائے، ہر مہم سے زیادہ مہم ہے۔ تمام انتظام دین و دنیا اسی سے متعلق ہے اسی لئے تمام اجلہ صحابہ کرام نے سب سے پہلے اس کی طرف توجہ فرمائی اور تقرر امام کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین پر مقدم رکھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جنازۂ انور اگر قیامت تک رکھا رہتا

اصلاً کوئی خلل محتمل نہ تھا۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسام ظاہر اگر تے نہیں۔ سیدنا سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد انتقال ایک سال کھڑے رہے سال بھر بعد دفن ہوئے۔ جنازۂ مبارکہ حجرۂ ام المومنین صدیقہ میں تھا جہاں اب مزار انور ہے۔ اس سے باہر لے جانا نہ تھا۔ چھوٹا سا حجرہ اور تمام صحابہ کو اس نماز اقدس سے مشرف ہونا۔ ایک ایک جماعت آتی اور پڑھتی اور باہر جاتی پھر دوسری آتی۔ پہلے کنبہ والوں نے، پھر مہاجرین نے، پھر انصار نے، مردوں نے اور عورتوں نے، پھر بچوں نے ادا کی۔ یہ سلسلہ لگاتار شب و روز جاری رہا اور تیسرے دن ختم ہوا۔ اگر تین برس میں ختم ہوتا تو جنازہ اقدس تین برس یوہیں رکھا رہتا تھا کہ اس وجہ سے تاخیر دفن اقدس ضروری تھی۔ باطل پرستوں کے نزدیک یہ اگر خلافت کے لالچ کے سبب تھا تو سب سے سخت تر الزام امیر المؤمنین مولیٰ علی پر ہے۔ یہ تو لالچی نہ تھے اور کفن کا انتظام گھر والوں ہی سے متعلق ہوتا ہے۔ یہ کیوں تین دن، ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے۔ انہوں نے یہ کام انجام دیا ہوتا۔ یہ پہلی خدمت بجا لائے ہوتے۔ تو معلوم ہوا کہ اعتراض ملعون ہے۔ اور جنازۂ انور کا دفن نہ کرنا۔ اور امام المسلمین کے تقرر کی جانب متوجہ ہونا یہی مصلحت دینی تھا جس پر علی مرتضیٰ اور سب صحابہ نے اجماع کیا۔ فرضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وارضاھم عنا۔

(۶) خلفائے اربعہ راشدین کے بعد۔ بقیۂ عشرہ مبشرہ و اصحاب حنین و اصحاب بدر و اصحاب، بیعۃ الرضوان کے لئے فضیلت ہے اور یہ سب قطعی جنتی ہیں۔

عشرہ مبشرہ

صحابۂ کرام میں وہ دس اصحاب کبار، جن کے قطعی جنتی ہونے کی خبر، صادق و مصدوق صلے اللہ علیہ وسلم نے دی اور جیتے جی جنہوں نے جنت کا بشریٰ پایا وہ یہ ہیں۔

خلفائے اربعہ۔ حضرت طلحہ۔ حضرت زبیر۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف۔ حضرت سعد بن ابی وقاص سعید بن زید اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

خلفائے راشدین

(۱) خلیفۃ المسلمین سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد

خلیفہ برحق و امام مطلق ہیں۔ آپ کا اسم گرامی عبداللہ اور لقب صدیق و عتیق ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ سے دو سال چند ماہ بعد، مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اپنی قوم کے بڑے متمول اور صاحب عزت و ثروت تھے۔ مردوں میں سب سے پہلے ایمان لائے اور سب سے پہلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ سولہ برس کی عمر میں حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پکڑے کہ عمر بھر نہ چھوڑے۔ اب بھی پہلوئے اقدس میں آرام کرتے ہیں۔ روز قیامت، دست بدست حضور اٹھیں گے سایہ کی طرح داخل خلد بریں ہوں گے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے فوراً بے تامل اسلام لائے۔ ایک آن ایک لمحہ کو ہرگز ہرگز متصف بکفر نہ ہوئے ہمیشہ توحید خالص پر قائم رہے اور اسلام لاکر فوراً اپنا اسلام سب پر ظاہر و آشکار کر دیا۔ ہدائتیں فرمائیں کہ کفار کے ہاتھوں سے اذیتیں پائیں مگر حق کا دامن نہ چھوڑا۔ اسلام سے منہ نہ موڑا۔ خود سیدنا مولیٰ علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں "بے شک ابوبکر چار باتوں کی طرف سبقت لے گئے کہ مجھے نہ ملیں۔ انہوں نے مجھ سے پہلے اسلام آشکارا کیا۔ اور مجھ سے پہلے ہجرت کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یار غار ہوئے۔ اور نماز قائم کی اس حالت میں کہ میں ان دنوں گھروں میں تھا۔ وہ اپنا اسلام ظاہر کرتے اور میں چھپاتا تھا۔ (دار قطنی وغیرہ) اسلام کے لئے آپ کی خدمات اسی وقت سے گویا وقف تھیں جب ملت بظاہر حالات غایت ضعف و پستی میں تھی اور امت ہر طرف سے نرغہ اعدا میں گھری ہوئی۔ جلیل القدر صحابی بڑی تعداد میں آپ ہی کی سعی و تبلیغ سے ایمان لاتے۔

اور احادیث حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم و آثار صحابۂ کرام و اہلبیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت کہ آپ کا اسلام، سب کے اسلام سے افضل اور ان کا ایمان، تمام امت کے ایمان سے ازید و اکمل ہے۔ آپ کی شان میں بکثرت آیات و احادیث وارد ہیں جن سے آپ کے فضائل جلیلہ معلوم ہوتے ہیں۔ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ ابوبکر کی محبت اور ان کا شکر میری تمام امت پر واجب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد جب مسئلہ خلافت درپیش ہوا تو باتفاق رائے آپ کو خلیفہ منتخب کیا گیا۔ آپ کا زمانہ خلافت مسلمانوں کے لئے ظل رحمت ثابت ہوا، جمادی الاخروی ۱۳ھ روز دوشنبہ کو آپ نے غسل فرمایا۔ دن سرد تھا۔ بخار آگیا۔ آخر کار ۱۵ روز کی

علالت کے بعد ۲۲ جمادی الاخری شب سہ شنبہ کو ۶۳ سال کی عمر میں آپ نے رحلت فرمائی۔ فرائض خلافت دو سال اور سات ماہ کے قریب انجام دیئے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ سے جو لوگ مشرف باسلام ہوئے ان میں سے کئی صحابہ عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں۔

(۲) یہی وہ صحابی ہیں جنہوں نے اپنے مال سے حضرت بلال، حضرت عامر بن فہیرہ جیسے سات قدیم الاسلام بزرگوں کو، کفار کی غلامی سے آزاد کرایا تھا۔

(۳) یہی شب ہجرت کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ غار ثور میں تھے۔

(۴) انہیں کا ذکر لِصَاحِبِہٖ کے الفاظ میں صراحت کے ساتھ قرآن میں فرمایا گیا ہے۔

(۵) انہیں کو جنگ بدر میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ عریش میں ٹھہرایا تھا۔

(۶) انہیں کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے، غزوہ تبوک میں جب سب سے زیادہ فوج کا اجماع ہوا۔ نشان اعلیٰ عطا فرمایا تھا۔

(۷) انہیں کو صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے، فرضیت حج کے بعد، پہلے ہی سال میں، امیر الحجاج مقرر فرمایا تھا۔

(۸) انہیں کو سید المعصومین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات شریف میں، اپنی جگہ، امام نماز مقرر فرمایا تھا حالانکہ مولیٰ علی روبرو تشریف فرما رہتے۔

(۹) یہی سب سے پہلے خلیفۂ رسول اللہ، خلیفۃ المسلمین کہلاتے اور حضور کے خلیفہ منتخب کیے گئے۔

(۱۰) انہیں کے انتظام سے جھوٹے مدعیانِ نبوت اپنے انجام کو پہنچے۔

(۱۱) انہیں کے انصرام میں مانعین زکوٰۃ کا فتنہ فرو ہوا۔

(۱۲) انہیں کے حکم سے قرآن پاک صحیفۂ واحد میں لکھا گیا اور مصحف کے نام سے موسوم ہوا۔

(۲) خلیفۂ دوم امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ آپ کا اسم گرامی عمر، کنیت ابو حفص اور لقب فاروق ہے۔ آپ عام فیل کے تیرہ برس بعد پیدا ہوئے۔ آپ بھی اشراف قریش سے ہیں

نبوت کے چھٹے سال ۲۷ برس کی عمر میں مشرف باسلام ہوئے۔ آپ چالیسویں مسلمان ہیں۔ اسی واسطے آپ کا نام مُتَمِّمُ الْاَرْبَعِیْن ہے یعنی چالیس مسلمانوں کے پورا کرنے والے۔ جب آپ مسلمان ہوئے تو یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ اے نبی تجھ کو کافی ہے اللہ اور اس قدر لوگ جو اب تک مسلمان ہو گئے"۔ کفار نے جب سنا تو کہا آج ہم اور مسلمان آدھوں آدھ ہو گئے۔ جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام حاضر ہوتے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم حضور کو خوشخبری ہو۔ آج آسمانوں پر عمر کے اسلام لانے کی خوشیاں منائی جا رہی ہیں۔ ادھر یہ گھر سے نکلے جوش میں بپھرے، ننگی تلوار لئے اور قسم کھائی کہ جب تک اپنا مقصد پورا نہ کر لوں گا۔ اسے نیام نہ کروں گا۔ اور جب در دولت پر پہنچے تو عظمت نبوت سے تھرا گئے۔ فوراً کلمۂ شہادت پڑھا۔ یہ دیکھتے ہی مسلمانوں نے خوش ہو کر بآواز بلند تکبیریں کہیں جن سے پہاڑ گونج اٹھے، اسلام لانے کے بعد، آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے۔ مسلمانوں کو ہمراہ لے کر، اعلان و شوکت کے ساتھ، مسجد حرام میں داخل ہوئے آپ کے اسلام لانے سے اسلام کی قوت و شوکت بڑھی۔ مسلمان نہایت مسرور ہوتے اور کافروں پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔

آپ کے فضائل بہ کثرت احادیث کریمہ سے ثابت ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آسمان کا ہر فرشتہ حضرت عمر کی توقیر کرتا ہے اور زمین کا ہر شیطان ان کے خوف سے لرزتا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "میں اس سے بری و بیزار ہوں جو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ذکر بدی کے ساتھ کرے، ترمذی و حاکم کی صحیح حدیث میں وارد کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے بعد نبی ممکن ہوتا تو عمر ہوتے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ابن عساکر کی حدیث میں ہے کہ آسمان کا ہر فرشتہ عمر کی توقیر کرتا ہے اور زمین کا ہر شیطان ان کے خوف سے لرزتا ہے۔ طبرانی نے روایت کی کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عمر سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ ابو اسامہ فرماتے ہیں جانتے ہو ابوبکر و عمر کون ہیں ؟ یہ اسلام کے پدر و مادر ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی بیماری میں حضرت مولیٰ علی اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مشورہ سے آپ کو اپنے بعد خلافت کے لئے نامزد کیا۔

ماہ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ میں آپ نے امور خلافت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا اور دس سال

چند ماہ امور خلافت کو انجام دیا۔ اس دس سالہ خلافت کے ایام میں دنیا عدل وداد سے بھر گئی۔ اسلام کے برکات سے عالم فیض یاب ہوا۔ فتوحات بکثرت ہوئیں اور ہر طرف اسلام کا چرچا ہونے لگا۔ ذی الحجہ ۲۳ھ کے اواخر میں آپ ابو لُولُو مجوسی کے ہاتھ سے شہید ہوئے اور روضۂ انور میں پہلوئے صدیق میں دفن ہوتے آپ کی عمر شریف ۶۳ سال تھی۔

(۳) خلیفۂ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ آپ کا اسم گرامی عثمان۔ ابو عمرو کنیت اور ذوالنورین لقب ہے۔ یہ سابقین اوّلین میں سے ہے۔ یہ ان دس میں سے ہیں جنہیں نام بنام جنت کی بشارت ملی نیز ان چھ میں سے ہیں جنہیں عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ نے اپنی وصیت میں شایان خلافت ٹھہرایا تھا۔ شنبہ غُرّہ محرم الحرام ۲۴ھ کو خلیفہ اور امیر المومنین ہوئے۔

آغاز بعثت ہی میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ترغیب پر اسلام لائے۔ اور غیر تو غیر، اپنوں کے ہاتھوں بڑے صدمے اٹھائے تھے۔ حضرت عثمان ابتداء ہی سے حیاء، حسن صورت و سیرت۔ اور دانائی و نرم مزاجی میں مشہور اور قریش میں ہر دلعزیز اور خوش خلق۔ عبادت، تقویٰ اور فی سبیل اللہ مال صرف کرنے میں نہایت ممتاز تھے۔

مشرکین مکہ نے جب اذیت پہنچانی شروع کی تو آپ مع اپنی زوجہ محترمہ رُقیّہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حبش کی طرف ہجرت کر گئے بلکہ کہنا چاہیئے کہ اسلام لانے کے بعد سب سے پہلے جس نے اہل وعیال کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی وہ آپ ہی تھے۔ اور یہ ہجرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں میں بڑی وقیع تھی۔ آپ کے نکاح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ اور پھر حضرت ام کلثوم آئیں۔ آپ کے سوا دنیا میں کوئی اور ایسا شخص نظر نہیں آتا جس نے یہ عظیم شرف پایا ہو کہ اس کے نکاح میں کسی نبی کی دو صاحبزادیاں آئی ہوں۔ اسی لئے ذی النورین اس کا لقب ہوا۔ تمام غزوات میں بجز بدر کے آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ بدر کے موقع پر چونکہ حضرت رقیہ سخت بیمار تھیں اس لئے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تیمارداری کے لئے آپ کو چھوڑ گئے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے مال غنیمت سے آپ کو بھی حصہ عنایت فرمایا اور شرکاء جنگ میں ان کو شمار فرمایا۔

عمرہ حدیبیہ کے موقع پر آپ سفیر بنا کر بھیجے گئے۔ ان کے جانے کے بعد لشکر اسلامی میں یہ خبر پھیل

گئی کہ قریش نے حضرت عثمان کو قتل یا قید کر دیا ہے۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بے سروسامان جمعیت مسلمین سے جان نثاری کی بیعت لی کہ اگر لڑنا بھی پڑا تو ثابت قدم رہیں گے۔ اس بیعت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ کو، عثمان کا داہنا ہاتھ قرار دیا اور ان کی جانب سے اپنے ہاتھ پر بیعت لی۔

جیش عُسرۃ (بے سروسامان لشکر جو تبوک پر جہاد کے لئے تیار کیا گیا تھا اس) کی امداد کے لئے ایک ہزار اونٹ، پچاس گھوڑے اور ایک ہزار درہم دیئے۔ بئیر رومہ، جو یہودیوں کی ملک میں میٹھے پانی کا ایک چشمہ تھا اس کو بیس ہزار درہم پر خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کیا اور جنت خریدی۔ ۲۶ھ میں کعبہ معظمہ کے اردگرد کے مکانات خرید کر، مسجد حرم کو بڑھایا۔ اسی طرح ۲۹ھ میں مسجد نبوی میں اضافہ کیا۔

آپ کے فضائل میں بہ کثرت احادیث وارد ہیں جن سے آپ کی شان اور بارگاہ رسالت میں آپ کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ روز اسلام سے روز وفات تک کوئی جمعہ ایسا نہ گذرا کہ آپ نے کوئی غلام آزاد نہ کیا ہو۔ امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آخر عہد میں ایک جماعت مقرر فرما دی تھی اور خلیفہ کا انتخاب شوریٰ پر چھوڑا تھا۔ کثرت رائے آپ کے حق میں ہوئی اور آپ باتفاق رائے خلیفہ منتخب ہوئے۔ حضرت عمر فاروق اعظم کے دفن کے تین روز بعد آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی گئی۔ ۱۲ سال امور خلافت انجام دے کر جمعہ ۱۷، ذی الحجہ ۳۵ھ میں باغیوں کے ہاتھوں شہادت پائی۔ عمر شریف ۸۳ سال کی ہوئی۔ مزار شریف جنت البقیع میں ہے۔

(۴) خلیفہ چہارم حضرت مولیٰ علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ۔

آپ کا نام نامی علی، کنیت ابوالحسن اور ابوتراب ہے۔ آپ نوعمروں میں سب سے پہلے اسلام لائے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح آپ نے کبھی بت پرستی نہیں کی۔ حضرت مولیٰ علی نے حضور مولی الکل سید الرسل صلے اللہ علیہ وسلم کے کنار اقدس میں پرورش پائی۔ حضور کی گود میں ہوش سنبھالا آنکھ کھلتے ہی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جمال جہاں آرا دیکھا۔ حضور ہی کی باتیں سنیں۔ عادتیں سیکھیں۔ اعلان نبوت کے وقت آپ کی عمر شریف ۸ سال کی تھی۔ آپ حضور کے چچا زاد بھائی ہیں یعنی ابوطالب کے بیٹے۔ ہجرت سے تقریباً پانچ ماہ بعد، مدینہ طیبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نکاح حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ کر دیا۔ عمر شریف اس وقت ۲۱ سال ۵ ماہ تھی اور حضرت

فاطمۃ الزہراء کی اٹھارہ سال ۶ ماہ تھی۔

سوائے جنگ تبوک کے باقی تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے اور بے نظیر شجاعت کا اظہار کیا۔ سخت سے سخت معرکہ میں بھی ان کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر عہد نامے اور خطوط آپ ہی لکھتے تھے۔ فقہ میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا فطری طور پر آپ میں ہاشمی فہم و ذکاوت اور اصابت رائے و ذہانت تھی۔ پھر حضور کی صحبت میں رہے اور قرآنی تفقہ سیکھا۔ ان وجوہات سے احکام دینی کے استنباط صحیح کا بے نظیر ملکہ ان کے اندر پیدا ہو گیا تھا۔ خلفائے سابقین، خاص کر، حضرت عمر فاروق اعظم آپ، سے مشورہ لیا کرتے تھے اور کسی دینی مسئلہ میں جب اختلاف واقع ہوتا تھا تو بیشتر انہیں کی رائے کی طرف رجوع فرمایا کرتے تھے۔

فصاحت و بلاغت میں آپ بے مثل تھے۔ اسی طرح زہد۔ ترک دنیا۔ ایثار و رضا جوئی حق عبادت و ریاضت، کمال علم و حکمت میں صحابہ میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کی ہیبت و دبدبہ سے آج بھی جواں مردان شیر دل کانپ جاتے ہیں۔ کروڑوں اولیائے کرام آپ کے چشمہ علم و فضل سے سیراب ہوکر، دوسروں کی رشد و ہدایت کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ سادات کرام اور اولاد رسول اللہ السلام کا سلسلہ پروردگار عالم نے آپ سے جاری فرمایا۔ آپ کے فضائل بہت زیادہ ہیں۔ آپ کے حق میں بہت سی آیتیں نازل ہوئیں۔ حدیث میں ہے کہ آپ کا دیکھنا عبادت ہے۔

امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت، کے دوسرے روز، مدینہ طیبہ میں تمام صحابہ کرام نے جو وہاں موجود تھے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ ۳۶ھ میں جنگ جمل کا واقعہ پیش آیا اور صفر ۳۷ھ میں جنگ صفین ہوئی جو ایک صلح پر ختم ہوئی۔ اس وقت خارجیوں نے سرکشی کی اور آپ نے ان کا قلع قمع فرمایا۔ ابن ملجم خارجی نے جمعہ مبارکہ ۱۷ ، رمضان المبارک ۴۰ھ میں آپ کو شہید کر دیا۔ آپ نے تقریباً ۶۵ سال کی عمر پائی اور ۴ سال ۹ ماہ امور خلافت کو انجام دیا۔

ضروری تنبیہ

اہل تشیع نے اپنی اذان وغیرہ میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت کلمۂ خلیفۂ رسول اللہ بلا فصل کہنا اختیار کیا ہے۔ یہ کلمہ مبغوضہ، خالص تبرا ہے اور اس کا سننا، سنی کے لئے

بمنزلہ تبرّا سننے کے نہیں بلکہ حقیقۃً تبرّا سننا ہے۔ والعیاذ باللہ رب العلمین۔ اس کلمہ خبیثہ میں بالتصریح حضرات خلفاء ثلثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خلافت راشدہ کی نفی ہے۔ اور اس نفی کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ وہ بعد حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم مسند نشین نہ ہوئے کہ ان کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تخت خلافت پر جلوس فرمانا، فرمان و احکام جاری کرنا، نظم و نسق ممالک اسلامیہ، اور تمام امور ملک و مال، و رزم و بزم کی باگیں اپنے دست حق پرست میں لینا وہ تاریخی واقعہ مشہور متواتر اظہر من الشمس ہے جس سے دنیا میں موافق مخالف، یہاں تک کہ نصاری و یہود و مجوس و ہنوز۔ کسی کو انکار نہیں۔ بلکہ ان محبان خدا و نوابان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے روافض کو زیادہ عداوت کا مبنیٰ یہی ہے کہ ان کے زعم باطل میں، استحقاق خلافت، حضرات مولیٰ علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ الاسنیٰ میں منحصر تھا۔ جب بحکم الٰہی خلافت راشدہ اوّل ان تین سرداران مومنین کو پہنچی، روافض نے انہیں معاذ اللہ مولیٰ علی کا چھیننے والا ٹھہرایا۔ تو لاجرم لفظ بلا فصل میں جو نفی ہے، اس سے مراد، لیاقت و استحقاق کی نفی ہے تو اس مجمل لفظ میں غضب و ظلم و انکار حق و اصرار باطل، وغیرہ وغیرہ ہزاروں طعن موجود ہیں اور یہی تبرّا ہے (الادلۃ الطاعنہ ملخصًا)

تفصیل شیخین و حُبّ الختنین

خلفائے اربعہ راشدین میں خلیفہ اوّل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شیخین۔ اور خلیفۂ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خلیفۂ چہارم حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو ختنین کہتے ہیں۔

اور یہ اس لئے کہ حضرت ابوبکر صدیق کی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عمر فاروق اعظم کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرما کر انہیں ازواج مطہرات، اور امہات المومنین میں داخل فرمایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔ اور یہ وہ شرف ہے جس نے حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو شیخ (بزرگ تر و معزز تر) بنایا۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ازراہِ عنایت اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ و حضرت ام کلثوم کو حضرت عثمان غنی کے نکاح میں اور حضرت خاتون جنت، فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ

عنہا کو حضرت مولیٰ علی کے عقد نکاح میں دیا۔ اس نسبت سے یہ دونوں حضرات ختنین کہلاتے ہیں اور وہ دونوں شیخین۔ ختن کے معنی داماد ہیں اور شیخ بمعنی خسر۔ لیکن شیخین کو حضور کا خسر اور ختنین کو حضور کا داماد کہنا سخت ممنوع اور خلاف تعظیم ہے کہ یہ دونوں الفاظ (خسر و داماد) اردو محاورہ میں سب وشتم (گالی گلوچ) کے موقع پر بھی استعمال کئے جاتے ہیں۔ اس کا لحاظ بہت ضروری ہے۔ بلکہ بعض علماء کرام نے اسے کفر میں شمار فرمایا۔ (سراج العوارف وغیرہ)

تو کہنا یہ ہے کہ جس طرح خلفائے راشدین کو تمام صحابۂ کرام پر برتری وفضیلت حاصل ہے یوہیں ان چاروں میں سے شیخین کو ختنین پر فضیلت دنیا، اوران دونوں کوان دونوں سے افضل جاننا علامات مذہب اہلسنت سے ہے۔ یہی حق ہے اور اسی پر جمہور صحابۂ کرام کا اجماع ہے جیسا کہ مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا جو مجھے ابوبکر وعمر پر تفضیل دے گا وہ میرے اور تمام اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کا منکر ہوگا (ابن عساکر) اللہ عزوجل کی بے شمار رحمت ورضوان وبرکت امیر المومنین مولیٰ علی حیدر، حق گو، حق داں، حق پرور کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنیٰ پر، کہ اس جناب نے، اپنے دور خلافت میں، برسر منبر یہ حکم واشگاف ومفسّر، بے احتمال دگر، روشن وابین طور پر حضرات شیخین کریمین وزیرین جلیلین کو تمام امت مرحومۂ سید لولاک صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل و بہتر ارشاد کیا جس میں کسی طرح کا شائبہ شک تردد نہ رہا۔ مخالف مسئلہ کو مفتری بتایا۔ اور اسے اسی کوڑے کا مستحق ٹھہرایا۔ ان اقوال کے راوی، اسی سے زیادہ صحابہ وتابعین ہیں۔ اور یہی طریقہ مرضیہ تھا ان کی اولاد امجاد کا۔ چنانچہ ایک شخص نے امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت انور میں حاضر ہو کر عرض کی۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ابوبکر وعمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کا کیا مرتبہ تھا۔ فرمایا جو مرتبہ ان کا اب ہے کہ حضور کے پہلو میں آرام فرما رہے ہیں۔ (امام احمد)۔ امام دار قطنی حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ فرماتے ہیں کہ حضرت بتول زہرا کی اولاد وامجاد کا اس بات پر اجماع واتفاق ہے کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے حق میں وہ بات کہیں جو سب سے بہتر ہو۔ ظاہر ہے کہ سب سے بہتر بات (جس سے ان کے اوصاف کا اظہار ہو) اسی کے حق میں کہی جائے گی جو سب سے بہتر ہو۔ (غایۃ التحقیق)

تذکار یاران علی بزبان علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم

نزال بن سبرہ فرماتے ہیں ایک دن ہم نے امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو خوش دل پایا۔ عرض کی "یا امیر المومنین اپنے یاروں کا حال ہم سے بیان کیجئے" فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب صحابہ میرے یار ہیں"۔ ہم نے عرض کی "اپنے خاص یاروں کا تذکرہ کیجیے" فرمایا۔ "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کوئی صحابی نہیں کہ میرا یار نہ ہو"۔ ہم نے عرض کی "ابوبکر صدیق کا حال بیان کیجیے"۔ فرمایا "یہ وہ صاحب ہیں کہ اللہ عزوجل نے جبریل امین و محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر ان کا نام صدیق رکھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہمارے دین (نماز جیسے شعار اسلام) کی امامت کو پسند فرمایا تو ہم نے اپنی دنیا میں بھی انہیں کو پسند کیا"۔ ہم نے عرض کی "عمر بن خطاب کا حال بیان فرمایا" یہ وہ صاحب ہیں جن کا نام اللہ عزوجل نے فاروق رکھا۔ انہوں نے حق کو باطل سے جدا کر دیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرض کرتے سنا کہ "الٰہی عمر بن خطاب کے سبب اسلام کو عزت دے"۔ ہم نے عرض کی "عثمان کا حال کہیئے۔ فرمایا "یہ وہ صاحب ہیں کہ ملاء اعلیٰ و بزم بالا میں ذی النورین پکارے جاتے ہیں۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو شاہزادیوں کے شوہر ہوئے۔ سرور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے جنت میں ایک مکان کی ضمانت فرمائی ہے۔ (الامن والعلیٰ بحوالہ ابن عساکر و ابو نعیم وغیرہما)

ایک اور حدیث طویل میں فرمایا "کئی دن رات حضور کو مرض میں گزرے۔ موذن آتا۔ نماز کی اطلاع دیتا۔ حضور ابوبکر کو امامت کا حکم فرماتے حالانکہ میں کہیں غائب نہ تھا۔ اور خدا کی قسم ازواج مطہرات سے ایک بی بی نے اس معاملہ کو ابوبکر سے پھیرنا چاہا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ مانا اور غضب کیا اور فرمایا۔ "تم وہی یوسف والیاں ہو۔ ابوبکر کو حکم دو کہ امامت کرے"۔ بس جبکہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا، ہم نے اپنے کاموں میں نظر کی تو اپنی دنیا یعنی خلافت کے لئے اسے پسند کر لیا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین یعنی نماز کے لئے پسند فرمایا تھا کہ نماز تو اسلام کی بزرگی اور دین کی درستی تھی۔ لہذا ہم نے ابوبکر صدیق سے بیعت کی اور وہ اس کے لائق تھے۔ ہم میں سے کسی نے اس بارہ میں خلاف نہ کیا" یہ سب کچھ ارشاد کر کے حضرت مولیٰ کرم اللہ

تعالیٰ وجہہ الاسنیٰ نے فرمایا" پس میں نے ابوبکر کو ان کا حق دیا اور ان کی اطاعت لازم جانی اور ان کے ساتھ ہو کر ان کے لشکروں میں جہاد کیا۔ جب وہ بیت المال سے کچھ دیتے۔ میں لے لیتا۔ اور جب مجھے لڑائی پر بھیجتے میں جاتا۔ اور ان کے سامنے اپنے تازیانہ سے حد لگاتا"

پھر بعینہٖ یہی مضمون امیر المومنین فاروق اعظم و امیر المومنین عثمان غنی کی نسبت ارشاد فرمایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین (غایۃ التحقیق بحوالہ ابن عساکر دارقطنی وغیرہما)

عَشرہ مُبَشرہ کے حق میں ایک اور حدیث شریف

جب امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، ابو لولو مجوسی خبیث نے نیزہ مارا اور امیر المومنین نے شوریٰ کا حکم دیا (کہ میرے بعد عثمان غنی، علی مرتضیٰ وطلحہ و زبیر و عبدالرحمٰن بن عوف و سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم، چھ صاحبوں سے مسلمان جسے مناسب تر جانیں خلیفہ بنائیں) تو حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خدمت امیر المومنین میں آئیں اور کہا "اے میرے باپ میرے بعض لوگ کہتے ہیں یہ چھ شخص پسندیدہ نہیں۔

امیر المومنین نے فرمایا مجھے تکیہ لگا کر بٹھا دو۔ بٹھلائے گئے تو ارشاد فرمایا:-

(۱) علی کی شان میں کیا کہہ سکتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا "اے علی اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں لا۔ تو روز قیامت میرے ساتھ میرے درجہ میں داخل ہوگا۔

(۲) بھلا عثمان کی شان میں کیا کہہ سکتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا جس دن عثمان انتقال کرے گا۔ آسمان کے فرشتے اس پر نماز پڑھیں گے۔" میں نے عرض کی یا رسول اللہ یہ فضیلت خاص عثمان کے لئے ہے یا ہر مسلمان کے لئے۔ فرمایا "خاص عثمان کے لئے"۔

(۳) طلحہ بن عبیداللہ کو کیا کہیں گے۔ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کجاوہ، پشت مرکب سے گر گیا تھا۔ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا، "کون ہے کہ میرا کجاوہ ٹھیک کر دے اور جنت لے" یہ سنتے ہی طلحہ دوڑے اور کجاوہ درست کر دیا۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور ان سے ارشاد فرمایا "اے طلحہ یہ جبرئیل ہیں تجھے سلام کہتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ میں قیامت کے ہولوں میں تمہارے ساتھ رہوں گا یہاں تک کہ ان سے تمہیں نجات دونگا۔

زبیر بن عوام کو کیا کہیں گے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور آرام فرماتے تھے زبیر بیٹھے پنکھا جھلتے رہے۔ یہاں تک کہ محبوب رب العلمین صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوتے۔ فرمایا اے ابو عبداللہ (زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ہے) کیا جب سے تو جھل رہا ہے"۔ عرض کی میرے ماں باپ حضور پر نثار۔ جب سے برابر جھل رہا ہوں"۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ جبریل ہیں تجھے سلام کہتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ میں روز قیامت، تمہارے ساتھ رہوں گا۔ یہاں تک کہ تمہارے چہرے سے جہنم کی اڑتی چنگاریاں دور کروں گا"۔

سعید بن ابی وقاص کو کیا کہیں گے۔ میں نے روز بدر دیکھا۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ باران کی کمان چلّہ باندھ کر انہیں عطا کی اور فرمایا "تیرے قربان میرے ماں باپ"۔ عبدالرحمٰن بن عوف کو کیا کہیں گے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ حضور حضرت خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں تشریف فرما تھے۔ دونوں صاحبزادے رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھوکے روتے بلکتے تھے۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کون ہے کہ کچھ ہماری خدمت میں حاضر کرے"۔ اس پر عبدالرحمٰن بن عوف حیس (کہ کھجور اور پنیر کو باریک کوٹ کر گھی میں گوندھتے ہیں) اور دو روٹیاں کہ ان کے بیچ میں روغن رکھا تھا لے کر حاضر ہوئے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تیرے دنیا کے کام درست کردے اور تیری آخرت کے معاملہ کا تو میں ذمہ دار ہوں (الامن والعلیٰ)

اصحاب بیعۃ الرضوان

رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہ وبارک وسلم نے سال حدیبیہ یعنی ذی قعد سنہ ۶ھ میں مکہ معظمہ کا قصد فرمایا۔ تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابۂ کرام، ہم رکاب تھے۔ سامان جنگ کوئی ساتھ نہ تھا۔ قربانی کے جانور ساتھ تھے اور سفر بھی ماہ ذی قعد میں کیا جس میں عرب، قدیم رواج کی پابندی سے جنگ ہرگز نہ کیا کرتے تھے۔ ذوالحلیفہ میں پہنچ کر آپ نے عمرہ کا احرام باندھا جس سے صاف ظاہر تھا کہ آپ کا جنگ کا ارادہ نہیں ہے جب مکہ ۱۹ میل رہ گیا تو آپ نے مقام حدیبیہ سے قریش کے پاس اپنے آنے کی اطلاع بھیج دی اور آگے بڑھنے کی اجازت بھی ان سے چاہی۔ کفار قریش کی جانب سے تفتیش احوال کے لئے کئی شخص آئے اور سب نے جاکر یہی بیان کیا کہ حضور عمرہ کے لئے تشریف لائے ہیں جنگ کا ارادہ

نہیں ہے۔ لیکن انہیں یقین نہ آیا، آخرکار انہوں نے عروہ بن مسعود ثقفی کو، جو طائف کے بڑے سردار اور عرب کے نہایت متمول شخص تھے تحقیق حال کے لئے بھیجا۔ انہوں نے آکر دیکھا کہ صحابۂ کرام حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بڑی شیفتگی رکھتے ہیں اور واپس جاکر، قریش سے بیان کیا کہ مجھے بارہا نجاشی (بادشاہ حبش) قیصر (بادشاہ قسطنطنیہ) اور کسریٰ (بادشاہِ ایران) کے دربار میں جانے کا اتفاق ہوا ہے مجھے کوئی بھی ایسا بادشاہ نظر نہ آیا جس کی عظمت، اس کے درباروالوں میں کے دل میں ایسی ہو جیسی اصحاب محمد کے دل میں، محمد کی ہے۔ وہ تھوکتے ہیں تو ان کا آب دہن زمین پر گرنے نہیں پاتا۔ کسی نہ کسی کے ہاتھ ہی پر گرتا ہے اور وہ شخص اس آب دہن کو اپنے چہرہ پر مل لیتا ہے جب وہ کوئی حکم دیتے ہیں تو تعمیل کے لئے سب ایک دوسرے پر سبقت کے لئے دوڑتے ہیں۔ جب وہ وضو کرتے ہیں تو آب مستعمل پر ایسے گرے پڑتے ہیں گویا لڑائی ہو پڑے گی۔ جب وہ کلام کرتے ہیں تو سب کے سب چپ ہو جاتے ہیں۔ ان کے دلوں میں اتنا ادب ہے کہ وہ اس کے سامنے نظر اٹھاکر بھی نہیں دیکھتے۔ میری رائے ہے کہ ان سے صلح کر لو جیسے بھی بن پڑے" ادھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قریش کے پاس اپنا سفیر بناکر بھیجا۔ قریش نے آپ کو روک لیا اور مسلمانوں میں یہ خبر پھیل گئی کہ قریش نے حضرت عثمان کو قتل کر دیا ہے۔ اس پر مسلمانوں کو بہت جوش آیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے سروسامان جمعیت سے جاں نثاری اور کفار کے مقابل، جہاد میں ثابت قدم پر بیعت لی کہ اگر لڑنا بھی پڑا تو ثابت قدم رہیں گے۔ اس بیعت میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنے بائیں ہاتھ کو، حضرت عثمان کا دہنا ہاتھ قرار دیا اور ان کی جانب سے اپنے ہاتھ پر بیعت لی۔ بیعت کرنے والوں کی تعداد چودہ سو تھی۔ یہ بیعت ایک خاردار درخت کے نیچے ہوئی تھی جس کو عرب میں سمرہ کہتے ہیں۔ اس بیعت کا حال سن کر قریش ڈر گئے اور انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو واپس کر دیا اور صلح پر آمادہ ہو گئے یہی صلح، صلح حدیبیہ کے نام سے موسوم ہے اور اس بیعت کو بیعت الرضوان کہتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی ان میں سے کوئی بھی دوزخ میں داخل نہ ہو گا۔ (مسلم شریف)

اصحابِ بدر

بدر مدینے کے جنوب و مغرب میں، مکہ اور مدینہ کے درمیان، مدینہ سے قریب، سلطانی راستہ پر واقع ہے اور ایک پڑاؤ اور منڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسے اہمیت اس لئے حاصل تھی کہ یہاں پانی کی افراط تھی اور یہ عرب میں ایک بڑی چیز تھی۔ توحید اور شرک کے درمیان، یہیں سب سے پہلا قابل ذکر تصادم بروز جمعہ ۱۷ رمضان المبارک ۲ھ کو پیش آیا تھا۔ اس غزوہ نے اسلام کی اور اس طرح بالواسطہ ساری دنیا کی تاریخ کا رخ ہی پلٹ دیا تھا۔

ہجرت مدینہ، مشرکین کے لئے کچھ اس درجہ برہمی اور اشتعال کا باعث ہوئی کہ ان کے وطن چھوڑ کر سینکڑوں میل، دور چلے جانے پر بھی، انہیں چین نہ آیا اور انہوں نے طے کر لیا کہ جس قیمت پر بھی ہو سکے مسلمانوں کو نیست و نابود کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ اس کے لئے انہوں نے ہجرت سے متصل ہی جنگ معرکوں کی ابتدا کر دی مگر مشرکین مکہ کی آتش حسد کے لئے یہ کافی نہ تھا اور وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ ہو جائے اس ارادہ کی تکمیل کے لئے انہوں نے ابوسفیان کی سرکردگی میں ایک بڑا قافلہ تجارت شام کی منڈیوں میں بھیجا تاکہ اس کے کثیر منافع سے سامان جنگ مہیا کیا جائے۔ مشرکین کے جوش و خروش کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ مکہ کے ہر متنفس نے اپنے سرمایہ کا کچھ نہ کچھ حصہ اس تجارت کے لئے پیش کیا۔ اور تقریباً ستر قریشیوں پر مشتمل یہ قافلہ شام کو روانہ ہو گیا۔ قریش کا یہ تجارتی قافلہ جب نفع کثیر حاصل کر کے شام سے واپس ہو کر مکہ جا رہا تھا اور بدر سے قریب ہو کر گزرا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا اور اس کا تعاقب فرمایا۔ ان مسلمانوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی اور چند تلواریں دو تین گھوڑے، ساٹھ زرہ، اور ساٹھ اونٹ ان کا متاع جنگ تھا۔ یہ کہنا چاہیئے کہ یہ کوئی جنگی لشکر نہیں تھا بلکہ فدا کاران اسلام کا ایک مختصر سا قافلہ تھا جو قریش کے حرب و ضرب کے سرمایہ پر قابض ہو کر دشمن کو بے مایہ بنانے نکلا تھا۔ اُدھر جب کفار کو اس تعاقب کا علم ہوا تو تمام سرداران قریش آمادۂ جنگ ہو کر اپنے اپنے لشکر کو لے کر نکل کھڑے ہوئے اور اس کروفر سے نکلے کہ تعداد میں ایک ہزار تھے۔ نیزے اور تلواریں بے شمار تھیں، سات سو زرہ، ستر گھوڑے اور بے شمار اونٹ تھے۔ غرض دونوں فریق جنگ کے لئے صف آراء

ہوئے اور مسلمانوں کو نصرت خداوندی نے بامراد و کامیاب کیا اور مشرکین قریش کے تمام سردار اور مشہور نبرد آزما ہی قتل نہیں ہوئے بلکہ شرک و کفر کی اجتماعی طاقت ہی کا خاتمہ ہو گیا۔ اس غزوہ میں شریک تمام صحابہ کرام کو مغفرت و بخشش عام کی دولت سے مالامال فرمایا گیا۔

مقامِ صحابیت

صحابی ہر وہ مسلمان ہے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت، بحالت ایمان پائی یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا اور تادم واپسیں ایمان پر قائم رہا۔ بلوغ اس کے لئے شرط نہیں۔ جو بھی ایمان کے ساتھ حضور کی صحبت و لقاء کا شرف پا جائے خواہ قبل البلوغ ہو یا بعد البلوغ وہ صحابی ہیں بشرط سلامتی ایمان۔

عقیدہ:۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اہل خیر و اہل صلاح ہیں اور عادل ان کا جب ذکر کیا جائے تو خیر ہی کے ساتھ ہونا فرض ہے۔

عقیدہ:۔ تمام صحابہ کرام اعلیٰ و ادنیٰ (اور ان میں کوئی ادنیٰ نہیں) سب جنتی ہیں وہ جہنم کی بھنک نہ سنیں گے اور ہمیشہ اپنی من مانتی مرادوں میں رہیں گے۔ محشر کی وہ بڑی گھبراہٹ انہیں غمگین نہ کرے گی فرشتے ان کا استقبال کریں گے کہ یہ ہے وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا۔

عقیدہ:۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم انبیاء نہ تھے۔ فرشتے نہ تھے کہ معصوم ہوں ان میں بعض سے لغزشیں ہوئیں مگر ان کی کسی بات پر گرفت، اور ان میں سے کسی کو اپنی تنقید کا نشانہ بنانا، اللہ و رسول کے خلاف ہے۔

تشریح:۔ اللہ عزوجل نے سورۂ حدید میں صحابۂ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو قسمیں فرمائیں۔ ایک وہ کہ قبل فتح مکہ مشرف بہ ایمان ہوتے اور راہ خدا میں مال خرچ کیا جہاد کیا۔ جبکہ ان کی تعداد بھی بہت قلیل تھی اور وہ ہر دنیاوی اعتبار سے ضعیف و درماندہ بھی تھے۔ انہوں نے بڑی بڑی اذیتیں اٹھائیں ظلم جھیلے۔ اپنی جانوں کو خطرات میں ڈالا اور بلا دریغ اپنا سرمایہ اسلام کی خدمات کے لئے نذر کر دیا۔ یہ مہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین ہیں۔ ان کے حق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دے، تو بھی ان کے

ایک مُد کے برابر نہ ہو۔ نہ نصف مد کے برابر (مُد ایک پیمانہ ہے جس سے جو ناپے جاتے ہیں)

دوسرے وہ کہ بعد فتح مکہ دولت ایمان سے مالامال ہوئے اور اپنے اخلاص کا ثبوت جہاد مالی وقتال سے دیا جب اسلام کا غلغلہ بلند ہوتا جارہا تھا اور اسلامی سلطنت کی جڑیں مضبوط ہو چکی تھیں اور مسلمان کثرت تعداد اور جاہ و مال، ہر لحاظ سے بڑھ چکے تھے۔ پھر قرآن کریم نے مومنین قبل فتح مکہ کو، مومنین بعد فتح مکہ پر تفضیل دی۔ اور پھر دونوں فریق کے بارے میں فرمایا وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۔ اور ان سب سے اللہ، بھلائی کا وعدہ فرما چکا۔ اور جن سے بھلائی کا وعدہ فرما چکا ان کے بارے میں ارشاد ہے۔

۱۔ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۔ وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں۔

۲۔ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا وہ اس کی بھنک تک نہ سنیں گے۔

۳۔ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ۔ اور وہ اپنی من مانتی خواہشوں میں ہمیشہ رہیں گے (خداوندی نعمتوں نوازشوں اور کرامتوں سے نوازے جائیں گے) اور پھر یہ کیفیت عارضی ووقتی نہیں۔ دائمی ولازوال وغیر منقطع ہوگی۔

۴۔ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ انہیں غم میں نہ ڈالی گی وہ سب سے بڑی گھبراہٹ۔

۵۔ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۔ اور فرشتے ان کی پیشوائی کو آئیں گے۔ (قبروں سے نکلتے وقت مبارکبادیں دیتے تہنیت پیش کرتے اور یہ کہتے)

۶۔ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا دہشت وہول کا وہ انتہائی وقت یقیناً ہوگا لیکن انہیں دہشت کیوں ہونے لگی انہیں تو خواب موت سے جاگتے ہی تسکین تشفی اور دلدہی کے لئے فرشتے مل جائیں گے جو اعزاز واکرام سے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر صحابی کی یہ شان، کون بیان فرمارہا ہے؟ اللہ عزوجل اور وہ کہاں بیان فرمارہا ہے؟ قرآن کریم میں۔ کہ کلمہ پڑھ کر اس میں کسی تردّد وتذبذب کی گنجائش و مجال ہی نہیں۔ تو جو کسی صحابی پر طعن کرے۔ آیات قرآنیہ کو جھٹلاتا اور تکذیب کرتا ہے رب العلمین کی۔

اور صحابۂ کرام کے بعض معاملات، جن میں اکثر حکایات کاذبہ ہیں، ارشاد الٰہی کے مقابل پیش

کرنا، اہل اسلام کا کام نہیں۔ رب عزوجل نے اسی آیت میں اس کا منہ بھی بند کردیا کہ دونوں فریق صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھلائی کا وعدہ کرکے، ساتھ ہی ارشاد فرمادیا وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ۔ اور اللہ کو خوب خبر ہے جو کچھ تم کروگے۔ بااین ہمہ میں تم سب سے بھلائی کا وعدہ فرما چکا۔ تو جب اس نے ان کے تمام اعمال جان کر، حکم فرمادیا کہ ان سب سے ہم جنت بے عذاب، وکرامت وثواب کا وعدہ فرما چکے، تو دوسرے کو کیا حق رہا کہ ان کی کسی بات پر طعن کرے۔ کیا طعن کرنے والا، اللہ عزوجل سے جدا اپنی مستقل حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد جو کوئی کچھ بکے اپنا سر کھائے اور جہنم میں جائے۔ اسی لئے علامہ شہاب الدین خفاجی، نسیم الریاض، شرح شفائے قاضی عیاض میں فرماتے ہیں کہ وَمَنْ یَکُوْنُ یَطْعَنُ فی معاویۃ فذاك كلب من كلاب الهاویہ۔ جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کرے وہ جہنم کے کتوں میں سے ایک کتا ہے۔" اور اسی لئے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ "صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں باہم جو واقعات رونما ہوئے ان میں پڑنا، ان کی کنکاش کرنا، ان کا محاسبہ کرنا، بحث ومباحثہ میں پڑنا۔ حرام حرام سخت حرام اور چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔ مسلمانوں کو تو یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ سب حضرات سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جاں نثار اور سچے غلام ہیں اور پاک دامن وراستباز۔ پھر یہ جان نثاری، پاک دامنی اور راستبازی بھی کیسی! جس پر خود قرآن عظیم گواہ ہے۔ آخر انہیں کے بارے میں تو فرمایا کہ اولئك الذین امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ للتقوی۔ "یہ وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لئے پرکھ لیا ہے۔"

انہیں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ اُولٰٓئِكَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ۔ "لیکن اللہ نے تمہیں دین پیارا کردیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کردیا۔ اور کفر اور حکم عدولی اور نافرمانی تمہیں ناگوار کردی۔ ایسے ہی لوگ راہ پر ہیں۔" یہ آیات کریمہ صاف بتارہی ہے:۔

ایمان[۱] صحابۂ کرام کا محبوب مشغلہ ہے۔ یہ جو کچھ کرتے ہیں ایمان کے لئے، ایمان کی خاطر کرتے ہیں۔

ایمان[۲] صحابۂ کرام کے دلوں کی زینت ہے اور ان کے سینے انوار ایمان سے معمور ومزین۔

کفر[۳] درکنار، فسق وفجور یعنی گناہ کبیرہ کا ارتکاب بھی ان کے نزدیک سخت قابل نفرت ہے۔

اور معصیت یعنی گناہ صغیرہ بھی ان کے ذہنوں میں مکروہ ونفرت خیز ہے۔

تو حکم عدولی ونافرمانی کا صدور ان سے عمل میں آ نہیں سکتا کہ قوت ایمانی، ان کے سینوں میں مستحکم ہے اور ان کا تقویٰ انہیں ہر ایسے محل سے صاف بچا لیتا ہے جہاں اوروں کے قدم ڈگمگا جائیں۔ اور کیوں نہ ہو آخر ان کے دلوں میں جاگزیں تقوی وہ تقوی ہے جو آزمودہ خداوندی ہے۔ اسی لئے فرمادیا کہ یہ لوگ راہ راست پر ہیں۔ اور اسی باعث ان کے حق میں ارشاد ہوا رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ۔ اللہ ان سے راضی اور وہ سب اللہ سے راضی۔

صحابۂ کرام میں دو طبقے ہیں مہاجرین وانصار۔

مہاجرین وہ اہل ایمان ہیں جو اپنا وطن مکہ چھوڑ کر، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت و متابعت اور نصرت میں، ہجرت کرکے مدینہ آگئے۔

انصار وہ اہل ایمان جنہوں نے مدینہ میں ہجرت کرکے آنے والے صحابۂ کرام کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام کی ہر طرح خدمت ونصرت کی۔

اور قرآن کریم انہیں کے بارے میں صاف ارشاد فرماتا ہے۔ وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُهٰجِرِيۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ وَالَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُمۡ بِاِحۡسَانٍ رَّضِىَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ الآیۃ

"اور سب میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے، اللہ ان سے راضی (اس کو ان کے نیک عمل مقبول) اور وہ اللہ سے راضی (اس کے ثواب وعطا سے خوش)" آیت کریمہ میں تمام مہاجرین وانصار کے ساتھ، رضائے الٰہی کا پروانہ ان مسلمانوں کو بھی ملا جو بھلائی کے ساتھ ان صحابہ کے پیرو ہوئے اور اس میں امت کے سارے طبقات قیامت تک کے لئے آگئے اور اتباع صحابہ بالاحسان نے انہیں بھی عظیم بشارتوں سے نوازا۔

تو کہنا یہ ہے کہ باہمی مشاجرات صحابہ کی جو روایتیں ہم تک پہنچی ہیں ان سے ہمارے لئے یہ روا نہیں ہوجاتا کہ ایک کے اتباع کے زور میں ہم دوسرے کی عیب جوئی کرنے لگیں۔ بس امیر المومنین حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم تو خیر اجل اصحاب نبی اور خلفائے راشدین میں ہیں، حضرت امیر معاویہ بھی جو یہ مرتبہ نہیں رکھتے وہ بھی بہر حال صحابی ہیں ان کے حق میں بھی زبان طعن کھولنا اور ان کی ذات مبارک صفات کو اپنی تنقید کا نشانہ بنانا ہرگز ہرگز درست نہیں۔

عقیدہ: کسی صحابی کے ساتھ سوءِ عقیدت (بد عقیدگی و بدگمانی) بدمذہبی و گمراہی و استحقاق جہنم ہے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض ہے۔ ایسا شخص رافضی ہے اگرچہ چاروں خلفاء کو مانے اور اپنے آپ کو سنی کہے۔ مثلاً حضرت امیر معاویہ اور ان کے والد ماجد حضرت ابوسفیان، اور والدۂ ماجدہ حضرت ہندؓ اسی طرح حضرت سیدنا عمرو بن العاص و حضرت مغیرہ بن شعبہ و حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم، حتیٰ کہ حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہوں نے قبل اسلام، حضرت سیدنا سیدالشہداء حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا، اور بعد اسلام اخبث الناس خبیث مسیلمۂ کذاب (کہ مدعی نبوت ہوا اس) کو واصل جہنم کیا۔ وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے خیرالناس و شرالناس کو قتل کیا۔ ان میں سے کسی کی شان میں گستاخی تبرا ہے اور اس کا قائل رافضی اور توہین کا مرتکب ہے اگرچہ حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی توہین کے مثل نہیں ہوسکتی کہ ان کی توہین، بلکہ ان کی خلافت سے انکار ہی فقہائے کرام کے نزدیک کفر ہے۔

عقیدہ: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجتہد تھے۔ ان کا مجتہد ہونا، حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حدیث صحیح بخاری میں بیان فرمایا ہے۔ مجتہد سے صواب و خطا دونوں صادر ہوتے ہیں۔ خطا دو قسم پر ہے۔ خطاءِ عنادی جس کی بنیاد عناد و اتباع ہوائے نفس پر ہوتی ہے نہ کہ تحقیق حق پر۔ یہ مجتہد کی شان نہیں۔

خطاءِ اجتہادی۔ یہ مجتہد سے ہوتی ہے اور اس میں اس پر عنداللہ اصلاً مواخذہ نہیں مگر احکام دنیا میں وہ دو قسم پر ہیں۔ خطاءِ مُقرّر۔ خطاءِ مُنکر۔ خطاءِ مقرر، یہ وہ خطائے اجتہادی ہے جس سے دین میں کوئی فتنہ نہ پیدا ہوتا ہو۔ اس کے صاحب پر انکار نہ ہوگا۔ اور نہ اس کی تضلیل و تفسیق کی جائے گی جیسے ہمارے نزدیک، مقتدی کا امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا کہ خطاءِ مقرر ہے۔ اور خطائے منکر یہ وہ خطائے اجتہادی ہے جس کے صاحب پر انکار کیا جائے گا کہ اس کی یہ خطا باعث فتنہ ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا حضرت سیدنا امیرالمومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے خلاف اسی قسم کی خطا کا تھا۔ اور فیصلہ وہ، جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مولیٰ علی کی حق کے لئے قتال پر تصویب اور امیر معاویہ کی مغفرت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

مسئلہ اور یہ جو بعض جاہل کہا کرتے ہیں کہ جب حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے

ساتھ، امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام لیا جائے تو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ کہا جائے، محض باطل و بے اصل ہے۔ علمائے کرام اہلسنت وجماعت کثر ھم اللہ تعالیٰ نے باتباع قرآن وحدیث، صحابۂ کرام کے اسمائے طیبہ اور ان میں سے ہر ایک کے نام کے ساتھ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے کا حکم دیا ہے۔ کسی صحابی کو اس سے مستثنیٰ کرنا، نئی شریعت گھڑنا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اوّل ملوک اسلام اور مسلمان سلاطین میں پہلے سلطان مسلمین ہیں۔ اسی کی طرف تورات مقدس میں اشارہ ہے کہ مَوْلِدُہٗ بِمَکَّۃَ وَمُھَاجَرُہٗ طَیْبَۃَ وَمُلْکُہٗ بِالشَّامِ۔ یعنی "وہ نبی آخر الزماں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) مکہ میں پیدا ہوگا۔ مدینہ کو ہجرت فرمائے گا اور اس کی سلطنت شام میں ہوگی۔"

تو امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بادشاہی اگرچہ سلطنت ہے مگر کس کی؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سلطنت ہے۔ سلطان السلاطین ہی کی بادشاہت ہے۔ سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک فوج جرار، جاں نثار کے ساتھ، عین میدان جنگ میں بالقصد وبالاختیار ہتھیار رکھ دیئے اور خلافت امیر معاویہ کے سپرد کردی اور ان کے ہاتھ پر بیعت فرمالی۔ اور یہ صلح وہ صلح ہے جو پسندیدۂ بارگاہ مصطفےٰ ہے صلی اللہ علیہ وسلم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے، اللہ عزوجل کے بتلائے اسے جانا، اس کی بشارت دی اور امام حسن کی نسبت، اپنی زبان وحی ترجمان سے ارشاد فرمایا اِنَّ ابْنِیْ ھٰذَا سَیِّدٌ لَعَلَّ اللہَ اَنْ یُّصْلِحَ بِہٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ عَظِیْمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ (میرا یہ بیٹا سید دو سردار مسلمین) ہے میں امید فرماتا ہوں کہ اللہ عزوجل، اس کے باعث، اس کی بدولت، مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں صلح کرادے۔"

پھر جبکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت، ہر قرن اور ہر طبقہ میں مسلّمہ رہی تو ماننا پڑے گا کہ قرآن کریم اور حدیث شریف میں جو مناقب ومحامد اور فضائل وکمالات وارد ہوئے ہیں وہ سب کے سب ان کی ذات میں موجود تھے اور اسی کے ساتھ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا خلاف کرنے والوں اور ان کے ساتھ بغض وعناد اور سوءِ عقیدت رکھنے والوں

کا جو حکم شریعت مطہرہ میں ہے وہ بھی بلا شبہہ ان مخالفین امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر قطعاً لازم ہے۔ اور جہاں تک صحابیت کا مقام ہے آپ سنتے پڑھتے آئے ہیں کہ اللہ و رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہوں میں انہیں جو مقام و نعمت حاصل ہے وہ کسی کو میسر نہیں۔ صحابہ کرام کا طبقہ وہ ہے جن کی تقدیس و تطہیر کی کلیاں چمنستان شریعت میں چٹک رہی ہیں۔ اور خدا و رسول کے نزدیک یہ طبقہ کا طبقہ مقدس، مطہر، پاک دامن، پاک باطن، عدول و صالح القلب ہے۔ کیا آپ نے نہ سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ ۔

یعنی جس نے میرے ان صحابہ سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض کیا اس نے اس لئے بغض کیا کہ اس کے دل میں میری طرف سے بغض ہے۔ تو کیا کوئی کلمہ گو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغض و عناد رکھنے باوجود یہ سمجھتا ہے کہ اسے بارگاہ رسالت سے پروانہ خوشنودی میسر آسکتا ہے۔ لا واللہ ہرگز نہیں۔ رہے صحابہ کرام کے مابین اختلافات تو وہ کہاں نہیں ہوتے اور کن میں نہیں ہوتے۔ فرق یہ ہے کہ ان کے اختلافات محض حق کے لئے، دین کی سربلندی کے لئے اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے تھا اور ہم قطعاً یقیناً اسی پر اعتقاد جازم رکھتے ہیں اور ایک آن کے لئے بھی کسی صحابی کی طرف اتباع نفس اور بالقصد والارادہ، شریعت مطہرہ کی مخالفت کی نسبت گوارا نہیں کرتے بلا شبہ فتنہ و فساد برا ہے اور بہت برا، لیکن اس کا ارتکاب وہی کر سکتے ہیں جن کی نیتیں فاسد اور غرضیں کاسد ہو۔ جن کے دل و دماغ پر ذاتی اغراض و مقاصد کا ہجوم ہو۔ رہی خطائے اجتہادی تو وہ نہ گناہ ہے نہ قابل گرفت پھر کون نہیں جانتا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کاتب وحی بھی ہیں اور خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے امراء و سلاطین کے مابین ترجمان بھی۔ کہ مکتوب گرامی تحریر فرماتے اور باہر سے آئے ہوئے خطوط حضور کو سناتے۔ اب اگر ان سے اعتماد اٹھ جائے تو شریعت مطہرہ کی قابل اعتماد ٹھہرے۔ پھر ایمان کی خیر کہاں مولائے کریم ہمیں مذہب اہلسنت وجماعت پر استقامت نصیب فرمائے آمین۔ بجاہ حبیبہ وصفیہ صلی اللہ علیہ وسلم

عقیدہ ۳ ام المومنین حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قطعی جنتی اور یقیناً آخرت میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ عروس ہیں۔ جو انہیں ایذاء دیتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو ایذا دیتا ہے۔ حضرت طلحہ و حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو عشرہ مبشرہ سے ہیں۔ ان صاحبوں سے بھی بمقابلۂ امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم خطائے اجتہادی واقع ہوئی مگر ان سب نے بالآخر رجوع فرمائی۔

عرف شرع میں بغاوت مطلقاً بمقابلۂ امام برحق کو کہتے ہیں۔ عناداً ہو خواہ اجتہاداً ان حضرات پر بوجہ رجوع اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ گروہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حسب اصطلاح شرع اطلاق فئہ باغیہ (باغی گروہ) آیا ہے مگر اب کہ باغی بمعنی مفسد و معاند و سرکش ہو گیا اور دشنام سمجھا جاتا ہے، کسی صحابی پر اس کا اطلاق جائز نہیں۔

قندِ مکرّر

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے ہر صحابی کی توقیر و تعظیم، مذہب اہلسنت میں لازم و واجب ہے۔ ان کے حق میں بدگوئی حرام حرام سخت حرام ہے۔ ان سے حسن ظن اور ان کے قول و فعل پر خیر و صلاح پر محمول کرنا ضروری ضروری نہایت ضروری۔ ان پر اعتماد واثق اور یقین راسخ لابدی لابدی لابدی۔ ان پر زبان طعن و ملامت دراز کرنا، ان پر نکتہ چینی کرنا، ان کو خود ساختہ معیاروں پر پرکھنا ممنوع ممنوع ممنوع۔ یہی مذہب ہے اہل سنت و جماعت کثرہم اللہ تعالیٰ کا۔ اور اسی پر قدیم سے تمام علماء فضلاء صلحاء اولیاء مجتہدین، محدثین اور سلاطین دین و ملت کا عمل ہے یہی قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور اس کا خلاف کرنے والا جہنم کا ایندھن۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

اُمّہاتُ المومنین

ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض فضائل

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے۔

۱۔ یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ۔ اے غیب بتانے والے نبی اپنی بیبیوں سے فرما دے

آیۂ کریمہ میں ان کو ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب عالی سے یاد فرمایا تو یہ خطاب فی الواقع اس

بات کا مظہر ہے کہ انہیں، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہمیشہ کے لئے اتصال حاصل ہے اور ان میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اتحاد ظاہری و معنوی اور وحدت ازدواجی و ایمانی پائی جاتی ہے۔

۲۔ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ۔ تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔

النساء میں صنف نازک کا ہر فرد شامل ہے اور کوئی عورت ذات بھی اس سے باہر نہیں رہ جاتی اس سے ثابت ہوا کہ ازواج مطہرات کا درجہ، ہر ایک عورت سے بالا و متمیز و ممتاز اور شان خاص کا ہے حامل۔

۳۔ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ۔ اے نبی ہم نے حلال فرمائیں تمہارے لئے تمہاری بیبیاں۔ زن و مرد، تزویج کے بعد زن و شوہر بن جاتے ہیں لیکن کوئی زن و شوہر یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس عقد کا درگاہِ رب العزت میں کیا درجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خطاب فرما کر اعلان کر دیا کہ نبی کی بیبیوں کا ازواج النبی ہونا بمنظوری رب العلمین ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ منظوری فی الواقع ان کے لئے فضیلت عظمیٰ ہے۔

۴۔ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ آپ اپنی بیبیوں کی مرضی چاہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کی خوشنودی کا اہتمام فرمایا کرتے تھے اور یہ بات ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال، غلطی کے شائبہ سے بالاتر ہیں اور ہم حضور اقدس کے کسی فعل کو خطا یا غلطی کی طرف منسوب نہیں کر سکتے۔ تو جب حضور، ان پاک مقدس بیبیوں کی خوشنودی کے جویا رہتے تھے تو یہ امر بھی ان کی فضیلت پر ایک روشن دلیل ہے۔ اور فی الواقع یہ چیز زوجین کے مابین حسن معاشرت اور تدبیر منزل کی جان ہے اور امت کے لئے اسوۂ حسنہ۔

۵۔ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا الآیۃ

"اے نبی اپنی بیبیوں سے فرمادے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں مال دوں اور اچھی طرح چھوڑ دوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو بے شک اللہ نے تمہاری نیکی والیوں کے لئے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔"

آیۂ کریمہ میں ازواج مطہرات کو اختیار دیا گیا کہ اگر وہ دنیا اور زینت دنیا چاہیں تو وہ انہیں مہیا کر دیا جائے گا۔ لیکن اس صورت میں انہیں علیحدگی اختیار کرنا ہوگی۔ اور اگر خدا و رسول اور دارِ

آخرت پسند ہے تو دنیاوی ساز وسامان سے زہد اختیار کرنا ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت انہیں نصیب رہے گی۔ اور تمام ازواج کا ایک ہی جواب تھا کہ ہم اللہ کو اور اس کے رسول کو اور دار آخرت کو چاہتی ہیں۔ اور اس صورت میں وہ ان مُحسِنٰت میں داخل ہوئیں جن کے لئے اجر عظیم کا وعدہ خداوندی ہے اور یہ بہت بڑی فضیلت ہے۔

۶ - وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ : اس (نبی) کی بیبیاں، مسلمانوں کی مائیں ہیں - آیۂ کریمہ میں اس شفقت و تعلق کا ذکر بھی ہے جو حضور کی اپنی امت پر مبذول رہتی ہے۔ اور اس تعلق کا بھی جو ایک صاحب ایمان کو حضور کے ساتھ ہونا چاہیئے کہ وہ حضور کو اپنی جان شیریں سے زیادہ محبوب اور حضور کو اپنی جان سے بڑھ کر سمجھے، اور اس تعلق کا بھی جو ایک امتی کو ازواج مطہرات سے ہے کہ وہ تقدس و تعظیم میں انہیں وہی مقام دے جو اس کی ماں کو حاصل ہے اور ان کی رضاجوئی اور خدمتگاری میں کوئی کمی نہ آنے دے۔ تکمیل ایمان کے لئے ازواج مطہرات کی تعظیم و تبجیل اتنی ہی ضرور ولابدی ہے جتنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر۔ ان کے حقوق کی بجا آوری، شرائط ایمان کے ساتھ منسلک ہے ہاں یہ شرف حاصل اسی وقت ہوتا ہے جب ولاءِ نبوی اور جمال ایمان کی دولتیں نصیب ہوں

۷ - اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔

"اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی کو دور فرما دے اور تمہیں پاک کرکے خوب ستھرا کر دے۔" یعنی گناہوں کی نجاست سے تم آلودہ نہ ہو۔

آیۂ کریمہ اہل بیت کے مناقب و فضائل، اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وازواجہ وسلم کے گھر والوں کے مزید شرف واحترام کا اظہار ہے۔

اور جس سیاق و سباق میں یہ آیۂ کریمہ وارد ہوئی ہے اس سے بالکل ظاہر ہے کہ یہاں اہلبیت سے مراد ازواج مطہرات ہیں اور یہی مفہوم، سلف صالحین سے منقول ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس حضرت عروہ بن زبیر اور عکرمہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اہل بیت سے مراد، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات ہیں (قرطبی)

اور یہ بات تو ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتی ہے اور بالکل ظاہر ہے کہ خطاب کا آغاز ہی یا نساء النبی کے الفاظ سے کیا گیا ہے اور ماقبل و مابعد کی پوری تقریر میں وہی مخاطب ہیں۔ علاوہ بریں

"اہل البیت" کا لفظ عربی زبان میں ٹھیک انہیں معنی میں مستعمل ہوتا ہے جن میں ہم اردو محاورے میں "گھر والوں" کا لفظ بولتے ہیں اور اس کے مفہوم میں آدمی کی بیوی اور اس کے بچے دونوں شامل ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں دوسری جگہ بھی اہل بیت کا لفظ ایک پیمبر کی زوجۂ محترمہ کے لئے آیا ہے یعنی حضرت سارہ کے لئے۔

"رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝"

تو جب اوّل سے آخر تک تمام کلام کی مخاطب ازواج مطہرات ہیں تو انہیں یک لخت مستثنیٰ کر کے اہل بیت سے خارج کر دینا۔ سیاق و سباق اور محاورات کے خلاف بھی ہے اور اہلسنت کے اس مذہب کے خلاف بھی کہ اہل بیت سے مراد اوّلاً ازواج مطہرات ہیں۔ ہاں محققین اہلسنت کا فیصلہ یہ ہے کہ لفظ کے عموم میں، ازواج مطہرات کے علاوہ اور ہستیاں بھی داخل ہیں۔ احادیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنین کریمین کو بلایا اور اپنے زانوئے مبارک پر بٹھایا۔ پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو قریب کیا اور ان پر چادر ڈال کر فرمایا

"اے اللہ یہ میرے اہلبیت ہیں۔"

بلکہ احادیث نبویہ سے واضح ہے کہ آل محمد یا "اہل بیت محمد" صلی اللہ علیہ وسلم میں بنو ہاشم و بنو عبد المطلب بھی داخل ہیں اور آل عباس بھی اس میں شامل۔ الغرض آیۂ کریمہ کا صاف واضح ارشاد ہے کہ مولائے کریم نے جب ان سے رجس و ناپاکی دور کرنے اور انہیں خوب ستھرا کرنے کا ارادہ فرمایا تو ظاہر ہے کہ اس نے اپنا ارادہ پورا فرما کر انہیں طہارت کا درجہ کامل و اعلیٰ نصیب فرما دیا۔ اور یہ بہت بڑا شرف ہے۔ اور یہی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان رفیع کا مقتضیٰ ہے۔

۸۔ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اور یاد کرو جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں اللہ کی آیتیں اور حکمت اس آیت میں "بیوت" کی نسبت ازواج مطہرات کی جانب کی گئی ہے اور اسی سورت میں ان بیوت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب مضاف فرمایا گیا ہے اور اسی دفعہ انہیں گھروں کو حضور کا گھر بتایا اور ایک دفعہ انہیں گھروں کو ازواج کا گھر ٹھہرایا۔ اور دنیا جانتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی الگ مستقل مکان، ازواج مطہرات کے

ان حجروں کے علاوہ تو تھا نہیں تو یہاں بُیُوتِکُنَّ لا کر یہ بات بھی مسلمانوں کو بتائی گئی کہ زوجین کریمین میں کمال اتحاد و یگانگت موجود ہے۔ان میں سے کسی کو حضور کے دامن کرم سے علیحدہ کرنا، ایمان وغیرت ایمانی کے منافی ہے۔

۹۔ اور آیۂ کریمہ میں اس بات کی بھی تصریح ہے کہ ان گھروں میں وحی و حکمت کا نزول ہوتا ہے۔یہ گھر مہبط وحی الٰہی ہیں۔یہ گھر حکمت ربانی کا گہوارہ ہیں اور ظاہر ہے کہ مکان کی عزت، مکین سے ہوتی ہے۔اب ازواج مطہرات کے لئے خود ہی اندازہ لگا لیجئے کہ انہیں بارگاہ الٰہی میں کس قدر عزت و حرمت کا مقام حاصل ہے۔پھر جب نزول وحی و حکمت، خاص ان گھروں میں ہوتا ہے تو ازواج مطہرات سے بڑھ کر علوم و معارف قرآنیہ اور حقائق و دقائق شرعیہ کا حامل ان سے بڑھ کر عورتوں میں اور کون ہوسکتا ہے۔

۱۰۔ وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً۔ "اور تمہارے آپس میں محبت و رحمت رکھی"

اس آیت میں جب عام طور پر زوجین کی یہ صفت بیان فرمائی گئی ہے تو بالضرور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ازواج مطہرات بھی اس صفت کے مظہر تھے۔تو علام الغیوب کے ارشاد گرامی سے ثابت ہوا کہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضور کے لئے سکینۂ قلب تھیں۔اور ان کے دلوں میں حضور کی محبت و رحمت بھری ہوئی تھی۔جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وازواجہ وبارک وسلم کے قلب اطہر میں ان کے لئے مودت و رحمت موجود تھی۔اور یہ خود بڑی فضیلت کا مقام ہے اور ازواج مطہرات کے لئے موجب فخر و باعث ہزار افتخار۔

۱۱۔ يٰنِسَاءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ

اے نبی کی بیبیو! جو تم میں صریح حیا کے خلاف کوئی جرأت کرے اس پر اوروں سے دونا عذاب ہوگا"

اہل علم نے اس کی تصریح کر دی ہے کہ لفظ فاحشہ جب ال کے ساتھ معرفہ ہو کر وارد ہو تو اس سے زنا اور لواطت مراد ہوتی ہے۔اور جب تنوین کے ساتھ صیغہ نکرہ میں آئے گا تو اس کے مفہوم میں ہر قسم کی معصیت داخل ہوگی اور جب موصوف ہو کر استعمال ہوگا تو اس سے شوہر کی نافرمانی اور معاشرتی برائی اور حقوق زوجیت کی عدم ادائیگی مراد ہوگی۔اور یہاں آیت میں یہی صورت

ہے تو یقینی طور پر مراد اس سے یہ ہے کہ اگر تم سے سوءِ معاشرت، اور عدم ادائیگی حقوق زوجیت جیسی کوئی ایسی بات صادر ہوگی جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب انور کو مکدر کرے تو سزا دوگنی ملے گی۔ یعنی جتنی دوسرے شخص کو ملتی اس سے دونی۔

فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ خواص و علماء پر بمقابلہ عوام امت کے، گرفت زیادہ سخت ہوگی اور اسی طرح ان کا اجر و ثواب بھی عوام سے کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ جس شخص کی فضیلت زیادہ ہوتی ہے اس سے اگر قصور واقع ہو تو وہ قصور بھی دوسروں کے قصور سے زیادہ سخت قرار دیا جاتا ہے۔ اور ازواج مطہرات چونکہ تمام جہاں کی عورتوں پر فضیلت رکھتی ہیں۔ اس لئے ان کی ادنیٰ بات بھی سخت گرفت کے قابل ہے۔ اور اسی سے ان کی بارگاہ الٰہی میں مقربات میں سے ہونا ثابت ہوا اور ان کی فضیلت اور پر نہ مانی جاتے تو عذاب و سزا میں اوروں کے مقابل یہ امتیاز کیسا۔ اس میں یہ بشارت بھی ہے کہ ازواج مطہرات سے ایسی ناشائستہ حرکات کا صدور نہ ہوگا اور یہ آیت از قبیل لئن اشرکت لیحبطن عملک ہے۔

مختصر حالات

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ان کے والد خویلد بن اسد، عرب کے مشہور تاجر اور قریش میں معزز و نامور تھے۔ ان کی والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا۔ ان کا سلسلۂ نسب نبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ساتھ، قصیٰ میں شامل ہو جاتا ہے۔ حضرت خدیجہ کا لقب جاہلیت میں بھی طاہرہ تھا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا عمرو بن اسد نے ان کا نکاح نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ اس وقت آپ کی عمر چالیس سال اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف پچیس سال تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پہلا نکاح تھا اور اس نکاح کی درخواست حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی جانب سے کی گئی تھی۔ یہ اسلام میں سب سے پہلے داخل ہوئیں ان پر کسی مرد یا عورت کو تقدم فی الاسلام کا شرف حاصل نہیں۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے تمام دنیا و آخرت کی چار برگزیدہ عورتوں میں سے ایک حضرت خدیجہ کو شمار کیا ہے۔

حضرت صدیقہ عائشہ کی روایت ہے کہ ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی۔

(۱) وہ مجھ پر ایمان لائی جب اوروں نے کفر اختیار کیا۔

(۲) اس نے میری تصدیق کی جب اوروں نے مجھے جھٹلایا۔

(۳) اس نے اپنے مال میں مجھے شریک کیا جب اوروں نے مجھے کسب مال سے روکا۔

(۴) خدا نے مجھے اس کے بطن سے اولاد دی جبکہ کسی اور بیوی سے نہیں ہوئی"۔

ان کی زندگی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوسری شادی نہیں کی۔ نکاح کے بعد پچیس برس تک زندہ رہیں۔ اور ہجرت سے تین سال قبل ۶۵ سال کی عمر میں انتقال فرمایا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو قبر میں اتارا۔ رب العالمین کی طرف سے ان پر سلام ایک ایسا شرف ہے جو زمانہ ماقبل میں حضرت خدیجہ کے سوا، دنیا کی کسی عورت کو حاصل نہیں ہوا تھا۔

ام المومنین صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ازواج مطہرات میں یہی وہ خاتون ہیں جن کی اسلامی خون سے ولادت اور اسلامی شیر سے پرورش ہوئی۔ امہات المومنین میں یہی وہ طیبہ ہیں جن کا پہلا نکاح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تھا۔ بلکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عائشہ صدیقہ کی شادی کا اہتمام حظیرۃ القدس میں کیا گیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شادی کو منجانب اللہ قرار دیا (مسلم شریف) آپ کے فضائل میں بہت سی احادیث صحیحہ وارد ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مردوں میں تو بہت تکمیل کے درجہ کو پہنچے مگر عورتوں کے اندر صرف مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون ہی تکمیل کو پہنچیں۔ اور عائشہ کو تو سب عورتوں پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسے ثرید کو سب کھانوں پر"۔ اس فضیلت کی وجہ حضرت صدیقہ کے وہ کمالات روحانیہ ہیں جن کی وجہ سے ان کا منصب بارگاہ الٰہی میں نہایت بلند تھا۔ اور جن کے وجود سے، ان کو انوار نبوت سے بدرجہ اتم، منور ہونے کی قابلیت حاصل ہو گئی تھی۔ اس کا ذکر صحیح بخاری کی اس حدیث میں ہے جسے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا "یہ عائشہ ہی ہے کہ میں اس کے لحاف میں ہوتا ہوں تو اس وقت بھی وحی کا نزول ہوتا ہے مگر دیگر ازواج کے بستروں پر ایسا کبھی نہیں ہوا۔ حضرت صدیقہ کے کمالات علیہ پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے۔ جسے صحیحین میں روایت کیا گیا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا "یہ جبرئیل ہیں اور تم کو سلام کہتے ہیں۔ حضرت صدیقہ نے جواب میں فرمایا "ان پر بھی سلام اور اللہ کی رحمت ہو"

تو یہ وہ صدیقہ عائشہ ہیں کہ جبریل امین باں فضل مبین انہیں سلام کریں اور ان کے کاشانۂ عزت وطہارت میں بے اذن لئے حاضر نہ ہوں۔

یہ وہ ام المومنین ہیں کہ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی سفر میں، بے ان کے تشریف لے جائیں ان کی یاد میں "واعروساہ" فرمائیں۔

وہ صدیقہ کہ یوسف صدیق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی براءت میں، شہادت" اہل زلیخا سے ایک دودھ پیتا بچہ ادا کرے۔ حضرت بتول مریم کو حضرت روح اللہ وکلمۃ اللہ کی گواہی سے، لوگوں کی بدگمانی سے نجات بخشے۔ مگر ان پر تہمت لگائی گئی اور بہتان اٹھا تو خود مولائے کریم نے ان کی پاکدامنی وبراءت کی گواہی دی اور سترہ آیتیں نازل فرمائیں۔ اگر چاہتا ایک ایک پتھر اور ایک ایک درخت سے گواہی دلواتا مگر منظور یہ ہوا۔ کہ محبوبۂ محبوب کی طہارت وپاکدامنی پر خود گواہی دیں اور ان کی عزت وامتیاز بڑھائیں۔ اس بہتان سے ان کی شان رفیع میں ذرا بھی فرق نہ آیا بلکہ رتبہ بڑھ گیا۔ ان کی پاکی اور طہارت کی آواز سے زمین وآسمان گونج اٹھے۔ وہ وحی نازل ہوئی جس کی قیامت تک نمازوں میں اور محرابوں میں تلاوت کی جائے گی۔

یہ وہی ام المومنین ہیں کہ محبوب رب العلمین صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پانی پینے میں دیکھتے رہیں کہ کوزہ میں کس جگہ لب مبارک رکھ کر پانی پیا ہے۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لبہائے مبارک خدا پسند، وہیں رکھ کر پانی نوش فرمائیں۔ (افادات رضویہ)

عائشہ صدیقہ جن خصوصیات کا ذکر بطور فخر فرمایا کرتی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی فقرہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر میں، میری نوبت میں، میرے سینہ وگلو کے درمیان وفات پائی اور آخر میں اللہ تعالٰی نے میرے لعاب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب کے ساتھ ملا دیا۔ اور

وہ اس طرح کہ (میرے بھائی) عبدالرحمٰن مسواک لے کر آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضعف تھا۔ یہ دیکھ کر کہ حضور مسواک فرمانا چاہتے ہیں) میں نے مسواک لے کر پہلے اپنے دانتوں سے نرم کی اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسواک کرادی۔"

عقیدہ:۔ ام المومنین حضرت صدیقہ عائشہ بنت الصدیق، محبوبۂ محبوب رب العلمین جَلّ وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہما وسلم پر، معاذاللہ، تہمت ملعونۂ افک سے اپنی زبان آلودہ کرنے والا قطعاً یقیناً کافر مرتد ہے۔ اور اس کے علاوہ اور طعن کرنے والا رافضی تبرائی بددین جہنمی۔

ام المومنین حضرت صدیقہ عائشہ کی یہ بھی ایک خصوصیت تھی کہ جب کوئی نہایت مشکل اور پیچیدہ مسئلہ، صحابہ میں آپڑتا تھا تو وہ حضرت صدیقہ کی جانب رجوع کرتے تھے اور ان کے پاس اس کے متعلق ضرور علم پایا جاتا تھا۔ پھر آپ جس طرح اپنے فرزندانِ شریعت کی، شیر علم سے پرورش فرمایا کرتی تھیں اسی طرح اپنے وجود سخاوت سے فقراء و مساکین کی بھی تربیت فرمایا کرتی تھیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

عائشہ صدیقہ رضہ نے ۶۳ سال کی عمر میں، ۱۷ رمضان ۵۷ھ کو مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں استراحت فرمائی۔

بقیہ امہات المومنین کے اسمائے گرامی

۳۔ ام المومنین سودہ بنت زمعہ۔	سال وفات	۵۴ھ یا ۵۵ھ ہے	(بعمر ۵۰ سال)
۴۔ ام المومنین حفصہ بنت فاروق۔	〃 〃	شعبان ۴۵ھ	(۵۵ سال)
۵۔ ام المومنین ام سلمہ بنت ابی امیہ	〃 〃	۵۹ھ یا ۶۱ھ یا ۶۳ھ	(۵۶ سال)
۶۔ ام المومنین ام حبیبہ بنت ابی سفیان	〃 〃	۴۴ھ	(۵۷) سال
۷۔ ام المومنین زینب بنت جحش اسدیہ	〃 〃	۲۰ھ	(۵۷ سال)
۸۔ ام المومنین زینب بنت خُزیمہ	〃 〃	۳ھ	(۵۵ سال)
۹۔ ام المومنین میمونہ بنت حارث	〃 〃	۵۱ھ	(۵۹ سال)
۱۰۔ ام المومنین جویریہ بنت الحارث	〃 〃	۵۰ھ	(۵۷ سال)
۱۱۔ ام المومنین صفیہ بنت حُیَیّ	〃 〃	۵۰ھ	(۵۶ سال)

اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نسب اور قرابت کے وہ لوگ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ ان میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں۔ اور اولاد امجاد بھی۔ اگرچہ عوام کے اردو محاورے میں اہلبیت سے مراد، حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہراء حضرت مولیٰ علی مشکل کشا اور حضرات حسنین کریمین ہوتے ہیں اور یہ بھی حدیث سے ثابت ہے۔ اہل بیت کرام کی شان میں جو آیات واحادیث وارد ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ:۔

۱۔ اہلبیت کرام سے اللہ تعالیٰ نے رجس وناپاکی کو دور فرما دیا اور انہیں خوب پاک کیا۔ اور جو چیز ان کے مرتبے کے لائق نہیں اس سے، ان کے پروردگار نے انہیں محفوظ رکھا۔

۲۔ اہل بیت رسول پر دوزخ کی آگ حرام ہے۔

۳۔ صدقہ ان پر حرام کیا گیا کہ صدقہ بدن کا میل ہے۔

۴۔ اوّل گروہ جس کی حضور شفاعت فرمائیں گے اور حوض کوثر پر آئیں گے حضور کے اہل بیت ہیں۔

۵۔ اہلبیت کی محبت فرائض دین سے ہے اور جو ان سے بغض رکھے وہ منافق ہے۔

۶۔ ان کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی سی ہے کہ جو اس میں سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو اس سے دور رہا ہلاک وبرباد ہوا۔

۷۔ اہلبیت کرام اللہ کی وہ مضبوط رسی ہیں جسے مضبوطی سے تھامنے کا ہمیں حکم ملا۔

ایک حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں۔ جب تک تم انہیں نہ چھوڑو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ ایک قرآن اور ایک میری آل۔ ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنی اولاد کو تین خصلتیں سکھاؤ۔ اپنے نبی کی محبت اہلبیت کی محبت۔ اور قرآن پاک کی قرأت۔

خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیاں ہیں اور چاروں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے

بطن طاہرہ سے ہیں اور سب کی ولادت مکۂ معظمہ میں ہوئی۔

۱۔ زینب جو قاسم سے چھوٹی اور دیگر اولاد النبی سے بڑی ہیں۔

۲۔ رُقیہؓ جو زینب سے چھوٹی ہیں۔

۳۔ ام کلثوم جو رقیہؓ سے چھوٹی ہیں۔

۴۔ سیدۃ نساءِ العالمین جو سب سے چھوٹی بیٹی ہیں۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ فاطمہ سے بڑھ کر، کوئی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشابہ بات چیت میں نہ تھا۔ وہ جب باپ کے پاس آیا کرتیں تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم آگے بڑھتے۔ پیشانی پر بوسہ دیتے اور مرحبا فرمایا کرتے تھے۔ اور جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملنے تشریف لے جاتے تو وہ بھی اسی طرح ملا کرتی تھیں۔

ایک صحابی نے حضرت عائشہ صدیقہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ پیارا کون تھا۔ صدیقہ رضؓ نے جواب دیا "فاطمہ" انہوں نے پوچھا مردوں میں کون تھا۔ جواب دیا "شوہر فاطمہ" اور یہ بھی بتایا کہ علی تو بڑے صوام و قوام (روزے دار، تہجد گزار) تھے حدیث شریف میں ہے کہ "فاطمہ زہرا کا نام فاطمہ اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اور اس کی نسل کو قیامت میں آگ سے محفوظ فرما دیا۔

(ابن عساکر)

اور ایک حدیث شریف میں ارشاد نبوی ہے کہ "بے شک فاطمہ نے اپنی حرمت نگاہ رکھی تو اللہ تعالیٰ نے اسے اور اس کی تمام نسل کو آگ پر حرام فرما دیا۔ (طبرانی حاکم)

ایک اور حدیث شریف میں وارد کہ فاطمہ میرا جزء ہے۔ جو انہیں ناگوار، وہ مجھے ناگوار۔ اور جو انہیں پسند وہ مجھے پسند۔ ایک حدیث میں مروی کہ "حضور نے فرمایا" اے فاطمہ! تمہارے غضب سے غضب الٰہی ہوتا ہے۔ اور تمہاری رضا سے اللہ راضی"

اور ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ "مجھے اپنے اہل میں سب سے زیادہ پیاری فاطمہ ہیں"

حضرت خاتون جنت کو اپنی ہمشیروں پر یہ خاص شرف حاصل ہے کہ دنیا میں انہیں کی ذریت پھولی پھلی اور پروان چڑھی اور انہیں کی اولاد امجاد، سادات کرام کہلائی اور انہیں کی ذریت سے ائمہ عظام ہوئے جن کی شان اسلام میں نہایت ارفع و اعلیٰ ہے۔

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کی اولاد کے لئے خصوصاً ارشاد فرمایا کہ جو میری اہلبیت میں کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا میں روز قیامت اس کا صلہ اسے عطا فرماؤں گا (ابن عساکر)

حضرت خاتون جنت کی وفات شب سہ شنبہ ۳ رمضان المبارک ۱۱ھ کو ہوئی۔ ان کی وصیت کے مطابق اسما بنت عمیس زوجۂ ابوبکر صدیق اور علی مرتضیٰ نے ان کو غسل دیا۔ حضرت عباس یا حضرت علی نے نماز پڑھائی۔ اہلبیت میں وہی سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آخرت میں ملیں۔ جیسا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔

اکثر مورخین کا رجحان ہے کہ آپ کی قبر مبارک بقیع میں ہے۔

عقیدہ: حضرت سیدہ خاتون جنت فاطمۃ الزہراء، ان کی والدۂ ماجدہ حضرت ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ اور دوسری والدہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن قطعی جنتی ہیں۔ اور انہیں اور بقیہ بنات مکرمات (دوسری شاہزادیوں) اور ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو تمام صحابیات پر فضیلت حاصل ہے۔ ان کی طہارت کی گواہی قرآن عظیم نے دی۔

عقیدہ: اہلبیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، مقتدایان اہلسنت ہیں۔ جو ان سے محبت نہ رکھے مردود وملعون خارجی ہے۔

امامین جلیلین حسنین کریمین

یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما صحابی اور صاحب روایت صحابی ہیں جس پر جمہور محدثین مورخین اور اصولیین وغیرہم کا اتفاق ہے۔ اندریں صورت قرآن وحدیث میں صحابۂ کرام کے جو مناقب وفضائل اور محامد ومحاسین اور احوال ومقامات قلب وارد ہوئے ہیں۔ پھر خصوصیت سے اہل بیت کے جو فضائل اور خصوصیات ثابت ہوئی ہیں وہ سب کی سب ان شہزادگان اہل بیت کے لئے ثابت ہیں۔ یہی اہل سنت وجماعت کا ایمان ہے۔ اسی کے ساتھ صحابۂ کرام پر، اپنے معیار مفروضہ کو مبنی بنا کر، ان کی ذوات مقدسہ پر تنقید کرنے والوں کے لئے جو احکام آئے اور وعیدیں وارد ہیں وہ بھی بلاشبہ ان دونوں شہزادوں کے مخالفین پر عائد ہوتی ہیں۔

بخاری ومسلم دونوں کی مسلمہ روایات سے ثابت ہے کہ جب آیۂ تطہیر انما یرید اللہ الایہ نازل

ہوئی تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ردائے مبارک میں اپنے جن اہلبیت کو جمع فرمایا ان میں حسنین کریمین بھی تھے۔

اسی طرح جب آیۂ مباہلہ نازل ہوئی اور آپ اپنے اہلبیت کو لے کر نصاریٰ کے مقابلہ میں مباہلہ کے لئے تشریف لے گئے تو ان میں یہ دونوں حضرات بھی شامل تھے۔ اور کیوں نہ ہو کہ یہ دونوں اَبْنَاءَ نَا کا مصداق ہے جن کو مباہلہ میں لانے کا حکم دیا گیا۔ تو یہ دونوں صحابی بھی ہیں یعنی صحبت یافتۂ نبوی صحابی۔ اور اہلبیت میں بھی ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹوں میں بھی شامل اور جزءِ رسول اللہ ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم نے انہیں شہزادوں کے بارے میں فرمایا کہ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّهُمَا فَاَحِبَّهُمَا وَاَحِبَّ مَنْ يُحِبُّهُمَا۔

"اے اللہ میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں۔ تو بھی ان سے محبت فرما۔ اور ان سے بھی محبت فرما جو ان دونوں سے محبت رکھے۔"

انہیں کے مناقب میں یہ حدیث ہے۔

اِنَّهُمَا سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ ۔ یہ دونوں جوانانِ بہشت کے سردار ہیں۔"

حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ امام حسن کا نصف پیکر بالائی۔ اور امام حسین کا نصف پیکر زیریں نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے مشابہ تر تھا۔ ولنعم ما قال الامام رضا البریلوی قدس سرہ۔

معدوم نہ تھا سایۂ شاہِ ثقلین ✽ اس نور کی جلوہ گاہ تھی ذاتِ حسنین

تمثیل نے اس سایہ کے دو حصے کئے ✽ آدھے سے حسن بنے ہیں۔ آدھے سے حسین

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں حسن وحسین دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔" اور فرمایا "جس نے ان دونوں سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے عداوت کی۔ اس نے مجھ سے عداوت کی۔"

نیز ارشاد فرمایا "جس شخص نے مجھ سے محبت کی اور ان دونوں کے والد ووالدہ سے محبت رکھی وہ

میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔"

خاص امام حسن کے متعلق ارشاد ہوا "یہ میرا فرزند سید ہے اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اس وقت تک باقی رکھے گا کہ اس کے وسیلے سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح ہو جائے۔" اور خاص امام حسین کے بارے میں فرمایا "الٰہی میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما۔"

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں "میری آنکھوں نے دیکھا اور میرے کانوں نے سنا کہ حسین بچہ ہی تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دونوں کلائیوں کو پکڑا۔ اس وقت حسین کے قدم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پشت قدم پر تھے۔ پھر فرمایا "چڑھو۔ چڑھو"۔ حسین اوپر کو چڑھتے جاتے تھے حتی کہ ان کے پاؤں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ پر تھے اور منہ کے برابر منہ تھا۔ پھر فرمایا "منہ کھولو" انہوں نے منہ کھولا۔ تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کا منہ چوم لیا۔ اور مذکورہ بالا الفاظ زبان مبارک سے ارشاد فرمائے۔

امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نصف رمضان ۳ھ میں پیدا ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں روز دو مینڈھے عقیقہ کے ذبح کئے اور سر کے بالوں کے برابر چاندی کا صدقہ دیا۔ آپ نے ۴۶ سال کی عمر میں بماہ ربیع الاول ۵۹ھ وفات پائی اور والدۂ مکرمہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ امام حسین

حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برادر خورد ہیں۔ ۵ شعبان ۴ھ کو مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی طرف سے عقیقہ میں مینڈھا ذبح کیا۔ آپ کی شہادت بروز جمعہ عشرۂ محرم ۶۱ھ کو، میدان کربلا میں جسے طف بھی کہتے ہیں آغاز وقت زوال میں ہوئی۔ عمر شریف اس وقت چھپن سال، پانچ ماہ پانچ یوم تھی۔

عقیدہ: حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما یقیناً اعلیٰ درجہ کے شہدائے کرام سے ہیں۔ ان میں سے کسی کی۔ شہادت کا منکر۔ گمراہ بد دین خاسر ہے اور ان میں سے کسی کے حق میں بد گوئی۔ بد ظنی بد کلامی اور بد اعتقادی رکھنے والا، یقیناً خارجی اور فاسق و فاجر ہے۔

فائدہ:۔ ائمہ اہلبیت میں سب سے اول حضرت مولیٰ علی ہیں۔ پھر حضرت امام حسن۔ پھر حضرت امام حسین۔ پھر حضرت امام زین العابدین۔ پھر حضرت امام باقر۔ پھر حضرت امام جعفر صادق۔ پھر حضرت امام موسیٰ کاظم۔ پھر حضرت امام علی موسیٰ رضا۔ پھر حضرت امام محمد تقی۔ پھر حضرت امام نقی۔ پھر حضرت امام حسن عسکری۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اور پھر حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو قرب قیامت میں

ظاہر ہوں گے۔

عقیدہ:۔ یزید پلید، فاسق فاجر مرتکب کبائر تھا۔ معاذ اللہ اس سے اور ریحانۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا نسبت آج کل جو بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہمیں ان کے معاملہ میں کیا دخل۔ ہمارے وہ بھی شہزادے۔ وہ بھی شہزادے" یہ سخت مذموم وممنوع ہے اور ایسا بکنے والا مردود، خارجی ناصبی مستحق جہنم ہے۔ ہاں یزید کو کافر کہنے اور اس پر نام لے کر لعنت کرنے میں علمائے اہلسنت کے تین قول ہیں۔ اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک سکوت ہے۔ یعنی اسے فاسق فاجر کہنے کے سوا، نہ کافر کہیں نہ مسلمان۔

تشریح:۔ یزید بنوامیہ میں وہ بدنصیب شخص ہے جس کی پیشانی پر اہلبیت کرام کے بے گناہ قتل کا سیاہ داغ ہے اور جس پر رہتی دنیا تک اس کا نام حقارت کے ساتھ لیا جاتا ہے حقارت ونفرت سے لیا جاتا رہتا رہے گا۔ یہ بدباطن ۲۵ھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر پیدا ہوا۔ نہایت موٹا۔ بدنما، بداخلاق، شرابی بدکار۔ ظالم وگستاخ تھا۔ اس کی شرارتیں اور بیہودگیاں ایسی ہیں جن سے بدمعاشوں کو بھی شرم آئے۔ سود وغیرہ کو اس بے دین نے علانیہ رواج دیا اور مدینہ طیبہ ومکہ مکرمہ کی بے حرمتی کرائی۔

یزید کا ذاتی فسق وفجور بھی کچھ کم نہ تھا لیکن جس فسق نے اسے مبغوض خلائق بنایا وہ اس کا اجتماعی فسق وفجور تھا جس نے امت میں فتنہ پیدا کر دیا اور امت کی اجتماعیت کو تہ وبالا کر دیا۔ اور وہ جو احادیث میں آیا ہے کہ "فرمایا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، میں نے صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ میری امت کی ہلاکت وتباہی، چند قریشی چھوکروں کے ہاتھوں ہوگی"۔ اس باب میں علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ان احادیث واخبار وآثار کا مصداق یزید اور اس کے نوعمر، نوخیز، ناتجربہ کار، تدبیر ونظام مملکت سے کورے، سیاسی اقتدار کے بھوکے اور سفیہ وبدعقل رفقائے کار ہیں۔ جنہوں نے برسرِ اقتدار آکر، اپنی امارت کے نفسانی مقاصد کی راہ میں، رکاوٹیں ڈالنے والے مشائخ واکابر ملت کو یکے بعد دیگرے اپنی راہ سے ہٹا دیا۔

ارباب فراست اور اصحاب اسرار، اسی لئے دعا کیا کرتے تھے کہ الٰہی ہمیں ۶۰ھ کے آغاز اور لڑکوں کی حکومت سے اپنی پناہ میں رکھنا" انہیں میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں جن کی دعا مقبول ہوئی اور انہوں نے ۵۹ھ میں بمقام مدینہ طیبہ رحلت فرمائی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد بد نصیبی وشقاوت کا یہ مجسمہ، تخت حکومت پر بیٹھا اور اس نے اپنی بیعت لینے کے لئے اطراف وممالک سلطنت میں مکتوب روانہ کئے۔ مدینہ طیبہ کا عامل جب یزید کی بیعت لینے کے لئے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس کے فسق وظلم کی بنا پر اس کو نا اہل قرار دیا اور بیعت سے انکار فرمادیا۔ اس سے یزیدیوں میں آتش عناد بھڑک اٹھی اور آخر کار سانحۂ کربلا پر منتج ہوئی۔ اور رضا وتسلیم کی امتحان گاہ میں حضرت شہزادہ گلگوں قبا اور ان کے جاں نثاروں نے وہ ثابت قدمی دکھائی کہ آج تک دنیا اس کی مثال نہ پیش کر سکی ہے نہ قیام قیامت تک پیش کر سکے گی۔

آخر کار یزید پلید بھی اپنی بد نصیبی بد بختی اور شقاوت قلبی کو ساتھ لئے، تین برس، سات مہینے تخت حکومت پر شیطانیت کر کے ۱۵ ربیع الاوّل ۶۴ھ کو، جس روز اس پلید کے حکم سے کعبہ معظمہ کی بے حرمتی ہوئی تھی، شہر حمص، ملک شام میں انتالیس برس کی عمر میں اس دنیا سے سدھارا۔

چند مسائل ضروریہ

۱۔ عشرۂ محرم میں مجلس منعقد کرنا اور ان میں واقعات کربلا بیان کرنا جائز ہے جبکہ روایات صحیحہ بیان کی جائیں۔ ان واقعات میں صبر وتحمل، ورضا وتسلیم کا بہت مکمل درس ہے اور پابندئ احکام شریعت واتباع سنت اور علی الاعلان تبلیغ حق وترویج دین وملت کا زبردست عملی ثبوت ہے کہ دین حق کی حفاظت میں تمام اعزہ واقرباء ورفقاء اور خود اپنے آپ کو راہ خدا میں قربان کیا اور جزع فزع درکنار، حق پوشی وتقیہ کا نام بھی نہ آنے دیا۔ مگر اس مجلس میں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا بھی ذکر خیر، اور ان کے فضائل ومناقب کا بیان بھی ہونا چاہیئے تاکہ اہلسنت اور شیعوں کی مجالس میں فرق وامتیاز رہے۔

۲۔ اظہار غم کے لئے سر کے بال بکھیرنا، کپڑے پھاڑنا، گریبان چاک کرنا، سر پہ خاک ڈالنا اور بھوسا اڑانا یہ سب ناجائز اور جاہلیت کے کام ہیں۔ ان سے بچنا نہایت ضروری ہے۔ احادیث میں ان کی سخت ممانعت آئی ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں سے اپنی براءت کا اظہار فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ جو مرد خواہ عورت، اپنے منہ پر تپانچے مارے، اپنا گریبان پھاڑے اور

زمانۂ جاہلیت کا سا نوحہ کرے وہ ہم میں سے نہیں"۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے امور سے پرہیز کریں اور وہ کام کریں جن سے اللہ و رسول، جلّ جلالہ وصلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلّم راضی ہوں یہی نجات کا راستہ ہے اور اسی میں نجات ہے۔

۳۔ تعزیہ داری، جس میں از اول تا آخر، خرافات کی بھرمار ہے قطعًا ناجائز و بدعت و حرام ہے اگر روضۂ مبارکہ حضرت شہزادۂ گلگوں قبا حسین شہید ظلم وجفا، صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہٗ علیٰ جدِّہِ الکریم وعلیہ وعلیٰ اعوانہ وانصارہٖ کی صحیح نقل بناکر، محض بہ نیت تبرک رکھتے تو شرعًا کوئی حرج نہ تھا۔ مگر حاشا، تعزیہ ہرگز اس کی نقل نہیں۔ نقل ہونا درکنار، بنانے والوں کو نقل کا قصد بھی نہیں ہر جگہ نئی تراش نئی گڑھت ہے جسے اس اصل سے نہ کچھ علاقہ۔ نہ کوئی نسبت۔ کسی میں پریاں۔ کسی میں براق اور کسی میں اور بیہودہ طمطراق۔ پھر کوچہ بکوچہ ودشت بدشت اشاعت غم کے لئے اس کا گشت۔ پھر اس کے گرد سینہ زنی۔ ماتم سازشی کی شور افگنی۔ حرام مرثیوں سے نوحہ کنی۔ غرض بیسیوں خرافات پر مشتمل اس بدعت سیئہ اور بیہودہ رسموں نے، عشرہ محرم الحرام کو کہ اگلی شریعتوں سے نے اس شریعت تک نہایت بابرکت اور محل عبادت ٹھہرا ہوا تھا جاہلوں اور فاسقانہ میلوں کا زمانہ کر دیا۔ مردوں عورتوں کا راتوں کو میل، اور طرح طرح کے بیہودہ کھیل، ان سب پر طرّہ ہیں۔ کاش مسلمان اہلسنت اپنی آنکھوں سے، دین وایمان کی روشنی میں ان بیہودگیوں کا جائزہ لیں اور خدا و رسول کے احکام کی خلاف ورزی سے بچیں۔

۴۔ بعض لوگ اس موقع پر خیر خیرات بھی کرتے ہیں مگر خیرات کو بھی بطور خیرات نہ رکھا۔ ریاء وتفاخر اعلانیہ ہوتا ہے۔ پھر وہ بھی یہ نہیں کہ سیدھی طرح محتاجوں کو دیں۔ بلکہ چھتوں پر بیٹھ کر پھینکیں گے۔ روٹیاں وغیرہ زمین پر گر رہی ہیں۔ رزق الٰہی کی بے ادبی ہو رہی ہے۔ پیسے دینے میں گر کر غائب ہو رہے ہیں مال کی اضاعت ہو رہی ہے۔ مگر نام تو ہو گیا کہ فلاں صاحب لنگر لٹا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ، صدقہ حضرات شہدائے کربلا علیہم الرضوان والثنا کا، مسلمانوں کو نیک توفیق بخشے اور بدعات سے توبہ دے۔ آمین۔ (افادات رضویہ۔ بہار شریعت)

اولیاء اللہ کا بیان

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ. اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ. لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ.

"سن لو بے شک، اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم۔ وہ جو ایمان لائے اور پرہیز گاری کرتے ہیں۔ انہیں خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں، اور آخرت میں"

اولیاء جمع ہے ولی کی۔ ولی کی اصل ولاء ہے۔ جو قرب و نصرت کے معنی میں ہے۔ ولی کا ترجمہ کسی ایک لفظ سے مشکل ہے۔ رفیق دوست۔ پشت پناہ۔ سرپرست۔ قریب والی۔ اور مددگار سب کے مفہوم اس میں شامل ہیں۔ بگڑے کام بنانے والا، آڑے وقت میں کام آنے والا، سب اس کے معنی میں داخل ہیں۔ اور اصطلاحی معنی میں ولایت ایک قرب خاص ہے کہ مولیٰ عزوجل اپنے برگزیدہ بندوں کو محض اپنے فضل و کرم سے عطا فرماتا ہے۔

قرب کی دو قسمیں ہیں ایک وہ قرب جو ہر مسلمان کو کہ صاحب ایمان ہو اپنے خالق سے ہے۔ کُلُّ مومنٍ ولی اللہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ دوسرا قرب خاص، جسے قرب محبت بھی کہتے ہیں۔ یہ صرف خاص بندوں کو حاصل ہے۔ قرب محبت کے بہت مراتب ہیں۔ دولت ایمان سے مشرف ہونے کے بعد عزم و ہمت سے آگے بڑھنے والے، درجات قرب کو طے کرتے ہوتے اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں جس کے لئے حدیث شریف میں فرمایا کہ "اللہ عزوجل فرماتا ہے جو میرے کسی ولی سے دشمنی کرے میں نے اسے لڑائی کا اعلان دے دیا۔ اور میرا بندہ کسی چیز سے میرا قرب نہیں چاہتا جو مجھے اپنے فرائض سے زیادہ پیاری ہو جو میں نے اس بندے پر رکھے ہیں اور ہمیشہ بندہ نفل عبادتوں سے میرا قرب چاہتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میرا محبوب ہو جاتا ہے۔ پھر جب میں اسے اپنا محبوب کر لیتا ہوں تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ گرفت کرتا ہے۔"

(صحیح بخاری شریف بروایت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں، کرامات اولیائے کرام پر اقامت دلائل کی حجت ششم میں اسی حدیث کریم سے فرماتے ہیں کہ "جب بندہ ہمیشہ طاعت ربانی میں لگا رہتا ہے تو اس مقام

تک پہنچتا ہے۔ جس کی نسبت اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میں خود اس کے کان ہوجاتا ہوں۔" تو جب جلال الٰہی کا نور اس کا کان ہوجاتا ہے، بندہ نزدیک و دور سب سنتا ہے اور جب وہ نور اس کی آنکھ ہوجاتا ہے، بندہ نزدیک و دور سب دیکھتا ہے اور جب وہ نور اس کا ہاتھ ہوجاتا ہے بندہ سہل و دشوار دور و نزدیک میں تصرف کرتا ہے۔" اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وصحبہ وسلم فرماتے ہیں۔ مومن کامل کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔" اور ایک حدیث میں اتنا اور بھی زائد ہے کہ "وہ اللہ کی توفیق سے بات کرتا ہے۔ (ترمذی) لیکن یہ مقام حاصل اسی وقت ہوتا ہے کہ آدمی دل و بدن دونوں پر جتنے احکام الٰہیہ ہیں سب بجا لائے۔ نہ کسی کبیرہ کا ارتکاب کرے نہ کسی صغیرہ پر مصر رہے۔ قلب و قالب کو صفات ذمیمہ سے خالی اور اعلیٰ اخلاق سے معمور رکھے۔ حاشا اس سے وہ مراد نہیں کہ صرف اپنا ظاہر، احکام شرع سے آراستہ اور معاصی سے منزہ کرلیا اور متقی و پرہیزگار ولی اور اللہ کے دوستدار بن گئے اگرچہ باطن، مثلاً ریا و عجب و تکبر و حب جاہ و حب شہرت۔ امراء کی تعظیم۔ فقراء و مساکین کی تحقیر۔ خواہشات نفسانی کا اتباع اور حرص و بخل کا انقیاد وغیرہا آفتوں سے ملوث ہو۔ اور عبادات و ریاضت میں تساہل اور اپنے نفس خبیث کی پرورش جیسی، ہلاکت خیز صفات سے گندہ ہورہا ہو۔ جیسے مزبلہ (گندگی اور کوڑے کرکٹ کی جگہ) پر زربفت کا خیمہ، اوپر زینت اور اندر نجاست۔ کہ یہ باطنی گندگیاں، اس ظاہری صلاح پر بھی قائم نہیں رہنے دیتیں۔

غرض ولی اللہ وہ ہے جو فرائض سے قرب الٰہی حاصل کرے اور طاعات الٰہی میں مشغول رہے اور اس کا دل، نور جلالِ الٰہی کی معرفت میں مستغرق رہے۔ جب دیکھے۔ دلائل قدرت کو دیکھے اور جب سنے اللہ کی آیتیں ہی سنے اور جب بولے تو اپنے رب کی ثنا ہی کے ساتھ بولے۔ اور جب حرکت کرے طاعت الٰہی میں حرکت کرے۔ اور جب کوشش کرے اسی امر میں کوشش کرے۔ جو قرب الٰہی کا ذریعہ ہو۔ اللہ کے ذکر سے نہ تھکے اور چشم دل سے خدا کے سوا، غیر کو نہ دیکھے۔" یہ صفات اولیاء اللہ کے ہیں اور جب بندہ اس حال کو پہنچتا ہے تو اللہ اس کا ولی و ناصر اور معین و مددگار ہوتا ہے اللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ آمَنُوا میں اسی کا بیان ہے۔ متکلمین کہتے ہیں ولی وہ ہے جو اعتقاد صحیح، مبنی بر دلیل رکھتا ہو۔ اور اعمال صالحہ، شریعت کے مطابق بجا لاتا ہو۔" بعض عارفین نے فرمایا کہ ولایت نام ہے قرب الٰہی اور ہمیشہ اللہ کے ساتھ مشغول رہنے کا۔" اور جب بندہ اس مقام پہ پہنچتا ہے تو اسے کسی چیز

کا کوئی خوف نہیں رہتا۔ اور نہ کسی شے کے فوت ہو جانے کا غم ہوتا ہے۔ یعنی نہ آنے والے مہلکات وحوادث کا کوئی اندیشہ۔ اور نہ چھوٹ جانے والی چیزوں کا غم۔ صوفیائے عارفین نے کہا ہے کہ حزن (غم) پیدا ہوتا ہے ناکامی مدعا سے۔ اور عاشقان سوختہ جان کوئی آرزو ہی نہیں رکھتے جو انہیں نامرادی کا اندیشہ ہو سکے۔ اسی طرح خوف پیدا ہوتا ہے، امر مکروہ کے پیش آجانے سے، اور محبین عارفین تو بجز محبوب کے اور کسی کا وہم بھی نہیں رکھتے تو انہیں خوف سے کیا واسطہ۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ ولایت وہبی شے ہے۔ نہ یہ کہ آدمی اعمال شاقہ سے خود حاصل کر لے۔ البتہ غالباً اعمال حسنہ، اس عطیۂ الٰہی کے لئے ذریعہ ہوتے ہیں اور بعضوں کو ابتداءً مل جاتی ہے۔ پھر چونکہ ولایت آفتاب نبوت کا آئینہ ہے اس لئے یہ دولت، بے علم کو نہیں ملتی۔ خواہ علم بطور ظاہر حاصل کیا ہو یا اس مرتبہ پر پہنچنے سے پیشتر اللہ عزوجل کی عنایت بے غایت نے اس پر علوم منکشف کر دیئے ہوں۔

عقیدہ:- تمام اولیائے اولین وآخرین سے اولیائے محمدیین یعنی اس امت کے اولیاء افضل ہیں اور تمام اولیائے محمدیین میں سب سے زیادہ معرفت وقرب الٰہی میں، خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں اور ان میں ترتیب وہی ترتیب افضلیت ہے۔ یعنی سب سے زیادہ معرفت وقرب صدیق اکبر کو ہے۔ پھر فاروق اعظم کو۔ پھر عثمان ذوالنورین کو۔ پھر مولیٰ علی مرتضیٰ کو۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

ہاں مرتبہ تکمیل پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے، جانب کمالات نبوت میں، حضرات شیخین کو قائم فرمایا اور جانب کمالات ولایت میں۔ حضرت مولیٰ مشکل کشا کو۔ تو جملہ اولیائے مابعد نے، مولیٰ علی ہی کے گھر سے نعمت پائی اور انہیں کے دست نگر تھے۔ اور ہیں اور رہیں گے۔

عقیدہ:- طریقت، منافی شریعت نہیں۔ وہ شریعت ہی کا باطنی حصہ ہے۔ بعض جاہل متصوف یعنی صوفی نما جاہل جو یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ طریقت اور ہے، شریعت اور۔ یہ محض گمراہی ہے۔ اور اس زعم باطل کے باعث اپنے آپ کو شریعت سے آزاد سمجھنا صریح کفر والحاد ہے۔

تشریح:- احکام شرعیہ کی پابندی سے، کوئی ولی، کیسا ہی عظیم ہو سبکدوش نہیں ہو سکتا بعض جاہل جو یہ بک دیتے ہیں کہ شریعت راستہ ہے۔ اور راستہ کی حاجت ان کو ہے جو مقصود تک نہ پہنچے ہوں ہم تو پہنچ گئے۔ یہ محض جہالت بلکہ وسوسۂ شیطانی ہے۔

حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی گئی۔ کچھ لوگ زعم کرتے ہیں کہ احکام شریعت تو وصول کا ذریعہ تھے اور ہم واصل ہو گئے۔ یعنی اب ہمیں شریعت کی کیا حاجت۔؟ آپ نے ارشاد فرمایا صَدَقُوْا فِی الْوُصُوْلِ وَلٰکِنْ اِلٰی سَقَرَ لخ سچ کہتے ہیں۔ واصل ضرور ہوئے بے شک پہنچے۔ مگر کہاں تک، جہنم تک۔ چور اور زانی ایسے عقیدے والوں سے بہتر ہیں۔ میں اگر ہزار برس جیوں، تو فرائض و واجبات تو بڑی چیز ہیں، جو نوافل و مستحبات مقرر کر لئے ہیں۔ بے عذر شرعی ان میں سے کچھ کم نہ کروں۔"

خلاف پیمبر کسے رہ گزید ٭ کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

البتہ اگر مجذوبیت سے عقل زائل ہو گئی ہو جیسے غشی والا۔ تو اس سے قلم شریعت اٹھ جائے گا۔ مگر یہ بھی سمجھ لیں کہ جو اس قسم کا ہوگا۔ اس کی ایسی حرکتیں کبھی نہ ہوں گی۔ شریعت کا مقابلہ کبھی نہ کرے گا۔ یہی پہچان ہے سچے مجذوب کی۔

حضور پرنور غوث الاغواث، سیدنا محی الدین جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ ولایت پرتو نبوت ہے اور نبوت پرتو الوہیت۔ اور ولی کی کرامت یہ ہے کہ اس کا فعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے قانون پر ٹھیک اترے۔" یعنی خلاف شرع نہ ہو۔ نیز ارشاد فرمایا" فقہ حاصل کر، اس کے بعد خلوت نشین ہو۔ جو بغیر علم کے خدا کی عبادت کرے وہ جتنا سنوارے گا اس سے زیادہ بگاڑے گا۔ اپنے ساتھ شریعت الٰہیہ کی شمع لے لے۔ (بہجۃ الاسرار شریف)

حضرت سیدنا ابو یزید بسطامی نے ایک شخص کے بارے میں سنا کہ زہد و تقویٰ میں مشہور اور خواص و عوام کا مرجع بنا ہوا ہے۔ شوق ملاقات میں تشریف لے گئے۔ اتفاقاً اس شخص نے قبلہ کی طرف تھوکا۔ حضرت ابو یزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً واپس آئے۔ اس سے سلام علیک بھی نہ کی اور فرمایا" یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب سے ایک ادب پر تو امین ہے نہیں جس چیز کا ادعا رکھتا اور دعویٰ کرتا ہے اس پر کیا امین ہوگا۔" آپ ہی کا ارشاد گرامی ہے" اگر تم کسی شخص کو دیکھو ایسی کرامت دیا گیا کہ ہوا پر چار زانو بیٹھ سکے تو اس سے فریب نہ کھانا جب تک یہ نہ دیکھو کہ فرض واجب، مکروہ و حرام، اور محافظت حدود و آداب شریعت میں اس کا حال کیسا ہے۔ (قشیریہ)

اے عزیز! شریعت راہ کو کہتے ہیں

اور شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کا ترجمہ ہے "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ" اور یہ قطعاً عام و مطلق ہے نہ کہ صرف چند احکام جسمانی سے خاص۔ یہی وہ راہ ہے کہ پانچوں وقت، ہر نماز بلکہ ہر رکعت میں اس کا مانگنا اور اس پر ثبات و استقامت کی دعا کرنا، ہر مسلمان پر واجب ٹھہرایا ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ہم کو صراط مستقیم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ چلا ان کی شریعت پر ثابت قدم رکھ۔

یہی وہ راہ ہے جس کا منتہا اللہ ہے۔ قرآن عظیم میں فرمایا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ "بے شک اسی سیدھی راہ پر میرا رب ملتا ہے۔" یہی وہ راہ ہے جس کا مخالف بد دین گمراہ ہے۔ یہی وہ راہ ہے جس سے وصول الی اللہ ہے۔ اس کے سوا آدمی جو راہ چلے گا، اللہ سے دور پڑے گا۔ شریعت تمام احکام جسم و جان و روح و قلب و جملہ علوم الٰہیہ و معارف نامتناہیہ کو جامع ہے۔ جن میں سے ایک ایک ٹکڑے کا نام طریقت و معرفت ہے۔ طریقت یہی شریعت ہے۔ اسی روشن راہ کا ٹکڑا ہے۔ اس کا اس سے جدا ہونا محال و نا سزا ہے۔ جو اسے شریعت سے جدا جانتا ہے اسے راہ خدا سے توڑ کر، راہِ ابلیس مانتا ہے۔ مگر حاشا طریقت حقہ، راہ ابلیس نہیں۔ قطعاً راہ خدا ہے۔ یقیناً وہ شریعت مطہرہ ہی کا ٹکڑا ہے طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے۔ شریعت ہی کے اتباع کا صدقہ ہے۔ ورنہ بے اتباع شرع بڑے بڑے کشف، راہبوں جوگیوں سنیاسیوں کو ہوتے ہیں۔ پھر وہ کہاں تک لے جاتے ہیں اسی نارِ جحیم و عذاب الیم تک پہنچاتے ہیں۔

شریعت مطہرہ ایک ربانی نور کا فانوس ہے کہ دینی عالم میں، اس کے سوا کوئی روشنی نہیں۔ اس کی روشنی بڑھنے کی کوئی حد نہیں۔ زیادت چاہنے، افزائش پانے کے طریقے کا نام طریقت ہے۔ یہ روشنی بڑھ کر، صبح۔ اور پھر آفتاب اور پھر اس سے بھی غیر متناہی درجوں تک ترقی کرتی ہے کہ باختلاف مراتب، اس کے مختلف نام رکھے جاتے ہیں۔

بالجملہ شریعت کی حاجت، ہر مسلمان کو، ایک ایک سانس، ایک ایک پل، ایک ایک لمحہ پر، مرتے دم تک ہے اور طریقت میں قدم رکھنے والوں کو اور زیادہ۔ کہ راہ جس قدر باریک اسی قدر ہادی کی حاجت

زیادہ۔ ولہذا حدیث میں آیا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْمُتَعَبِّدُ بِغَیْرِ فِقْہٍ کَالْحِمَارِ فِی الطَّاحُوْنِ۔ بغیر فقہ کے عبادت میں پڑنے والا، ایسا ہے جیسا چکی کھینچنے والا گدھا۔ کہ مشقت جھیلے اور نفع کچھ نہ پائے۔ ولہذا دوسری حدیث میں فرمایا "ایک فقیہہ، شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔" بے علم مجاہدہ وریاضت والوں کو شیطان انگلیوں پر نچاتا ہے۔ منہ میں لگام، ناک میں نکیل ڈال کر، جدھر چاہے کھینچتا پھرتا ہے اور وہ اپنے جی میں سمجھتے ہیں ہم نیک کام کررہے ہیں۔ والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔ (مقال العرفاء)

عقیدہ: کرامت اولیاء حق ہے اس کا منکر گمراہ ہے۔

تشریح: حکیم مطلق جل جلالہ نے اپنی حکمت کاملہ سے، عالم اسباب میں، ہر چیز کو کسی نہ کسی سبب سے مربوط فرمادیا ہے کہ جب وہ سبب پایا جائے مسبب وجود وظہور میں آئے۔ لیکن جیسا کہ ہم معجزات کے بیان میں بتاچکے کہ بعض اسباب ایسے ہیں جن کا سراغ لگانے سے ہماری عقلیں قاصر اور فہم وادراک عاجز ہیں۔ گویا ہماری نگاہوں میں، کسی ظاہر سبب کے بغیر مسبّب کا ظہور ہوگیا۔ اسی کو ہم خرق عادت سے تعبیر کردیا کرتے ہیں۔ یہی خرق عادت انبیائے کرام سے، صادر ہو تو معجزہ ہے اور اولیائے کاملین سے صدور میں آئے تو کرامت ہے۔ معجزہ نبی کے دعوئ نبوت میں سچے ہونے کی دلیل ہے اور کرامت، اولیائے برحق کی تکریم کرامات اولیاء کرام، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزوں کا پرتو ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ نبی پر اپنے دعوئ نبوت کا اظہار فرض ہے اور ولی پر اپنے حال کا اخفاء لازم۔ ہاں اگر کسی مجبوری سے اظہار کرنا پڑے یا خود بخود اس کا اظہار ہوجائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ یوہیں ولی کو اپنی کرامت کا اظہار حتی الامکان ممنوع ہے کہ کراماتُ الْاَولیاءِ حیضُ النساءِ اور ضرورۃً یا بدرجۂ مجبوری اس کا اظہار ہوجائے تو کوئی مواخذہ نہیں۔

اولیائے کرام کی کرامات کا ثبوت قرآن کریم سے بھی ہے اور احادیث واخبار وآثار صحیحہ سے بھی کرامتوں کا برحق ہونا ثابت ہے۔ مثلاً سیدنا سلیمان علیہ السلام کے ذکر میں مذکور کہ جب سیدنا سلیمان علیہ السلام نے اپنے اہل دربار سے مخاطب ہوکر یہ فرمایا اَیُّکُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِہَا۔ تم میں سے ایسا کون ہے کہ اس (ملکۂ سبا) کا تخت میرے پاس لے آئے قبل اس کے کہ وہ میرے حضور مطیع ہوکر حاضر ہوں۔ تو ایک بڑا خبیث جن بولا کہ میں وہ تخت حضور میں حاضر کردوں گا قبل

اس کے کہ حضور اجلاس برخاست کریں۔ آپ نے فرمایا میں اس سے جلد چاہتا ہوں۔ اس پر ایک "بندۂ خدا" نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا یہ کہا کہ میں اسے حضور میں حاضر کردوں گا ایک پل مارنے سے پہلے" قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۔ یہاں چند باتیں قابل لحاظ ہیں۔ (۱) ملائکہ سبا نے اپنا تخت، اپنے سات محلوں میں سے، سب سے پچھلے محل میں محفوظ کر کے تمام دروازے مقفل کر دیئے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے کا انتظام کیا۔ (۲) ملک یمن اور فلسطین کا درمیانی فاصلہ تقریباً ڈیڑھ ہزار میل ہے اور بحری راستے سے پہنچنے میں اس وقت مہینوں کا ذکر نہیں، دو، دو تین تین، سال لگ جایا کرتے تھے (۳) سیدنا سلیمان علیہ السلام کو، ایک زبردست بادشاہ کی قاہرانہ طاقتوں کا مظاہرہ مقصود نہ تھا بلکہ اپنے کمالات باطنی کے ساتھ، اپنی قوت اعجاز کا اظہار منظور تھا تاکہ ملائکہ سبا کے لئے اطاعت وانقیاد اور قبول حق کے سوا کوئی اور چارۂ کار نہ رہے (۴) جس شخص کے لئے قرآن عزیز نے یہ کہا ہے کہ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اس نے عرض کی جس کے پاس کتاب کا علم تھا، اس کا نام آصف بن برخیا ہے جو آپ کے وزیر و معتمد خاص تھے جیسا کہ جمہور کا قول ہے اور یہ قول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی جانب منسوب ہے۔ حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام کے شرف صحبت سے ان کو تورات و زبور اور اسماء و صفات الٰہی سے متعلق، اسرار و حقائق کا زبردست علم تھا۔ اسی لئے آپ نے یہ سمجھ کر کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس واقعہ کو معجزہ اور خرق عادت کے بطور ظاہر فرمانا چاہتے اپنی خدمات پیش کر دیں۔ کیونکہ انہیں یقین تھا کہ حضرتِ سلیمان علیہ السلام کی مبارک توجہ، اس اعجاز کو پورا کر دکھلائے گی۔ اسی لئے آپ نے عرض کہ آپ نبی بن نبی ہیں اور جو رتبہ بارگاہِ الٰہی میں آپ کو حاصل ہے یہاں کس کو میسر ہے۔ آپ دعا کریں تو وہ آپ کے پاس ہی ہوگا۔ آپ نے فرمایا تم سچ کہتے ہو اور دعا کی اسی وقت تخت زمین کے نیچے چل کر آپ کی کرسی کے قریب نمودار ہو گیا۔ یہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا اور آصف بن برخیا کی کرامت۔ (۵) قرآن کریم نے پلک جھپکتے، ملکۂ سبا کا تخت شاہی لانے والے کا نام نہیں لیا بلکہ اس کے لئے یہ بات بیان فرمائی کہ اس کے پاس علم "من الکتاب تھا۔ جس کا صریح مفاد یہ ہے کہ علم "من الکتاب ہی باعث تھا۔ انہیں اس قوت و طاقت کے مظاہرہ کا کہ پل بھر میں پندرہ سو میل کی مسافت سے، ملکۂ سبا کا تخت، سبا سے بیت المقدس پہنچا دیا۔ یہی خرق عادت ہے اور اسی کا نام کرامت ہے۔ پھر جب

سیدنا سلیمان علیہ السلام کا ایک امتی، اسم اعظم یا علم من الکتاب کی بدولت ایسے امور انجام دے سکتا ہے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کے اولیاء کرام کی شان اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے۔ اب بھی اولیائے کرام کی کرامت کا انکار، وہی کرے گا جسے حق کی تابشوں سے ضد ہے اور جو درحقیقت معجزات کا منکر ہے۔

واجب الحفظ چند امور

۱۔ اولیائے کرام کو اللہ عزوجل نے بہت بڑی طاقت دی ہے۔ ان میں جو اصحاب خدمت ہیں ان کو تصرف کا اختیار دیا جاتا ہے۔ سیاہ سفید کے مختار بنا دیئے جاتے ہیں۔ یہ حضرات نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سچے نائب ہیں۔ ان کو اختیارات و تصرفات، حضور کی نیابت میں ملتے ہیں۔ علوم غیبیہ ان پر منکشف ہوتے ہیں۔ ان میں بہت کو ماکان ومایکون اور تمام لوح محفوظ پر اطلاع دیتے ہیں۔ مگر یہ سب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے اور عطا سے ہے بے وساطت رسول۔ کوئی غیر نبی، کسی غیب پر مطلع نہیں ہو سکتا۔

۲۔ مردے زندہ کرنا۔ مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو شفا دینا۔ مشرق سے مغرب تک اس معجزہ کے، جس کی بابت دوسروں کے لئے ممانعت ثابت ہو چکی ہے جیسے قرآن مجید کے مثل کوئی سورت لے آنا، یا دنیا میں بیداری کی حالت میں، اپنے چشم سر سے، اللہ عزوجل کے دیدار، یا کلام حقیقی سے مشرف ہونا اس کا جو اپنے یا کسی ولی کے لئے دعوی کرے کافر ہے کہ انکار کرتا ہے قطعی و یقینی الثبوت، حقائق اسلام کا۔

۳۔ ان کے مزارات پر حاضری، مسلمان کے لئے سعادت و باعث برکت ہے۔ ان کی قبور کو بوسہ دینا بعض علماء نے جائز کہا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ منع ہے (اشعۃ اللمعات) اور قبر کا طواف تعظیمی منع ہے۔ اور اگر برکت لینے کے لئے گرد مزار پھرا تو حرج نہیں۔ مگر عوام منع کئے جائیں۔ بلکہ عوام کے سامنے کیا بھی نہ جائے کہ کچھ کا کچھ سمجھیں گے۔

۴۔ اولیاء اللہ کے مزارات پر، بلکہ عوام مسلمین کی قبروں پر پھول ڈالنا بہتر ہے کہ جب تک تر رہیں گے تسبیح کریں گے اور میت کا دل بہلے گا۔ اسی لئے حکم ہے کہ قبر پر سے، تنکا گھاس نوچنا نہ چاہیے۔

کہ اس کی تسبیح سے رحمت اترتی ہے اور میت کو انس ہوتا ہے اور نوچنے میں میت کا حق ضائع کرنا ہے۔ (ردالمختار)

۵۔ عورتوں کے لئے بھی بعض علماء نے مزارات پر جانا، جائز بتایا۔ مگر عزیزوں کی قبور پر جائیں گی تو جزع فزع کریں گی لہذا ممنوع ہے۔ اور صالحین کی قبور پر برکت کے لئے جائیں تو بوڑھیوں کے لئے حرج نہیں اور جوانوں کے لئے ممنوع (ردالمختار) اور راہ سلامت یہ ہے کہ عورتیں مطلقاً منع کی جائیں کہ اپنوں کی قبور کی زیارت میں وہی جزع وفزع ہے اور صالحین کی قبور پر، یا تعظیم میں حد سے گزر جائیں گی۔ یا بے ادبی کریں گی کہ عورتوں میں یہ دونوں باتیں بہ کثرت پائی جاتی ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ) علمائے کرام نے فرمایا "مرد حاضرین مزار، مہمان ہوتے ہیں مگر عورتیں ناخواندہ مہمان۔

۶۔ مزار کسی ولی یا محققین علماء میں سے کسی عالم کا ہے تو وہاں شمعیں روشن کرنا ہرگز ممنوع نہیں وہاں روشنی کرنے میں متعدد فائدے ہیں مثلاً وہاں کوئی مسجد ہو یا مقبرے سر راہ ہوں تو روشنی سے نمازیوں کو بھی آرام ملے گا، مسجد میں بھی روشنی ہو گی، اور راہ گیروں کو نفع پہنچے گا۔ اور اموات کو بھی کہ مسلمان، مقابر مسلمین کو دیکھ کر سلام کریں گے فاتحہ پڑھیں گے دعا کریں گے ثواب پہنچائیں گے اور مزارات اولیائے کرام سے فیض پائیں گے۔ اور خاص ولی کے مزار پر روشنی کرنے میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس روشنی سے لوگ جانیں گے کہ یہ ولی کا مزار ہے اس سے تبرک کریں گے اور وہاں اللہ عزوجل سے دعا مانگیں گے اور ان کے طفیل، ان کی دعائیں مقبول ہوں گی۔ ہاں عام قبور پر محض عبث اور بلا فائدہ شمعیں روشن کرنا یا روشنی کرانا ممنوع و بدعت ہے (فتاویٰ رضویہ)

۷۔ انہیں ایصال ثواب نہایت موجب برکات وامر مستحب ہے۔ اسے عرفاً براہ ادب، نذر و نیاز کہتے ہیں، یہ نذر شرعی نہیں۔ جیسے بادشاہوں کو نذر و نیاز دینا۔ ان میں خصوصاً گیارہویں شریف کی فاتحہ نہایت عظیم برکت کی چیز ہے کہ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ خواہ ربیع الآخر کے ماہ میں ہو یا کسی اور ماہ میں۔ اا تاریخ کو ہو یا کسی اور تاریخ میں جو فاتحہ دلانے والوں اور آنے والوں کی سہولت کے لئے مقرر کر لی جاتی ہے۔

۸۔ اولیائے کرام اپنی اپنی قبور میں حیات ابدی کے ساتھ زندہ ہیں۔ ان کے علم و ادراک وسمع وبصر، پہلے کی بہ نسبت بہت زیادہ قوی ہیں۔ ائمہ کرام فرماتے ہیں کہ پاک جانیں۔ جب بدن کے علاقوں

سے جدا ہوتی ہیں تو عالم بالا سے مل جاتی ہیں اور سب کچھ ابسا دیکھتی سنتی ہیں جیسے یہاں حاضر ہیں
شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں۔

"روح را قرب و بعد مکانی یکساں ست"

۹۔ عرس اولیائے کرام یعنی قرآن خوانی و فاتحہ خوانی و نعت خوانی، و وعظ و ایصال ثواب، سب اچھی چیزیں ہیں اور باعث برکت و رحمت۔ رہے منہیات شرعیہ یعنی وہ امور کہ شرعاً منع ہیں تو وہ ہر حالت میں مذموم ہیں اور مزارات طیبہ کے پاس اور زیادہ مذموم۔ مثلاً عورتوں کے جھمگٹے۔ مخلوط مجمعے اور قوالی کی محفلوں میں نئی نئی ایجادیں قسم قسم کی بدعتیں۔ خلاف شرع امور پر واہی تباہی حرکتیں۔

۱۰۔ اولیاء اللہ سے استمداد و استعانت محبوب ہے۔ ان کو دور و نزدیک سے پکارنا، سلف صالح کا طریقہ ہے۔ یہ مدد مانگنے والوں کی مدد فرماتے ہیں۔ وہ کسی جائز لفظ کے ساتھ ہو۔ رہا ان کو فاعل مستقل جاننا، تو یہ وہابیہ کا فریب ہے۔ مسلمان کبھی ایسا خیال نہیں کرتا۔ مسلمان کے فعل کو خواہ مخواہ قبیح رسومات پر ڈھالنا وہابیت کا خاصہ ہے۔

تشریح:۔ استعانت کی دو صورتیں ہیں۔ استعانت حقیقیہ اور استعانت غیر حقیقی۔ استعانت حقیقیہ یہ ہے کہ جس سے مدد چاہیں اسے قادر بالذات و مالک مستقل و غنی بے نیاز جانیں۔ کہ بے عطائے الٰہی وہ خود اپنی ذات سے اس کام کی قدرت رکھتا ہے۔

اس معنی کا غیر خدا کے ساتھ اعتقاد ہر مسلمان کے نزدیک شرک ہے۔ نہ ہرگز کوئی مسلمان، غیر خدا کے ساتھ اس معنی کا قصد کرتا ہے۔ مگر وہابیہ کی بدعقلی کو کیا کہئے۔

استعانت غیر حقیقی یہ ہے کہ جس سے مدد کا خواہاں ہو اسے وصول فیض کا ذریعہ، اور قضائے حاجت کا ذریعہ و وسیلہ جانے۔ اور یہ قطعاً حق ہے۔ خود رب العزت نے قرآن عظیم میں حکم فرمایا۔

وَابْتَغُوا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ۔ اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔ اہل اسلام، انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے یہی استعانت کرتے ہیں۔ ایک بیوقوف وہابی نے کہا ہے اور اب بھی کہہ دیتے ہیں کہ

جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے ؎ وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے

جواب دیا گیا اور یہی جواب دیا جائے گا کہ

اسے ہم مانگتے ہیں اولیاء سے ؎ توسل کر نہیں سکتے خدا سے

یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا سے توسل کرے، اسے کسی کے یہاں وسیلہ وذریعہ بنایئے۔ اسی وسیلہ بننے کو ہم اولیائے کرام سے مانگتے ہیں کہ وہ بارگاہ الٰہی میں ہمارا وسیلہ وذریعہ، اور قضائے حاجات کا واسطہ ہو جائیں تاکہ وہ مولائے غنی و بے نیاز ہماری حاجتیں روا فرمادے۔

اسی لئے احادیث کریمہ میں حکم فرمایا گیا کہ "فضل میرے رحمدل امتیوں کے پاس طلب کرو کہ ان کے سائے میں چین کرو گے۔ کہ ان میں میری رحمت ہے"۔ نیز فرمایا "اپنی حاجتیں میرے رحمدل امتیوں سے مانگو رزق پاؤ گے مرادیں پاؤ گے"۔ (حاکم وطبرانی وغیرھما) نیز ارشاد ہوا "میرے نرم دل امتیوں سے نیکی واحسان مانگو۔ ان کے ظل عنایت میں آرام کرو گے (حاکم فی المستدرک)

انصاف کی آنکھیں کہاں ہیں ذرا ایمان کی نگاہ سے دیکھیں کہ یہ اور اسی مضمون کی دوسری حدیثیں کیسا صاف صاف واشگاف فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے نیک امتیوں سے استعانت کرتے ان سے حاجتیں مانگتے۔ ان سے خیر واحسان طلب کرنے کا حکم دیا۔ اور امید بندھائی کہ وہ تمہاری حاجتیں بکشادہ پیشانی روا کریں گے۔ ان سے رزق مانگو تو رزق پاؤ گے مرادیں پاؤ گے۔ ان کے دامن حمایت میں چین کرو گے۔ ان کے سایۂ عنایت میں عیش اٹھاؤ گے"۔ یارب مگر استعانت اور کس چیز کا نام ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا صورت استعانت ہوگی۔ پھر حضرات اولیاء سے زیادہ کون سا امتی نیک ورحمدل ہوگا کہ ان سے استعانت شرک ٹھہرا کر۔ اس سے حاجتیں مانگنے کا حکم دیا جائے گا۔ مگر وہابیہ کا منہ خدا نے مارا ہے۔ انہیں اس عیش، آرام، چین، خیر وبرکت سایۂ رحمت، دامن رافت میں حصہ کہاں جس کی طرف مہربان خدا کا، مہربان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے امتیوں کو بلا رہا ہے۔ (برکات الامداد)

ع گر بر تو حرام ست حرامت بادہ

فائدہ مہمہ:۔ وہابیہ، بیچارے کم علموں کو اکثر دھوکے دیتے ہیں کہ "یہ تو زندہ ہیں فلاں عقیدہ یا معاملہ ان سے شرک نہیں۔ وہ مردہ ہیں ان سے شرک ہے"۔ یا یہ تو پاس بیٹھے ہیں ان سے شرک نہیں وہ دور ہیں ان سے شرک ہے"۔ وعلی ہذا القیاس طرح طرح کے بیہودہ وسواس سے مسلمان بیچاروں کو بہکاتے ہیں۔ مگر یہ سخت جہالت بے مزہ ہے۔ جو شرک ہے وہ جس کے ساتھ کیا جائے شرک ہی ہوگا۔ اور ایک کے لئے شرک نہیں تو وہ کسی کے لئے شرک نہیں ہو سکتا

کیا اللہ کا شریک مردے نہیں زندہ ہو سکتے ہیں۔ دور کے نہیں پاس کے ہو سکتے ہیں۔ انبیاء نہیں ہو سکتے حکیم ہو سکتے ہیں۔ انسان نہیں فرشتے ہو سکتے ہیں۔ حاشا للہ۔ اللہ کا شریک کوئی نہیں ہو سکتا۔ تو مثلاً جو بات ندا، خواہ کوئی شئے، جس اعتقاد کے ساتھ کسی پاس بیٹھے ہوئے زندہ آدمی سے شرک نہیں، وہ اسی اعتقاد سے کسی دور والے یا مردے بلکہ اینٹ پتھر سے بھی شرک نہیں ہو سکتی اور جو ان میں کسی سے شرک ٹھہرے وہ یقیناً قطعاً تمام عالم سے شرک ہوگی۔ اس استعانت ہی کو دیکھیئے کہ جس معنی پر، غیر خدا سے شرک ہے یعنی اسے قادر بالذات و مالک مستقل جان کر، مدد مانگنا بایں معنی اگر دفع مرض میں، طبیب یا دوا سے استمداد کرے۔ یا حاجت فقر میں امیر یا بادشاہ کے پاس جاوے۔ یا انصاف کرانے کو کسی کچہری میں مقدمہ لڑاتے۔ بلکہ کسی نے روزمرہ کے معمولی کاموں ہی میں مدد لے۔ جو بالیقین تمام وہابی صاحبان روزانہ اپنی عورتوں بچوں نوکروں سے کرتے کراتے رہتے ہیں مثلاً یہ کہنا کہ فلاں چیز اٹھا دے۔ یا کھانا پکا دے۔ یا پانی پلا دے، یہ سب شرک قطعی ہے کہ جب یہ جانا کہ اس کام کر دینے پر انہیں خود اپنی ذات سے بے عطائے الٰہی قدرت ہے تو صریح کفر و شرک میں کیا شبہ رہا۔

اور جس معنی پر ان سب سے استعانت شرک نہیں یعنی عون و مدد الٰہی کا مظہر اور فضل خداوندی کا وسیلہ و واسطہ و سبب و ذریعہ سمجھنا، اس معنی پر حضرات انبیاء و اولیاء علیہم افضل الصلوٰۃ والثنا سے کیوں شرک ہونے لگی بلکہ یہ حضرات علیہ تو اعلیٰ مظہر و اعظم سبب، و افضل وسائل بلکہ منتہی الاسباب و نہایۃ الوسائل ہیں۔ ایسا سمجھنا شرک ہو گیا تو ہزار تف ایسی بے عقلی پر۔ مسلمان اس نکتہ کو خوب محفوظ و ملحوظ رکھیں۔ جہاں ان چالاکوں عیاروں کو فرق کرتے دیکھیں کہ فلاں عمل یا فلاں اعتقاد فلاں کے ساتھ شرک ہے فلاں سے نہیں۔ یقین جان لیں کہ نرے جھوٹے ہیں۔ جب ایک جگہ شرک نہیں تو اس اعتقاد سے کسی جگہ شرک نہیں ہو سکتا۔ (برکات الامداد)

ایک اور ضروری تنبیہ

چونکہ عموماً مسلمانوں کو بحمدہ تعالیٰ اولیائے کرام سے نیازمندی اور مشائخ کے ساتھ انہیں ایک خاص عقیدت ہوتی ہے اور ان کے سلسلہ میں منسلک اور ان کے غلاموں کفش برداروں۔ خدمتگاروں میں اپنا شمار، اپنے لئے فلاح دارین اور سعادت کونین تصور کرتے ہیں اس وجہ سے

زمانۂ حال کے بدمذہبوں بالخصوص وہابیہ نے، اہلسنت کا لبادہ اوڑھ کر سوادِ اعظم اہلسنت کے مذہب مہذب کی تائید و حمایت کا نام لے کر، اپنی چرب زبانی کی آڑ میں، ناواقف و کم علم سیدھے سادے، بھولے بالے، سنی مسلمانوں، بالخصوص ان کی عورتوں کو گمراہ کرنے کے لئے یہ جال پھیلا رکھا ہے کہ پیری مریدی بھی شروع کردی۔ حالانکہ اولیائے الٰہی کی عظمتوں کے یہ منکر۔ ان کی کرامتوں سے انہیں انکار۔ ان کی تنقیص و توہین کے یہ مرتکب۔ محبوبانِ خدا کی تذلیل ان کا شعار۔ لہٰذا جب کسی سلسلہ میں مرید ہونا ہو تو اچھی طرح تفتیش اور دھر دورہ کر تحقیق احوال کرلیں۔ اگر پار گئے اور ہوا وہ بدمذہب بے دین تو سلسلہ مشائخ میں داخل ہونا الگ رہا۔ ایمان بھی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے

؎ اے بسا ابلیس آدم روئے ہست ؎ پس بہر دستے، نباید داد دست

مرشد خاص جسے پیر و مرشد کہتے ہیں یعنی جس کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انسان کا تک متصل حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین و بارک وسلم الی یوم الدین تک متصل ہو جائے اس کے لئے چار شرطیں ہیں بے ان کے بیعت جائز نہیں۔

۱۔ شیخ کا سلسلہ باتصال صحیح، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچا ہو۔ بیچ میں منقطع نہ ہو کہ منقطع کے ذریعے اتصال ناممکن۔ بعض لوگ بلا بیعت محض وراثت کے زعم میں، اپنے باپ دادا کے سجادے پر بیٹھ جاتے ہیں۔ یا بیعت تو کی تھی مگر خلافت نہ ملی تھی۔ بلا اذن شیخ، مرید کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایسی صورتوں میں اس بیعت سے ہرگز اتصال حاصل نہ ہوگا۔ بیل سے دودھ یا بانجھ سے بچہ مانگنے کی مت جدا ہے۔

۲۔ شیخ سنی صحیح العقیدہ ہو۔ بدمذہب گمراہ کا سلسلہ شیطان تک پہنچے گا۔ نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک آج کل بہت کھلے ہوئے بددینوں بلکہ بے دینوں حتی کہ وہابیہ نے کہ سرے سے منکر و دشمن اولیاء ہیں، بدکاری کے لئے پیر مریدی کا جال پھیلا رکھا ہے۔ ہوشیار خبردار احتیاط احتیاط۔

؎ ہر کہ پسے کور شد ؎ در چہ و در گور شد

۳۔ عالم ہو کہ عقائد اہلسنت سے پورا واقف، کفر و اسلام و ضلالت و ہدایت کے فرق کا خوب عارف ہو ورنہ آج بدمذہب نہیں کل ہو جائے گا۔ صدہا کلمات و حرکات ہیں۔ جن سے کفر لازم آتا ہے اور جاہل براہِ جہالت ان میں پڑجاتے ہیں اور سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے اور جب علم نہیں تو اپنی خطاء

پر مطلع بھی نہ ہوں گے اور دوسرے کی براہِ نفسانیت مانیں گے نہیں لاجرم وہی سلسلہ کہ ٹوٹ چکا ہے جاری رکھیں گے۔ لہٰذا عالم عقائد ہونا اور اتنا علم رکھنا کہ اپنی ضروریات کے مسائل، فقہ کی کتابوں سے نکال سکیں لازم و ضرور ہے۔ اور پیر بننے کے لئے علم دین کی شدید ضرورت ہے۔

۴۔ فاسق معلن نہ ہو کہ نہ گناہِ کبیرہ کا علی الاعلان ارتکاب کرتا ہے نہ صغیرہ گناہوں پر اسے اصرار ہے۔ اور نہ ایسے امور اس سے سرزد ہوتے ہیں جو غیرت ایمانی و مروت کے خلاف ہیں۔ مثلاً داڑھی مونڈنا یا ترشوانا۔ یا عورتوں کی طرح بال بڑھاکر شانوں سے لٹکانا۔ یا مریدوں کو گالی گلوج سے نوازنا یا غیروں کے ساتھ، بلاوجہ شرعی بداخلاقی سے پیش آنا۔ یا سرِراہ، بلاجھجک کھانا پینا وغیرھا۔

اور یہ سب اس لئے کہ پیر کی تعظیم لازم ہے اور فاسق معلن کی توہین واجب۔ تو دونوں کا اجتماع باطل۔ پیر کی عظمت دل میں نہ ہو تو فیض کے دروازے بند۔ اور فاسق معلن کی تعظیم و توقیر بجالائے تو دین کی تباہی کا اندیشہ۔ لہٰذا لازم کہ پیر فاسق معلن نہ ہو۔

محبوبانِ خدا کے غلاموں کے دفتر میں نام لکھ جانا۔ ان سے سلسلہ متصل ہو جانا فی نفسہٖ بڑی سعادت ہے اور بہت مفید اور دنیا و آخرت میں بکار آمد ہے۔ محبوبانِ خدا آیۂ رحمت ہیں وہ اپنا نام لینے والوں کو اپنا کر لیتے ہیں اور اس پر نظرِ رحمت رکھتے ہیں۔ لیکن جو خود فلاح پر نہیں وہ اپنے نام لیوؤں کی بگڑی کیا بنائیں گے۔ اور وہ جاہل اجہل یا ضال اضل کہ بے پڑھے یا چند کتابیں پڑھ کر بزعم خود عالم دین بلکہ شیخ باکمال بن کر، علمائے دین و مشائخ کرام سے بے نیاز ہو بیٹھے، یہ خود ہی نفس و شیطان کا شکار ہیں دوسروں کی کیا رہنمائی کریں گے۔ لہٰذا مرید ہونے سے پہلے پیر کو خوب اچھی طرح دیکھ لیں۔ اس کے احوال کی تحقیق کر لیں۔ کہ دین باقی ہے تو انجام کار رستگاری ہے اور جب دین ہی نہ رہا تو ظاہری دینداری، عذاب آخرت سے بچا نہ سکے گی۔ مولائے کریم اپنا فضل فرمائے۔ آمین۔

تقلید ائمہ سے متعلق چند ضروری امور

۱۔ تقلید کے شرعی معنی ہیں "کسی کے قول و فعل کو اپنے لئے حجت بناکر، دلیل شرعی پر نظر کئے بغیر مان لینا۔ یہ سمجھ کر کہ وہ اہل تحقیق سے ہے اور اس کی بات شرعاً محقق و قابل اعتماد" جیسا

کہ ہم حنفی، مسائل شرعیہ میں، امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول و فعل اپنے لئے دلیل سمجھتے ہیں اور دلائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے۔

۲۔ مطلق تقلید فرض ہے اور تقلید شخصی واجب۔

۳۔ اصول عقائد میں کسی کی تقلید جائز نہیں۔ یوہیں جو احکام قرآن و حدیث سے صراحۃً ثابت ہیں ان میں کسی کی تقلید روا نہیں۔ کوئی مجتہد کہے نہ کہے ان کی فرضیت ثابت ہے۔ وہ مسائل جو قرآن و حدیث و اجماع امت سے اجتہاد کر کے نکالے جائیں ان میں غیر مجتہد پر تقلید واجب ہے اور مجتہد کے لئے تقلید منع۔ ائمہ مجتہدین میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں ان کی وجہ و جیہہ یہی ہے کہ وہ اپنے منصب اجتہاد کے باعث، بلا دلیل کسی کی بات نہیں مان سکتے۔

۴۔ وہ احکام جو قرآن و حدیث سے صراحۃً ثابت ہیں، کسی مجتہد کے اجتہاد یا قیاس کو ان کے ثبوت میں کوئی دخل نہیں مثلاً نماز پنجگانہ۔ روزہ ماہ رمضان۔ زکوٰۃ اور حج بیت اللہ۔ وغیرہا۔

۵۔ وہ مسائل جزئیہ عملیہ اور احکام شرعیہ جو قرآن و حدیث میں جا بجا مذکور ہیں۔ ائمہ مجتہدین نے عامۃ المسلمین کی آسانی کے لئے، جس موقع سے اور جس طرح مفہوم ہوتے تھے ان کو اسی عنوان سے اخذ کیا۔ یوہیں اجماع امت اور قیاس سے ثابت شدہ مسائل کو لے کر، انہیں جداگانہ بابوں اور متفرق فصلوں میں یکجا کر دیا۔ اسی مجموعہ کا نام فقہ ہے۔ اور اس علم میں ماہر علماء کو فقیہ کہا جاتا ہے۔

۶۔ دین کے فروعی مسائل اور احکام جزئیہ میں۔ کسی امام مجتہد کا وہ آئین یا دستور العمل، جو انہوں نے قرآن و حدیث اور اجماع امت سے اخذ کیا۔ اسے مذہب کہتے ہیں۔ یوں کہنا چاہیئے کہ دین ایک عظیم دریا ہے اور مذہب اس سے نکلی ہوئی نہر۔ دین اصل ہے اور مذہب اس کی شاخ۔

فرقہ غیر مقلدین

ان بہتر فرقوں میں سے ایک نیا فرقہ ہے جو بحکم حدیث، سب جہنمی ہیں۔ فرقہ ناجیہ صرف ایک ہے۔ اور یہی وہ فرقہ ہے۔ جس کے متعلق حدیث شریف میں فرمایا کہ یہ وہ فرقہ ہے "جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں"۔ یعنی سنت کے پیرو۔ دوسری روایت میں فرمایا "وہ جماعت ہے" یعنی مسلمانوں کا

بڑا گروہ جسے سوادِ اعظم فرمایا اور فرمایا جو اس سے الگ ہوا جہنم میں الگ ہوا۔ اسی وجہ سے اس فرقہ کا نام "اہل سنت و جماعت" ہوا۔ اور اہل سنت کا یہ ناجی گروہ، اب چار مذہب میں مجتمع ہے۔ حنفی مالکی۔ شافعی حنبلی۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر رحم فرمائے۔ اب جو ان چار سے باہر ہے بدعتی اور بحکم حدیث جہنمی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے رسالہ انصاف میں الضافا فرمایا کہ ایک مذہب کا اختیار کر لینا ایک راز ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے، علماء کے قلوب میں القا فرمایا اور انہیں اس پر جمع فرما دیا۔ چاہے اس راز کو سمجھ کر اس پر متفق ہوتے ہوں یا بے جانے" اور یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ بارہ سو سال سے بڑے بڑے علماء و فضلاء جو علم و فن میں یکتائے روزگار گزرے بلکہ محدثین و مفسرین بلکہ مشائخ کرام میں حضرت غوث اعظم اور خواجہ غریب نواز جیسی عظیم المرتبت ہستیاں، مقلد ہی گزریں۔ تو جو ان سے جدا ہو کر، تمام مسلمانوں سے الگ ایک نئی راہ نکالتا ہے وہ آپ اپنی عاقبت خراب کرتا اور جہنم میں گرنے کا سامان کرتا ہے۔ والعیاذ باللہ رب العلمین۔

یا معشر المسلمین! یہ فرقۂ غیر مقلدین کہ تقلید ائمہ دین کے دشمن، اور بیچارہ عوام اہل اسلام کے رہزن ہیں۔ مذاہب اربعہ حنفی شافعی مالکی حنبلی کو چوراہہ بتائیں، ائمہ ہدیٰ مثلاً امام اعظم ابوحنیفہ کوفی، امام محمد بن ادریس شافعی، امام مالک بن انس، امام احمد بن حنبل وغیر ھم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو احبار و رہبان، یہودیوں نصرانیوں کے مذہبی پیشوا ٹھہرائیں اور یوں در پردہ سچے مسلمانوں کو یہودی نصرانی اور علانیہ کافر و مشرک بنائیں۔ قرآن و حدیث کی آپ سمجھ رکھنا، ارشادات ائمہ کو جانچنا پرکھنا، ہر عامی جاہل کا کام کہیں۔ بے راہ چل کر بیگاہ مچل کر، حرام خدا کو حلال کر دیں۔ حلال خدا کو حرام کہیں۔ ان کا بدعتی بدمذہب گمراہ بے ادب ہونا نہایت جلی و اظہر ہے۔ بلکہ عند الانصاف یہ طائفہ بہت سے اہل بدعت فرقوں سے مسلمانوں کے حق میں سخت نقصان دہ اور سخت فتنوں کا موجب ہے۔

صحیح بخاری شریف میں وارد کہ کان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یری الخوارج شرار خلق اللہ وقال انہم انطلقوا الی اٰیاتٍ نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المومنین یعنی عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خارجیوں کو بدترین خلق اللہ جانتے کہ انہوں نے وہ آیتیں جو کافروں کے حق میں اتریں، اٹھا کر مسلمانوں پر رکھ دیں۔" بعینہٖ یہی حالت ان حضرات کی ہے۔ آیۂ کریمہ اتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ، کہ کفار اہل کتاب اور ان

کے عمائد دارباب میں اتری ہمیشہ یہ بیباک لوگ اہل سنت وائمہ اہلسنت کو اس کا مصداق بتلاتے ہیں اور یہود کے حق میں جو آیتیں اتریں انہیں امت مرحومہ کے علماء پر ڈھالتے ہیں۔ پھر دعویٰ یہ ہے کہ ہم تو خیر البریہ یعنی قرآن اور قول خیر البریہ یعنی حدیث پر چلتے ہیں۔ سبحٰن اللہ یہ منہ اور یہ دعویٰ۔ غرض واقعی یہ لوگ ان پرانے خارجیوں کے ٹھیک بقیہ و یادگار ہیں۔ وہی مسلے وہی دعوے۔ وہی انداز وہی دتیرے۔ انصاف کیجئے تو صرف اتنی ہی بات ان کے ابطال مذہب میں کافی ووافی ہے کہ اگر ان کا مذہب حق ہے تو قدیم سے اہل مدینہ واہل حجاز واہل عرب واہل تمام بلاد اسلام سب کے سب معاذاللہ مشرکین بے دین ٹھہرے اور مسلمان صرف یہی گنتی کے بے لگام اور بے مہار شتر انا للہ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ (النہی الاکید وغیرہ)

عرضِ آخریں

وہابیہ میں ایک مرض، جس میں ان کے تمام اصاغر واکابر شامل ہیں یہ ہے کہ وہ بات بات پر نہ صرف عوام کو بلکہ تمام اہلسنت وجماعت وسواد اعظم ملت کو، بلکہ ہزاراں ائمہ شریعت وطریقت کو معاذاللہ بدعتی گمراہ ٹھہراتے ہیں اور مطلقاً خوف خدا وترس روز جزا، دل میں نہیں لاتے۔ لہٰذا چند اجمالی کلمے حاضر ہیں۔ مسلمان انہیں ذہن میں رکھیں تاکہ ان وہابیہ کے کید ومکر اور فریب ودجل سے محفوظ ومامون رہیں۔

۱۔ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ یعنی جس چیز کی ممانعت شرع مطہر سے ثابت اور اس کی برائی پر دلیل شرعی قائم ہو۔ وہی تو ممنوع ومذموم ہے۔ باقی سب چیزیں جائز ومباح رہیں گی تو جو شخص جس فعل کو ناجائز یا حرام یا مکروہ کہے اس پر واجب کہ اپنے دعویٰ پر دلیل قائم کرے اور جائز ومباح کہنے والوں کو ہرگز دلیل کی حاجت نہیں۔ کہ ممانعت پر کوئی دلیل شرعی نہ ہونا۔ یہی جواز کی دلیل کافی ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "حلال وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حرام فرمایا اور جس کا کچھ ذکر نہ فرمایا وہ اللہ کی طرف سے معاف ہے یعنی اس کے فعل پر کوئی مواخذہ نہیں

۲۔ نیک بات، کسی زمانہ کسی قرن کسی وقت میں ہو، نیک ہے اور برا کام، کسی زمانہ میں ہو برا ہے زمانہ یا قرن کو کسی فعل کے اچھے برے ہونے میں دخل نہیں۔ آخر واقعہ کربلا، حادثہ حرہ خارجیوں

کی بدعتیں، رافضیوں کی خباثتیں، اور معتزلہ وغیرھم کی شناعتیں کہ زمانۂ صحابہ وتابعین میں ہوئیں اس وجہ سے وہ نیک نہیں ٹھہر سکتیں۔ اور دینی مدارس کا قیام، کتابوں کی تصنیف، علوم دین کی تدوین نحو وصرف کا تعلم وتعلیم وغیرھا امور حسنہ، کہ ان کے بعد شائع ہوئے اس وجہ سے بد نہیں قرار پا سکتے اور ایسا ہی ہے تو ذرا حضرات وہابیہ اپنی خبر لیں۔ ہزاروں باتیں کہ اس فرقہ کے اصاغر وا کابر میں رائج ہیں قرون ثلاثہ میں، صحابہ وتابعین وتبع تابعین کے دور میں کہاں تھیں۔ تو پھر کتابیں لکھنا۔ لکھوانا، چھاپنا چھپوانا۔ واعظوں کا شہر شہر گشت لگانا مناظروں کے لئے جلسے اور پنچ مقرر کرنا۔ نذرانیں لینا۔ دعوتیں اڑانا۔ یہ سب بدعتیں ہیں اور سب جہنم میں جانے کے سامان۔ یا ان کے لئے پروانۂ معافی آگیا ہے کہ جو چاہو کرو۔ تم پر کچھ مواخذہ نہیں۔ یا یہ نکتہ چینیاں انہیں باتوں میں ہیں جن میں تعظیم ومحبت حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے علاقہ ہو۔ باقی سب حلال وشیر مادر۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

۳۔ ہر بدعت حرام نہیں ہوتی بلکہ کبھی واجب ہوتی ہے۔ جیسے گمراہ فرقوں پر، رد کے لئے دلائل قائم کرنا اور نحو وغیرہ وہ علوم سیکھنا جن کی مدد سے قرآن وحدیث بخوبی سمجھ میں آسکیں۔ اور کبھی مستحب ہوتی ہے جیسے سرائے اور مدرسے بنانا۔ کبھی مباح جیسے لذیذ کھانے پینے اور کپڑوں میں وسعت کرنا۔ اور کبھی حرام ہوتی ہے جیسے داڑھی کی نئی تراش خراش۔ اور کبھی مذمومہ وقبیحہ۔ اور یہی وہ بدعت ہے جو کسی سنت کے مخالف ومزاحم ہو۔ اور اسی بدعت سئیہ کے لئے فرمایا کہ کُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ اگر ہر بدعت ونو پید چیز، مطلقاً گمراہی بدعت ہو تو امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو جو تراویح کی نسبت فرماتے ہیں نِعْمَتِ الْبِدْعَۃُ ھٰذِہٖ۔ یہ اچھی بدعت ہے۔ وہابیہ ان کے بارے میں کیا کہیں گے۔ مگر ان کے یہاں تو یہ ٹھہری ہے کہ محبوبان خدا کی عظمت کے جتنے امور ہیں سب بدعت اور جس میں ان کا مطلب ہو وہ حلال وسنت ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

حرفِ آخر

الحمد للہ کہ یہ کتاب مستطاب شمئ عجاب جامع خیر وبرکات اوائل ذی قعد ۱۳۹۹ھ مطابق اکتوبر ۱۹۷۹ء میں شروع اور آج ۲۵ رجب المرجب ۱۴۰۰ھ مطابق ۹ جون ۱۹۸۰ء روز جاں افروز دوشنبہ مبارکہ کو انجام پذیر ہوئی۔ امید ہے کہ علماء ناظرین کے صدقہ میں حضور پُرنور عَفو غفور، جواد وکریم، رؤف ورحیم، سید المرسلین، خاتم النبیین شفیع المذنبین محمد رسول رب العلمین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وابنہ سیدنا الغوث الاعظم وحزبہ اجمعین کی بارگاہ بیکس پناہ میں شرف قبول پائے اور حق تبارک وتعالیٰ عامۂ مومنین کو دارین میں اس سے اور فقیر کی سب تصانیف سے فائدہ پہنچائے۔ واخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ وصحبہ اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین۔ سبحان ربك رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العلمین واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

کتبہٗ العبد محمد خلیل خاں القادری البرکاتی المارہری

عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ النبی الامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

تمت

مَنْ یُّرِدِاللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّہْہُ فِی الدِّیْنِ

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی (کرنا) چاہتا ہے اسے دین کی فقہ (سمجھ) عطا فرماتا ہے

سُنّی بہشتی زیور (کامل)

جلد اوّل

(حصہ اوّل تا پنجم)

خلیلِ ملّت حضرت علّامہ مفتی محمّد خلیل خان برکاتی قدس سرہٗ

الناشر

فرید بُک سٹال

۴۰۔ اُردو بازار، لاہور۲ فون نمبر ۳۱۲۱۷۳

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّہْہُ فِی الدِّیْنِ

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی (کرنا) چاہتا ہے اسے دین کی فقہ (سمجھ) عطا فرماتا ہے

سُنّی بہشتی زیور (کامل)

جلد دوم

(حصہ ششم تا نہم)

خلیلِ ملت حضرت علامہ مفتی محمد خلیل خان برکاتی قدس سرہٗ

فرید بک سٹال

۴۰۔ اُردو بازار، لاہور ۲ فون نمبر ۳۱۲۱۷۳

عورتوں کی عزت و ناموس سے متعلق احکام و ہدایات پر مشتمل شمع فروزاں

سُوْرَۃُ النُّوْرْ

ترجمہ

امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی قدس سرہ

تفسیر و تشریح مسمّٰی بہ

چادر اور چار دیواری

مفتی محمد خلیل خاں قادری برکاتی مارہری

صدر المدرسین دار العلوم احسن البرکات حیدرآباد سندھ

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور

شریعت، طریقت اور حقیقت کے فوائد و مقاصد

نور علیٰ نور

ترجمہ

سراج العوارف فی الوصایا والمعارف

تصنیف: حضرت شاہ ابو الحسین احمد نوری قدس سرہ العزیز

ترجمہ: مفتی محمد خلیل خاں برکاتی

فرید بکسٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور

سراج الامۃ ۔ امام الائمہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فقہ و اجتہاد کی
روشنی میں اہل اسلام کی صحیح رہنمائی کرنے والی تمام سال کے نوافل مخصوصہ اور
جمعہ و عیدین و جنائز وغیرہا کے احکام پر مشتمل اپنی نوعیت کی قابل مطالعہ کتاب لاجواب یعنے

الصلوٰۃ

تصنیفِ لطیف

خلیل العلما حضرت مولٰنا مفتی محمد خلیل خاں القادری البرکاتی المارہری

فرید بُک سٹال ۴۰۔ اردو بازار لاہور

٨٦-
٩٢

رسالۂ ہدایت قبالہ

فیصلۂ ہفت مسئلہ

شیخ المشائخ حضرت شاہ امداد اللہ صاحب
مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

مع

توضیحات و تشریحات

از

مفتی محمد خلیل خاں قادری برکاتی مارہری
مہتمم و صدر المدرسین دار العلوم احسن البرکات (ٹرسٹ)
حیدر آباد (سندھ) پاکستان

فرید بک سٹال
۳۸ اردو بازار
لاہور — ۲

سبع سنابل

جسے بارگاہِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا میں شرفِ قبول حاصل ہوا

مصنف

میر عبدالواحد بلگرامی

مترجم

مفتی محمد خلیل خاں برکاتی

مقدمہ

از

پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری

ناشر

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور ۲

۶۸۶
۹۲

اولاد کی صحیح تربیت، نوافل میں مشغولیت سے بہتر ہے (درالمختار)

اہلِ اسلام اہلِ سنت و جماعت کی صحیح رہنمائی کرنیوالا مسلمان بچوں اور بچیوں کو سچا پکا سنی حنفی محمدی بنانے والا ایک نفیس و مبارک سلسلہ

یعنی

ہمارا اسلام

مرتبہ

خلیل العلماء مفتی محمد خلیل خاں قادری برکاتی
شیخ الحدیث دار العلوم احسن البرکات (ٹرسٹ)
حیدرآباد (سندھ) پاکستان

فرید بک سٹال ۴۰ اردو بازار، لاہور